کتاب ہذا کے علاوہ دیگر کتب درسیہ و دینیہ
مولوی محمد یحییٰ تاجر کتب دینیہ مقیم سہارنپور
متصل مدرسہ مظاہر علوم سے طلب
فرماویں

قال تعالیٰ فذکر ان نفعت الذکریٰ وقال علیہ السلام بلغوا عنی

چوں آیت دلالت دارد بر مامور بہ بودن تذکیر کہ مواعظ علماء حق از افراد اوست
وحدیث دلالت دارد بر مامور بہ بودن تبلیغ کہ شائع کردن مواعظ از افراد اوست
لہٰذا رسالہ جامع فوائد دارین مسمّیٰ بہ

التذکیر

حصہ سوم

التہذیب ۱ — التہذیب ۲ — التہذیب ۳ — التہذیب ۴ — التہذیب ۵ — التہذیب ۶

مصداقے است از مصادیق تصنیف حزب یزین کہ تقریبا ایں مواعظ کردن حضرت مولانا
حافظ محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم تھانوی امثال اللہ امثالہم اند نمست و تحریر و طبع
آنہا کنانیدن مولانا محمد یحییٰ صاحب امثال اللہ
آخر است مضبوط و مرتب
کردہ

[illegible]

قیمت کاغذ ولایتی ۱۲؍ — کاغذ چکنا ۵؍

التصدیقات لدفع التلبیسات

معروف بہ مُہنّد

اس زمانہ پُرفتن میں جہاں اہل اسلام پر اور سب مصائب و آلام کا ورود ہے منجملہ ان کے یہ مصیبت بھی ہے کہ اہلِ باطل اپنی دنیا طلبی کے نشہ میں عوام اہل اسلام کو اہل حق سے متنفر کرتے رہتے ہیں اور بے سروپا اعتراضات و بیجا اتہامات اُن پر لگاتے رہتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ سے ان کے خاندان کیساتھ جو بغض اہل بدعت کو پیدا ہوا تھا وہ آج تک بڑھتا ہی رہا یہ جماعت مقدسہ جو بحمد اللہ جامع شریعت و طریقت اور مصداق کریمہ یحبہم و یحبونہ اور قول نبوی لا یزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرہم من خذلہم اور مصداق قول بزرگان ؎

چوں نے آئینہ ایجب کہ منم کاندریں عز آفتاب روشنم

ہمیشہ بیجا اِن کے ذمہ اتہامات لگاتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کو جھوٹا بتلاتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ زیارۃ حضرت فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو منع کرتے ہیں وغیرہ ان خرافات کی خبر مدینہ منورہ تک پہنچی تو وہاں کے ایک عالم محقق نے اِن سے سب سوالات قلمبند فرما کر بغرض رفع اشتباہ حضرت مولٰنا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی کی خدمت میں ارسال فرمائے اور جو جواب حضرت مدظلہم نے تحریر فرمائے تھے وہ وہاں کے علماء کرام سے تصدیق کرا دیئے کہ ایسے عقاید و خیالات ہرگز قابل اعتراض نہیں ہیں میں نے چاہا کہ اس رسالے کی اچھی طرح تشہیر کر دوں تاکہ عوام اِن لوگوں کے دھوکے سے بچ کر اس جماعت حقہ سے بدظن نہ ہوں اگرچہ ان حضرات کا اسمیں کچھ حرج نہیں ہے مگر صرف غریب عوام کے حال پر ترس کھا کر مولٰنا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے موافق گذارش ہے ؎

اللہ اللہ ہرگز اے قوم نبیل تا نباشد خوردتاں فرزند پیل

قیمت صرف ۴ر کاغذ نہایت عمدہ خوشخط واضح قلم

ملنے کا پتہ مولوی محمد یحییٰ تاجر کتب دینیہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

التہذیب (۱)

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	لمن ای شان	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہان ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کیسے ہوکر یا بیٹھکر	کیون ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کا زیادہ مجمع تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۱۰ شعبان [illegible] یوم جمعہ	۲ گھنٹہ ۳۰ منٹ	بیٹھکر		[illegible]	[illegible]	محمد عبداللہ گنگوہی	۳۰۰	اہل علم کا مجمع کم [illegible] عوام کا زیادہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا یہ دو آیتین ہین سورہ والشمس کی ان آیتون مین جناب باری تعالی نے فضیلت بیان فرمائی ہے تزکیہ نفس کی اور مذمت فرمائی ہے اُس کے اہمال کی اور ترکیہ تزکیہ کی تزکیہ چونکہ لفظ مشہور ہے اس لئے مین نے بھی لفظ تزکیہ ہی استعمال کیا تزکیہ لغت مین کہتے ہین میل کچیل سے کسی شے کو صاف کر لینے کو اور یہ ظاہر ہے کہ جیسی شے ہوگی اوسی طرح کا اُس کا تزکیہ ہوگا۔ مثلا کپڑا یا برتن یا بدن اگر آلودہ نجاست ومیل کچیل ہے تو اُس کا تزکیہ یہی ہے کہ پانی سے اُس کی تطہیر وتنظیف کر لی جاوے اور مکان مین اگر کوڑا کرکٹ جمع ہے تو اُس کا تزکیہ یہ ہے کہ اُس مین جھاڑو دی جاوے غرض جس قسم کی شے ہے ویسا ہی اُس کا تزکیہ ہوگا اور ظاہری گندگی سے پاک کرنا تزکیہ ظاہری ہوگا اور باطنی نجاست سے صفائی کرنا تزکیہ باطنی ہوگا ہرچند کہ آیہ مین معنی عام بھی لے سکتے ہین لیکن چونکہ تزکیہ ظاہر کو سب جانتے ہین اس لئے مین تزکیہ باطنی ہی کو ذکر کرونگا خواہ اس کو یہ سمجھا جاوے کہ مدلول آیت کا یہی ہے اور یا یون سمجھا جاوے کہ جزو مدلول ہے اور وجہ اس میری تخصیص کی یہ ہے کہ تزکیہ ظاہری کی طرف سے اس قدر بے التفاتی نہین ہے جس قدر کہ لوگون کو تزکیہ باطنی سے ہے اس لئے کہ جن چیزون سے تزکیہ ظاہری کا تعلق ہے ان مین سے بعض سے بچنا طبعی امر ہے اور بعض سے شرعی مثلا قاذورات سے اپنے بدن یا کپڑے کو بچانا امر طبعی ہے یہان طبع کا اقتضا ہے کہ ان چیزون سے بچو اور بعض نجاسات وہ ہین کہ ان کو شریعت نے نجاست قرار دیا ہے جیسے منی نکلنے

سے تمام بدن کا تزکیہ کرایا ہے۔ اور حیض و نفاس سے نیز تمام بدن دھلوایا ہے۔ بہرحال تزکیہ ظاہری خواہ طبیعت کیوجہ سے ہو یا شریعت کے اتباع سے ہو۔ اُس کا اہتمام اور اُس کی ضرورت کو سب مسلمان تسلیم کرتے ہین اور جانتے ہین اور ان سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہین بخلاف تزکیہ باطنی کے کہ بعض تو اُس کی ضرورت ہی کو تسلیم نہین کرتے ہین اور جو کرتے ہین۔ وہ اُس کی طرف سے بے التفاتی کرتے ہین ایسے افراد تو بہت پائے جاوینگے جو شراب سے بچینگے پیشاب سے محترز ہونگے اگر کہین چھینٹ لگنے کا احتمال بھی ہوگا تو تمام کپڑا ہی دھوڈالینگے لیکن ایسے بہت کم ہین کہ اُن کا تقویٰ اکل و شرب مین بھی پایا جاتا ہو۔ چنانچہ رشوت کا مال کھا جاوینگے سود کی کچھ پروا نہین کرینگے قرض لیکر نہ دینے کو ریاست کا جزو سمجھینگے ہان ظاہری وضع درست کرلینگے ڈاڑھی لمبی ہے پاجامہ ٹخنون سے اوپر کرتا نیچا ہے تاکہ اتقیا مین شمار ہو کر اعتبار بڑھ جاوے اور نیز اس مین نفس کو بھی کلفت نہین ہوتی اور جن امور مین نفس کو مشقت ہوتی ہے جیسے کسی کی زمین دبی ہوئی ہے اُس کو چھوڑ دینا زمین کی آمدنی نہ کھانا یا جن امور مین جاہ کی کچھ کمی ہوتی ہے جیسے کسی غریب آدمی کو ستایا تھا اُس سے خطا معاف کرانا ایسے امور کا کچھ بھی اہتمام نہین تزکیہ کی یہ قسم ایقاع مین بہت قلیل ہے بہت کم افراد کو اس کا اہتمام ہے اور ان مین سے بھی اگر کسیکو اہتمام بھی ہے اُن ہی چیزون کا ہے جن کا معصیت ہونا بہت مشہور اور ظاہر سے بھی کچھ متعلق ہے باقی جو تزکیہ غیر مشہور اور محض متعلق باطن کے ہے۔ اُس کا کسی درجہ مین بھی اہتمام نہین ہے الا ماشاء اللہ حاصل یہ ہے کہ نجاسات باطنہ سے بچنا یہ تزکیہ باطنی ہے اور اسی کو آیت کا مدلول قرار دیتا ہون چنانچہ جناب باری عز اسمہ ارشاد فرماتے ہین۔ قد افلح من زکٰھا الخ یعنی بیشک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اُس کو مٹی مین ملا دیا اول بیان کیا گیا کہ جس قسم کی شے ہوگی اسیطرح کا اُس کا تزکیہ ہوگا پس نفس کا پاک کرنا پانی سے نہ ہوگا اور نیز ظاہری نجاسات سے بچنا بھی مراد نہین اس لئے کہ ضمیر نفس کی طرف راجع ہے اور نفس پانی سے پاک نہین ہوتا ہان اس معنی کر پانی مؤثر ہوسکتا ہے کہ تطہیر ظاہری بدن دھونے کا اثر نفس پر ہوتا ہے چنانچہ امام غزالی رحمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور گو دلیل اس پر قائم نہین کی مگر وہ اُس کا مشاہدہ کراتے ہین کہ دیکھو کہ جب آدمی غسل کرتا ہے یا وضو کرتا ہے تو باطن مین ایک ایسا انشراح اور شگفتگی پاتا ہے جو پہلے نہین تھی ایکدن ایسا لو کہ پانچون نمازین اس مین تازہ وضو کرکے پڑھی ہون اور دوسرا دن ایسا لو کہ ایک وضو سے سب نمازین پڑھی ہون پہلے دن مین زیادہ نور اور انشراح اور شگفتگی پائیگا۔ اور

دوسرے مین ایک قسم کی پژمردگی اور نور کی کمی دیکھیگا اور لیجئے استنجا کرنے کے بعد اور وضو سے پہلے باطن مین ایک خالص حالت ہوتی ہے کہ وہ نہ نور ہے نہ ظلمت ایک خلو کی سی کیفیت ہوتی ہے اور وضو کے بعد غور کیجئے کہ ایک نور ہوگا اور طبیعت تازہ ہوگی اور کسل اور کدورت بالکل دور ہوجاتی ہے اور ایک بات اسی وقت سمجھ مین آئی وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہین تو عجب نہین ہے کہ یہ انشراح اور نور جو وضو کے بعد ہر مومن کو محسوس ہوتا ہے یہ اسی کا اثر ہو اس لئے کہ گناہ سے ظلمت کدورت سیاہی کا قلب پر ہوجانا تو حدیث سے معلوم ہوتا ہی ہے چنانچہ حضور نے فرمایا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اُسکے قلب پر ایک دھبہ سیاہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کرلے تو وہ زائل ہوجاتا ہے اور اگر پھر گناہ کیا تو ایک اور نکتہ سیاہ لگ جاتا ہے حتی کہ گناہ کرتے کرتے سیاہی قلب کو محیط ہوجاتی ہے پس جبکہ گناہ سے ظلمت ہوتی ہے تو وضو سے گناہ معاف ہوکر اُس ظلمت مین کمی ہوتی ہے اسی لئے اس کا احساس ہوتا ہے اور اُسی کی خبر دی گئی ہے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہین سبحان اللہ اعمال شرعیہ کی عجیب خاصیت ہے کہ اُن مین اخلاص اگرچہ کم ہو لیکن وہ اپنا اثر کئے بغیر نہین رہتے اسی واسطے تو حقتعالے ارشاد فرماتے ہین۔ مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاٰتت اکلھا ضعفین فان لم یصبھا وابل فطل یعنی جو لوگ اپنے مالون کو اللہ کی رضامندی طلب کرنیکے واسطے خرچ کرتے ہین اُن کا حال ایسا ہے جیسے ایک اونچے ٹیلہ پر ایک باغ ہو اُس پر زور کی بارش ہو پس اُس باغ نے دوچند پھل دیا اور اگر بارش سخت نہ پہنچے تو شبنم ہی کافی ہے اللہ تعالے نے اس مثال مین مسلمانون کے قلب کو ایک صالح زمین قرار دیا ہے اور اعمال صالحہ مثل تخم کے ہین اور اُس قلب کو ایسی قابل زمین قرار دی ہے کہ اگر اخلاص جو بجائے بارش کے ہے کافی مقدار مین نہ ہو۔ تو تھوڑا سا اخلاص جو بجائے شبنم کے ہے وہ ہی کافی ہوجائیگا اور سات سو درجہ کہ دس گونہ حسنات ہے اُس کو میسر ہوجائیگا۔ پس اگر پورا اخلاص نہ ہو مگر ریا بھی نہ ہو جیسی ہماری حالت ہے کہ نہ ریا ہوتی ہے نہ اخلاص مساوات سی ہوتی ہے تو انشاء اللہ امید ہے کہ اتنا ہی کافی ہے ہمارا یہی وضو یہی نماز گو مخلصین جیسا وضو و نماز نہین ہے لیکن امید ہے کہ حقتعالے اپنی رحمت سے قبول فرمالینگے اس مقام پر تنبیہ کیلئے ایک بات ضروری یاد آگئی ہے وہ یہ کہ بعض مرتبہ آدمی تواضع

مین آکر کہتا ہے کہ ہماری کیا نماز کیا روزہ اور اپنے ان اعمال کو حقیر سمجھتا ہے کہتا تو ہے یہ تواضع کیلئے لیکن بعض اوقات یہ بات جحود نعمت کیطرف مفضی ہو جاتی ہے یاد رکھو جس قدر یہ تم کرتے ہو۔ یہہ بہی نعمت ہے اس پر شکر کرنا چاہیے اور آگے کو ہمت کرنا چاہیئے ہم تو اسکے بہی مستحق نہ تھے اللہ تعالے ایسی ہی وضو اور ایسی نماز کی توفیق دے یہ بہی اُن کا فضل ہے انشاء اللہ حق تعالی کے یہان یہی اعمال قدر کے ساتھ دیکھے جاوینگے اور مراتب علیا نہ سہی عذاب جہنم سے تو انشاء اللہ امید ہے کہ نجات ہو جاویگی مراتب علیا تو بڑے لوگون کو مبارک ہون ہم تو بخدا اس پر راضی ہین کہ ہم کو سزا سے خلاصی ہو جاوے۔ پس ان اعمال کو حقیر نہ سمجہنا چاہیے بہت لوگ اس انتظار مین ہین۔ کہ نماز جب پڑہینگے جبکہ حضور قلب ہو گا ہم کیا نماز پڑہین دل مین تو ہمارے دنیا کے بکھیڑے بھر رہے ہین۔ جب قلب پاک وصاف ہو گا اُسوقت نماز پڑہینگے یاد رکہو یہ نفس کا بڑا کید ہے ظاہر مین تواضع ہے مگر واقع مین یہ تکبر ہے اسلئے کہ جو حالت اور جو وقت اس نے اپنے لئے نماز کا تجویز کیا ہے اس وقت کی نماز کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ نماز اس دربار کے لائق ہے حالانکہ اگر ہم عمل کرتے کرتے ہزارون بار بہی مر مر کر زندہ ہو جاوین جب بہی ہم ناقص ہین اور ہمارے اعمال اس وقت بہی ناقص ہی ہین۔ کسی طرح اس قابل نہین ہین کہ اس بارگاہ مین پیش ہون ہم اور ہمارے اعمال ہر وقت ناقص ہی ہین ہمارا اپنے اعمال کو ناقص سمجہنا ہی کمال ہے پس اس حالت مین جبکہ یہ اعمال ناقص ہین اور یہ شخص بھی اُن کو ناقص سمجھتا ہے نقص ان مین کم ہے اور جو حالت اس کو مطلوب ہے اور اُس کے حصول کیوقت یہ اُن اعمال کو کامل سمجھیگا۔ اس وقت کے اعمال نقص مین بڑہے ہوئے ہین اس لئے کہ ناقص تو دونون ہی حالت مین ہین لیکن اس کے کامل سمجہنے نے نقص کو اور بڑہا دیا ہے مریض اپنی نماز کو ناقص سمجھتا ہے اور تندرستی کی حالت مین نماز کو کامل سمجہتا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے اس لئے مقصود تو مٹنا ہے اور غایت تذلل ہے جہان یہ معنی پائے جاوینگے وہ ہی کمال ہے ہماری نماز ہمارا روزہ ایسا ہے جیسے مولانا ارشاد فرماتے ہین ؎ این قبول ذکر تو از رحمت است ٭ چون نماز مستحاضہ رخصت است ٭ حقتعالے کا بڑا احسان ہے کہ ہمکو اس کی توفیق عطا فرمائی ؎ بلا بودے اگر این ہم نبودے ٭ اگر یہ نماز بہی نہ ہوتی تو کیا کر لیتے اور کیسی سخت مصیبت کا سامنا ہوتا چنانچہ بعض دفعہ کسی عارض کی وجہ سے اس ناقص نماز مین

تاخیر ہو جاتی ہے یا بالکل فوت ہو جاتی ہے تو کیسا غم سوار ہوتا ہے ؎

بر دل سالک ہزاران غم بود	چون زباغ دل خلالے کم بود

اس وقت اس ناقص عمل ہی کی قدر ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اگر بالکل ہی توفیق نہ ہوتی۔ تو کیسی مصیبت تھی بہر حال یہ نماز روزہ ہی حقتعالی کی بڑی نعمت ہے اگر تھوڑا سا ہی خلوص ہوگا تو نجات کے لئے کافی ہے جیسے نفعات کے مثل مین اللہ تعالی نے بیان فرمایا کہ شبنم ہی کافی ہے اب یہان پر شبہ یہ ہوگا کہ جب اپنی نماز کو کافی اور کامل سمجھا تو یہ تو کبر ہے بات یہ ہے کہ ایک صورت سے کبر نہ ہوگا وہ یہ کہ اپنے کو تو بے قدر سمجھے اور یہ جانے کہ مین اس نعمت کے بھی قابل نہ تھا اور نماز کو بے قدر نہ جانے گو اس کو کاملین کے درجہ کی نہ جانے لیکن یہہ سمجھے کہ مین ایسے نماز کے بھی قابل نہ تھا اس کی توفیق ہو جانا یہ بھی میری مقدار سے کہین زیادہ ہے اس طور سے شکر اور تواضع دونون جمع ہو جائینگے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو نہایت بھوک لگ رہی ہو اور کہین سے کچھ نہ ملتا ہو اور اتفاق سے کسی نے روکھی روٹی دیدی تو وہ اس کا بہت ممنون ہوگا اور اس کی قدر کریگا لیکن اس کو دوسرے دن کی نعمتون پلاؤ زردے سے کم ہی جانے گا اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھیگا۔ کہ میرے لیے تو یہی پلاؤ اور قورمہ ہے اگر یہ بھی نہ ہوتی تو ہلاک ہی ہو جاتا غرض حضور کے اس ارشاد سے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہین یہ معلوم ہوا کہ طاعات کے درمیان یہ خاصہ ہے کہ اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے تو اس اعتبار سے طہارت ظاہرہ سے بھی نفس کا تزکیہ ہوتا ہے کہ اولاً جسم کا تزکیہ ہو اور بواسطہ اس کے نفس کا اور اسی طرح دیگر اعمال سے بھی تزکیہ نفس کا ہوتا ہے گو بواسطہ ہی اور تزکیہ بلاواسطہ مراد لیا جاوے تو آیت مین صرف تزکیہ باطنی مراد ہوگا بہر حال آیت کا مدلول عام لیا جاوے یا خاص مگر میرا مقصود یہان پر وہ اعمال ہین جن سے تزکیہ بلاواسطہ ہوتا ہے بیچ مین ایک شبہ کو بھی دفع کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اگرچہ شبہ عامیانہ ہے لیکن آج کل مصیبت یہ ہے کہ ہر شخص مجتہد ہے اگر ترجمہ اردو قرآن وحدیث کے دیکھنے کا شوق ہے یہ شوق تو برا نہین لیکن ہر کام کی تدبیر اور قاعدہ دنیا مین ہے کہ ہر کام کا ایک استاد ہوتا ہے بہتر یہ ہے کہ کسی استاد سے یہ ترجمہ پڑھین اپنی رائے کو دخل نہ دین شبہ یہ ہے۔ کہ حقتعالے نے یہان تو تزکیہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور ایک مقام پر ارشاد ہے فلا تزکوا انفسکم تو بظاہر یہان تزکیہ سے

نہی ہے تو اس سے اردو ترجمہ دیکھنے والے کو جبکہ اُس کو علم نہ ہو سخت حیرانی ہوتی ہے کہ یہ کیا بات ہے بات یہ ہے کہ تزکیہ کے دو معنی آتے ہین پاک کردن و پاک گفتن جہان فضیلت بیان فرمائی ہے وہان تو معنی اول مراد ہین اور جہان نہی ہے وہان معنی ثانی اسس لیئے کہ باب تفعیل کا خاصہ یہ بہی ہے کہ ماخذ کو اپنی طرف منسوب کرنا پس جہان نہی ہے وہان یہی معنی مراد ہین۔ حاصل یہ ہے۔ کہ نفس کو پاک تو کرو لیکن اس کرنیکے بعد اُس کو پاک مت کہو۔ اور نہ پاک سمجھو خلاصہ یہ ہے کہ کردار کی تاکید ہے اور گفتار سے تحذیر ہے ؎

کارکن کار بگذار از گفتار | کاندرین راہ کار باید کار

حضرتِ شیخ شیرازی فرماتے ہین۔ قدم باید اندر طریقت نہ دم ٭ کہ اصلی ندارد دمی بیقدم ٭ نرے دعوی سے کچھ نہین ہوتا۔ کام کرنا چاہیئے ایک بزرگ وحدۃ الوجود کے بارہ مین فرماتے ہین ؎

مغرور سخن مشو کہ توحید خدائی | واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

یعنی وحدۃ الوجود واحد دیدن ہے واحد گفتن نہین ہے یعنی توحید بمعنی وحدۃ الوجود وہ ایک حالت ہے وہ کوئی مضمون علمی نہین ہے جس پر وہ حالت گذرتی ہے وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے پس غرض فلا تزکوا انفسکم مین دعوی کرنے کی ممانعت کیگئی ہے چنانچہ قرینہ اُس کا یہ ہے کہ اس کے بعد فرماتے ہین۔ ھو اعلم بمن اتقی اگر پاک کردن کے معنے ہوتے تو اعلم نہ فرماتے پس دعوی کی ممانعت ہے واقعی اگر آدمی غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ جس درجہ کی بہی پاکی حاصل کرے حق تعالے کی درگاہ کے لائق کسی طرح نہین ہوسکتی یہان تک کہ جو طاعات زبان سے ادا ہوتے ہین اور ظاہر ہے کہ زبان ایسی چیز ہے کہ اُس سے ہم جو چاہین اور جس قدر چاہین عمل ہوسکتا ہے لیکن حق کے وہ حقوق بہی ادا نہین ہوتے۔ اور ہماری تو کیا ہستی ہے سید الحامدین خود ارشاد فرماتے ہین لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر | ما ہمچنان در اول وصف تو ماندہ ایم

اور ایک بزرگ کہتے ہین ؎

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا | کہ مے بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا

مین نے اس مقام مین کلام کو اسس لیئے طول زیادہ دیا ہے کہ آج کل لوگ کچھ ذکر و

شغل کر کے اپنے کو عارف اور شاغل سمجھتے ہین حالانکہ یہ راہ پورا کبھی بھی قطع نہین ہوتا جتنا زیادہ قطع کرو اتنا ہی زیادہ بڑھتا ہے اور بظاہر یہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہوگا اس لئے کہ کسی راہ کو جتنا قطع کرتے ہین وہ تو گھٹا کرتا ہے بات یہ ہے کہ جس قدر معرفت بڑھتی ہے نظر صحیح ہوتی جاتی ہے اور حق تعالے کے حقوق اور عظمت کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کے لئے لازم ہے۔ کہ اپنا عجز اور کوتاہی بھی ساتھ ساتھ بڑھے۔ پس سالک کی جس قدر معرفت بڑھیگی اُس کو یہ معلوم ہوگا کہ مین ایسا ہیچ در ہیچ ہون اور مین نے راستہ کا ایک قدم بھی طے نہین کیا اور خدا تعالے کا ایک حق بھی ادا نہین کیا اگر خدا تعالے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگین تو کہین ٹھکانا نہین اس لئے کہ حقوق تو ہم ادا کر ہی نہین سکتے اسی واسطے اس کا مواخذہ نہ ہوگا کہ ہمارے حقوق پورے کیون نہین ادا کئے بلکہ یہ کہا جاویگا کہ ادائے حقوق مین کیون نہین لگے ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر اور دیکھو کہ اس مقام پر عقل تو ادائے تمام حقوق کا فتوی دیتی ہے اور حقوق کا ادائے تام ممکن نہین تو یہ آپ کی عقل جس پر آپ کو ناز ہے آپ کو مجرم بنانا چاہتی ہی اگر شریعت نہ ہوتی جو کہ ادائے حقوق مین لگ جانے پر کفایت کرتی ہے اور عقل ہی پر مدار ہوتا تو سب ہلاک ہوتے لیکن حق تعالی نے رحمت فرمائی اور مدار کار ہماری عقل پر نہین رکھا چنانچہ فرماتے ہین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کسی شخص کو اُس کے عمل سے نجات نہ ہوگی بلکہ رحمت سے ہوگی حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ولا انت یعنی یارسول اللہ کیا آپ کو بھی عمل سے نجات نہ ہوگی قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ فرمایا مجھکو بھی نجات نہ ہوگی مگر یہ کہ اللہ تعالے مجھکو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ حق تعالے کی شان کے موافق ممکن الوجود شخص سے عمل نہین ہوسکتا خواہ نبی ہو یا ولی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہین۔ آگے نہین ہین ہان انسان کامل بلکہ اکمل الکاملین ہین اس لئے عمل کسیکا نجات دینے والا نہین تو دیکھو ہم نے عقل کو وکیل بنایا تھا مگر حاکم حقیقی نے اس کی وکالت کو نہین قبول کیا اور اس بیرسٹر کی بکواس کو رد کردیا اور یہ فرمایا کہ اگر ہم تمہارے بیرسٹر کی تقریر پر فیصلہ کرینگے تو تم سب مقدمہ مین ناکامیاب ہوکر جیلخانہ مین رہوگے لہذا ہم اس کی تقریر نہین سنتے اور اپنے مراحم خسروانہ سے تمکو

ع اور بعض آیات سے جو معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور نعیم جنت اعمال کا بدلہ ہے تو اسکو بدلہ اور جزا بنانا یہ بھی رحمت سے ہے ۱۲ منہ

خلاصی بخشتے ہین یعنی ہم اُس کو نہین دیکھتے کہ تمنے ہمارے حقوق ادا بھی کئے ہان ہم اُسکا
کا ضرور انتظار کرینگے کہ حقوق کے اندر مشغول بھی تھے یا نہین اس لئے ارشاد ہے ھو
اعلم بمن اتقی یعنی یہان تم اپنے کو پاک نہ کہو - پاک اور متقی کا علم تو اللہ کو ہے کہ کون
ہے والله ثم والله کہ اگر انسان کو اپنی قدر اور حیثیت کا اندازہ اور صحیح علم ہو جاوے تو
یہ کہتے ہوئے بھی شرم آوے - کہ انا موجود چہ جائیکہ یہ کہے انا کذا وانا کذا حق تعالی کی
قدرت اور عظمت چونکہ پیش نظر نہین ہے اس لئے یہ سب دعوی ہین تحقیقات جدیدہ
سے ثابت ہوا ہے کہ ایک قطرہ پانی مین خوردبین کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اسی
قدر کیڑے ہین - جس قدر کہ تمام دنیا کے آدمی اور چلتے ہین پھرتے ہین کھاتے ہین اور
اُن مین آنکھ ناک منہ ہاتھ پیر دماغ سب کچھ ہے اللہ اکبر اور اس مضمون کا تتمہ جو کہ
اس کے ایراد سے مقصود ہے آگے آویگا مگر درمیان مین ایک مفید مضمون اسکے متعلق
یاد آگیا اُس کو پہلے عرض کئے دیتا ہون کہ دیکھو ایک قطرہ مین اتنے کیڑے ہین اور پھر
وہ قطرے آپ پیتے ہین خدا تعالے ہی محافظت کرتے ہین خبر بھی نہین کہ ہم کیا کیا کھاتے
ہین کیا پیتے ہین یہ خوردبین تھوڑے دنون سے ہوگئی ہے اُس سے یہ علم ہوا جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ ڈاکٹرون نے یہ ہانک دیا کہ یہ طاعون ان کیڑون کی وجہ سے ہے جب پانی خراب
ہوتا ہے تو ان مین سمیت آجاتی ہے لوگون کو بھی اُن کے کہنے کا یقین آگیا - اور چونکہ
خدا تعالے کیساتھ جیسا گمان آدمی کا ہوتا ہے ویسا ہو بھی جاتا ہے ممکن ہے کہ جب
ان کیڑون مین طاعون کا خیال بندھا تو اللہ تعالے نے بھی طاعون اُس مین پیدا کر دیا
ورنہ ان تحقیقات سے پہلے نہ طاعون تھا نہ کچھ تھا مجھکو اس پر ایک حدیث یاد آئی جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کیلئے تشریف لیگئے - دیکھا - کہ
اُس کو بخار ہے فرمایا لا بأس طهور انشاء الله تعالے یعنی کچھ حرج نہین یہ بخار تمہارے
حق مین مطہر ہے اللہ اکبر عیادت کا حق بھی حضور سے زیادہ ادا کرنے والا کون ہوگا -
عیادت کی غرض اصلی تسلیہ ہے اور تسلی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ جس شے کو وہ ضرر
سمجھتا ہو اُس کو حضور نفع کے افراد مین داخل کر دین یہہ تو ایسی تسلی ہے کہ طبیعت مین
اسقدر تسلی اس سے ہونی چاہئے - کہ مرض بھی نہ رہے لیکن اس تسلیہ کی اُس بیمار
نے قدر نہ کی وہ ایک ضعیف الایمان بڈھا تھا کہتا ہے کلا بل حمی تفور علی شیخ

کبیر تزیرہ القبور فرمایا اچھا یون ہی سہی چنانچہ وہ بڈھا اسی مین ختم ہو گیا غرض
تکو اگر طاعون پسند ہے تو طاعون بہی موجود ہے اور اگر شفا چاہتے ہو۔ تو شفا بہی ہے
صاحبو۔ حق تعالیٰ سے عافیت اور امن مانگنا چاہیئے۔ اور یہی گمان بہی رکھنا چاہیے
ہان اگر اس کے بعد بہی بحکمت الٰہیہ ابتلاء ہو جائے۔ تو صبر کرنا چاہیئے بعض لوگ بہت
بے صبر ہوتے ہین۔ اور مصیبت مین ایسے کلمات بول اٹھتے ہین۔ کہ ایمان تک
نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ہان جو اللہ والے ہین وہ ایسے مواقع مین بہی مستقل رہتے
ہین چنانچہ ایک بزرگ نے دیکھا۔ کہ لوگ بہاگے جا رہے ہین کسی سے پوچھا۔ کہ یہ
کہان جا رہے ہین۔ کہا کہ طاعون سے بہاگ رہے ہین تو آپ فرماتے ہین یا طاعون
خذنی الیک یعنی اے طاعون تو مجھکو لیلے انکی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ زبان حال
سے یون کہتے ہین ؎ نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ٭ سر دوستان سلامت
کہ تو خنجر آزمائی ٭ الحاصل طاعون کا سبب مؤثر کیڑے وغیرہ کچھ نہین ہین
یہ محض وہم ہے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو جو لوگ طاعونیون سے ملے جلے رہتے ہین۔ اُن کو
طاعون ضرور ہونا چاہیئے تھا حالانکہ بہتون کو باوجود اُن کی تمنا کے بہی نہین ہوا کانپور
مین میرے بعض دوستون نے طاعون کے ایام مین التزام کر لیا تھا کہ ہم مبتلایان
طاعون کی خدمت کرینگے چنانچہ انہون نے اول سے آخر تک تجہیز و تکفین و تدفین سب
کچھ کیا لیکن وہ بیمار تک بہی نہ ہوئے۔ اچھے خاصے اب بہی موجود ہین۔ یہ بڑا وہم ہے
وہم سوار ہو جاتا ہے اور وہم ایسی شے ہے کہ جب اس کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو واقعی اثر
بہی ہو جاتا ہے ہمارے استاد مولانا فرماتے تھے۔ کہ دہلی مین ایک ڈوم تھا۔ رمضان المبارک
کے دنون مین مسجد مین قرآن سنا کرتا تھا مومن خان شاعر سے اُس نے کہا۔ کہ خانصاحب
جب قرآن مین وہ سورت آوے جو مردون پر پڑہی جاتی ہے مجھکو ایک روز پہلے
اطلاع کر دیجیگا۔ مین اُس روز نہ آونگا۔ ایک روز مومن خان نے کہا۔ کہ بڑے میان
وہ سورت تو آگئی۔ فوراً اُس کو بخار چڑھ آیا۔ اور مردون کیطرح گہر جا کر لیٹ رہا۔ اور ایسا
وہم سوار ہوا کہ تیسرے دن مرگیا۔ قاری عبد اللہ صاحب مکی نقل فرماتے تھے۔ کہ
یہان ایک سال غالباً جاؤرہ کے رئیس حج کرنے کے لئے آئے تھے اتفاق سے
اُن کی بی بی کو ہیضہ پڑا نئی نئی شادی کی تہی بی بی کو چاہتے بہت تھے نواب صاحب

کو بے انتہا گھبراہٹ ہوا۔ حتی کہ اسی غم مین اُن کی رُوح تحلیل ہوگئی اور بیوی صاحبہ اچھی خاصی ہوگئین۔ ظہر کے وقت نواب صاحب کا جنازہ حرم مین آیا ہم کو افسوس ہوا کہ مریضہ مرگئین نواب صاحب کو کیسا رنج ہوگا تحقیق کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ نوابصاحب کا جنازہ ہے اسی واسطے شریعت نے بیماری کے لگنے مین بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ کہ جب خداتعالے چاہتے ہین بیماری لگتی ہے جب نہین چاہتے نہین لگتی اور اسی طرح تمام اسباب کے متعلق شریعت کا یہی فیصلہ ہے کہ جب خداتعالے چاہتے ہین اسباب کے بعد مسبب کو پیدا کردیتے ہین اور نہین چاہتے تو نہین کرتے اب اس قاعدہ پر کچھ اشکال ہی نہین اور بغیر اس عقیدہ کے مفر بھی نہین ہے ورنہ اس قدر اشکالات وارد ہونگے۔ کہ جواب دیتے دیتے تنگ ہوجاؤ گے۔ اور پھر بھی وہ ختم نہ ہونگے۔ مولانا فرماتے ہین ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند	با من و تو مردہ باحق زندہ اند
؎ نیار د زمین تا نگوئی بیار	نبارد ہوا تا نگوئی ببار

پانی غرق نہین کرسکتا ہوا اڑا نہین سکتی طاعون کچھ کر نہین سکتا جب تک کہ ان کو حکم نہ ہو **الحاصل** مین یہ بیان کررہا تھا۔ کہ یہ تحقیق ہوا ہے کہ ایک قطرہ پانی مین کروڑون جراثیم ہین۔ اب آپ دیکھئے کہ اُس ایک قطرہ پانی کو انسان سے کیا نسبت ہے پھر اُس ایک قطرہ پانی مین جو جراثیم ہین اُن مین سے ایک کیڑے کو دیکھیے کہ کیا نسبت ہے۔ وہ کیڑا اگر یون کہے۔ کہ مین انسان کی خدمت کرونگا۔ تو خدمت کرنا تو علحدہ ہے اُس کا یہ مقولہ سُنکر ہی بے انتہا ہنسی آویگی۔ اور بالغرض اگر وہ کچھ خدمت کرے۔ مثلاً پاؤن دبائے تو کچھ بھی خبر نہ ہوگی پس وہ کیڑا محال ہے۔ کہ انسان کا کوئی حق ادا کرسکے یا کسی درجہ مین اُس کو نفع پہنچا سکے اور اگر اس انسان کے مقابلہ مین کوئی رائے لگائے۔ یا تحقیقات اور علوم وصنایع کا بھی دعوے کرے۔ تو وہ محو کردینے کے قابل ہے پس جو نسبت ہمکو اس کیڑے سے ہے واللہ العظیم ہم کو بلکہ تمام کو حق تعالے جل جلالہ سے اس قدر بھی نسبت نہین پس آپ کا یہ دعوی کرنا کہ مین بڑا اصاف ہون پاک ہون ایسا ہی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھکر ہے جیسے وہ کیڑا انسان کے مقابلہ مین یون کہے۔ کہ مین ایسا

چمکدار ہون اور ایسا خوبصورت ہون اگر وہ انسان کو دیکھ لے تو واللہ اس سے بھی شرمائے۔ کہ یون کہے۔ کہ مین کوئی چیز ہون۔ اور جن پر کچھ فضل ہو گیا ہے۔ اُن کی یہی کیفیت ہوئی۔ ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ اُن کو ایک شخص پنکھا جھل رہے تھے اور وہ منع کرتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ میرے ساتھ کیون تمسخر کرتے ہو تھوڑی دیر کے بعد اجازت دیدی لوگون نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات تھی۔ فرمایا۔ کہ اُس وقت مجھ پر اضمحلال وجودی انکشاف ہوا مجھکو نہایت شرم معلوم ہوئی اور مین اپنی نظر مین لاشے محض ہو گیا۔ بعض بزرگ جو اپنی خدمت سے منع کرتے ہین تم تو یہ سمجھتے ہو۔ کہ یہ تنگ مزاج ہین۔ تم کو کیا خبر ہے کہ اُن پر کیا گذرتی ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

تم تو اُن کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ حالانکہ اُن کی دوسری حالت ہے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

پس کاملین کو ہرگز اپنے اوپر قیاس نہ کرنا چاہیے چنانچہ جن بزرگون پر اضمحلال وجود اور فنا کی حالت ہوتی ہے اُن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو کافرنگ سے بدتر سمجھتے ہین۔ دعا کرتے ہوئے او نماز پڑھتے ہوئے اُنکو شرم آتی ہے مگر حکم سے کرتے ہین۔ اسی حالت کی نسبت شیخ شیرازی فرماتے ہین ؎

ہمہ ہرچہ ہستند ازان کمتراند
کہ با ہستیش نام ہستی برند

یہی حالت ہے جس کا نام وحدۃ الوجود ہے حق تعالیٰ کی ہستی ایسی اُن کو پیش نظر ہوتی ہے۔ کہ اپنی ہستی کو مٹا ہوا پاتے ہین۔ اور اس طرح مٹ جاتے ہین جیسے آفتاب کے سامنے چراغ کہ اُس کو باعتبار ذات کے ہست کہ سکتے ہین۔ اور آفتاب کے نور کے سامنے اُس کو نیست بھی کہا جا سکتا ہے حضرت عارف شیرازیؒ بہت واضح مثال مین اس کو بیان فرماتے ہین۔ فرماتے ہین ؎

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ
بتابد بشب کرمکے چون چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز
چہ بودت کہ بیرون نیائی بروز
ببین کآتشین کرمک خاک زاد
جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

شیخ اکبر اسی مقام کی نسبت فرماتے ہین واللہ ماشمت الکائنات رائحۃ الوجود یعنے خدا کی قسم ہے کہ کائنات عالم نے وجود کی بوتک بھی نہین سونگھی پس جبکہ ہماری ہستی ایسی بے بود ہے تو عقلی طور سے سمجھ مین آگیا کہ ہم کو پاکیزگی کا دعوی کرنا کہان تک زیب دیتا ہے پس اس تقریر پر لاتزکوا انفسکم اور قد افلح من تزکھا مین کوئی تعارض نہ رہا۔ اور شبہ دفع ہوگیا مین یہ بیان کر رہا تھا۔ کہ مجھکو مقصود بالبیان نفس کا تزکیہ ہے معاصی سے خواہ وہ معاصی ظاہری ہون۔ یا باطنی اور ہرچند کہ معاصی بہت سے ہین۔ لیکن منشا ان سب کا صرف دو چیزین ہین۔ اول شہوت یا لذت دوسرے کبر یا غضب یہ دو مادہ خبیثہ ہین۔ کہ جن سے تمام معاصی پیدا ہوتے ہین۔ پس نفس کو اسباب شہوت وکبر سے بچانا حاصل تزکیہ کا ہے۔ شریعت نے ان ہی دو مادون کا طرح طرح سے معالجہ کیا ہے۔ معالجہ کی دو قسمین ہین۔ معالجہ تفصیلی اور معالجہ اجمالی لیکن معالجہ تفصیلی کا مرجع ہمیشہ کوئی امر اجمالی ہوتا ہے جیسے طبیب نے چند اجزاء سے ایک نسخہ لکھکر دیا۔ پس بظاہر تو وہ اجزا متعدد ہین۔ لیکن حاصل ان کا مثلاً صفراء کا قلع کرنا ہے ایک ہے شریعت نے دونون قسم کے معالجے کئے ہین۔ دیکھو بنی اسرائیل کو جب مال اور حب جاہ حق کے اتباع سے سدِ راہ ہوئی حق تعالے نے دونون کا معالجہ تفصیلی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے واقیموا الصلوۃ یہ تو حب جاہ کا معالجہ ہے واٰتوا الزکوۃ یہ حب مال کا علاج ہے وارکعوا مع الراکعین جو تتمہ ہے۔ اقیموا الصلوۃ کا یہ کبر کے زائل ہونیکی تدبیر ہے حق تعالے نے جابجا جو مجاہدات بیان فرمائے ہین سب کا حاصل ان ہی دو خصلتون سے تزکیہ ہے۔ مین اسکی شرح کرنا چاہتا ہون۔ اور اسی سے اعمال رمضان کی حکمتین اور روح معلوم ہوجائینگی اور یہ معلوم ہوگا۔ کہ ہمارا رمضان درحقیقت بری طرح سے گذرتا ہے بہت تو اللہ کے بندے ایسے ہین۔ کہ ان کے گھر رمضان آتا ہی نہین نہ دن کو نہ رات کو یعنی نہ نماز پڑھتے ہین۔ اور نہ روزہ رکھتے ہین۔ اور بعض کے یہان دن کو تو آتا ہے۔ لیکن رات کو نہین آتا۔ یعنی نماز وتراویح نہین پڑھتے اور دن کو بھی جو آتا ہے۔ تو بعض آثار کے اعتبار سے آتا ہے۔ یعنی کھانا پینا تو چھوڑ دیتے ہین۔ لیکن جس شے کا چھوڑنا بڑا ضروری تھا۔ یعنی معاصی اُن کو نہین چھوڑتے

صاحبو۔ غضب کی بات ہے کہ جو شئے یعنی کھانا پینا کہ فی نفسہ مباح ہے دن کو بھی اور رات کو بھی اور رمضان مین رات کو اور معذور کے لئے دن کو بھی جائز ہے جبکہ شارع نے اُس کو اس ماہ مبارک مین چھڑا دیا۔ تو معاصی جو کہ کسیوقت اور کسی حالت مین کسی عذر سے جائز ہی نہین وہ کیسے ترک کے قابل ہونگے اور اُنکے ترک کا اہتمام کیون نہ زیادہ کیا جاویگا۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ کھانا پینا تو چھوڑ دیا۔ لیکن گناہ نہ چھوڑے۔ ہماری اس تقوٰی کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے بدکاری کی۔ اور حمل رہگیا۔ کسی نے کہا۔ کہ کمبخت تو نے عزل نہ کر لیا۔ کہنے لگا۔ کہ مین نے علماء سے سنا تھا۔ کہ مکروہ ہے۔ زنا جو کہ حرام قطعی ہے اُس کے ارتکاب مین تو باک نہین کیا۔ اور عزل مین آکو تقوٰی پر عمل ہوا۔ ایسا ہی ہمارا تقوٰی ہے ایسے تقوے کو تقوٰی کلابی کہتے ہین۔ اور وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ کُتا جب پیشاب کرتا ہے۔ تو ٹانگ اٹھا کر کسی دیوار پر کر دیتا ہے۔ کہ ایسا نہ ہو۔ مجھکو چھینٹ لگ جاوے۔ لیکن اگر کہین پلیدی پاتا ہے۔ تو وہ کھا لیتا ہے۔ تو ٹانگ کو تو نجاست سے بچاتا ہے۔ اور مونہہ کو نہین بچاتا۔ ایک گنوار عورت کی حکایت مشہور ہے۔ کہ اس سے کسی نے پوچھا۔ کہ تیرا میاں کہان گیا۔ تو شرم کی وجہ سے منہ سے تو بولی نہین۔ لہنگا اُٹھا کر اور پیشاب کر کے اس کو پھاند گئی۔ مطلب یہہ تھا۔ کہ دریا پار گیا ہے۔ ہم اس عورت کی حماقت پر ہنستے ہین کہ اچھی شرم ہوئی۔ بولنے کی تو شرم کی اور ننگے ہوتے ہوئے شرم نہ آئی۔ لیکن ہم سب اس بلا مین مبتلا ہین۔ گو روزہ مین معمولی کھانا کھایا پیا نہین۔ لیکن مُردہ مسلمان کا گوشت کھایا یعنے غیبت کی۔ منہ تو بند کر لیا۔ لیکن غیبت اور بہتان سُننے کیلئے کان کھول دے کھانیسے ہاتھ روکا۔ لیکن ظلم کرنے اور تاش اور گنجفہ اور شطرنج کھیلنے اور جھوٹی دستاویزون پر دستخط کرنیکیلئے خوب چلائے زبان کو لقمون میں نہین چلایا لیکن مسلمانون کو بُرا کہنے اور سب دشنام اور جھوٹی گواہی دینے سے اُس کو نہین روکا اے صاحب یہ کیسا تقوٰی ہے۔ یہ کیسا روزہ ہے یہ کیسی دینداری ہے۔ اگر یہی دین و ایمان ہے۔ تو بئسما یامرکم بہٖ ایمانکم ان کنتم مومنین درحقیقت ہم نے روزہ کے معنے اور غرض ہی نہین سمجھی۔ روزہ کی اصلی غرض تہی کسر قوت بہیمیہ کے واسطے سے معاصی سے بچنا۔ جب معاصی سے

ہم علین روزہ کی حالت مین بھی نہ بچے۔ تو بعد مین وہ غرض وغائت اس پر کیسے مرتب ہوسکتی ہے حضور فرماتے ہین۔ کہ جس شخص کو اُس کا روزہ جھوٹ بولنے سے نہ روکے اللہ تعالےٰ کو کوئی حاجت نہین۔ کہ وہ اپنا کھانا پانی چھوڑے یہ مطلب نہین۔ کہ جو جھوٹ سے بچتا ہے۔ اُس کے روزہ کی اللہ میان کو حاجت ہے اس لئے کہ اُن کی شان تو ان اللہ لغنی عن العلمین ہے بلکہ مقصود ناراضی اور ناخوشی ظاہر کرنا ہے پس جن کے یہان رمضان المبارک دن کو اس شان سے آتا ہے۔ سو یہ کیا آنا ہے۔ ہان روپیہ مین سے آنہ ہے۔ اور رات کو تو پوچھو ہی مت۔ رات کو تو شاذ و نادر ہی کسی کے یہان آتے ہین۔ اس لئے کہ جو عبادت رمضان المبارک کی راتون مین مقرر کیگئی ہے اُس کے حقوق ادا کرنیوالے بہت کم لوگ ہین۔ عموماً بوجھ سا ٹالتے ہین۔ چنانچہ تراویح کی وہ گت بنتی ہے۔ کہ الٰہی توبہ سب سے اول یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ اذان سب سے پہلے کہی جاوے۔ چنانچہ بعض مساجد مین تو عشا کی اذان رمضان مین مغرب کیوقت ہوتی ہے۔ عشا کا وقت آتا بھی نہین۔ اگر یہی بات ہے۔ تو مغرب ہی کیوقت فارغ ہو لیا کرین۔ کہین تو یہ ستم ہے۔ کہ اذان ہی بے وقت ہوتی ہے۔ اور کہین اس سے بڑھ کر یہ ہے۔ کہ فرض بھی عشا سے پہلے ہی ہو جاتے ہین۔ اور کہین صرف اذان بیوقت ہوتی ہے۔ اور بعض اُن کے مقابل یہ زیادتی کرتے ہین۔ کہ وہ تاخیر کے دلدادہ ہین۔ روزہ افطار کیا۔ اور سو رہے اور مقتدی بچارے سوکھ رہے ہین۔ یہ زیادہ تر رؤسا کی مسجدون مین ہوتا ہے۔ کہ وہ رئیس ہین۔ اُن کے ڈر سے کوئی بولتا نہین۔ جب تشریف لاتے ہین۔ اُسی وقت نماز ہوتی ہے۔ یاد رکھو اس سے تفریق و تنفیر ہوتی ہے۔ حدیث شریف مین قصہ آیا ہے۔ کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک مسجد مین امام تھے۔ اول حضور کے یہان نفل کی نیت سے شریک ہوتے۔ پھر وہان جا کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عشا کی نماز پڑھانے کیلئے گئے۔ تو سورہ بقرہ شروع کردی ایک محلہ دار غریب دن بھر کی محنت مشقت سے تھکے ہوئے تھے۔ وہ جماعت سے علیحدہ ہو کر اپنی نماز پڑھ کر چلے گئے۔ اُس وقت مین جماعت کے ساتھ شریک نہ ہونا نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے

اُن کو بُرا بھلا کہا صبح کو یہ مقدمہ حضور مین پیش ہوا اُن اصحابی نے حضرت معاذ کی شکایت کی - کہ یا رسول اللہ ہم مزدوری پیشہ لوگ ہین - دن بہر تو مزدوری محنت کرتے ہین - اور رات کو یہ سورہ بقرہ شروع کر دیتے ہین - حضور نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر عتاب فرمایا - اور فرمایا افتان انت یامعاذ یعنے اے معاذ کیا - تم لوگون کو فتنہ مین ڈالنے والے ہو - والشمس والّلیل والتین پڑہا کرو - فان فیھم الضعیف والسقیم وذاالحاجۃ یعنی مقتدیون مین ضعیف بیمار - کاربار والے آدمی ہین - اس زمانہ مین ہم نے امام بہت دیکھے ہین - لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کے برابر ہلکی اور پہر تمام ارکان کو کمال کیساتھ نماز پڑہانے والا نہین دیکھا - حضرت قرآن شریف ایسا پڑھتے تھے - کہ سُننے والے کو تاب نہ ہوتی تھی - اور جی چاہتا تھا - کہ سُنے جائین - مگر عادت حضرت کی یہ تھی - کہ فجر کی نماز مین سورہ بروج وطارق یا اذاالشمس کورت واذالسماء انفطرت پڑھتے تھے - پس اس قدر تاخیر نماز مین کرنا یا قراوت اتنی لمبی پڑہنا جس سے نمازی بھاگ جائین - جائز نہین ہے - بلکہ فقہا نے تو یہان تک لکھا ہے - کہ اگر کسی جگہ رمضان مین نمازی ایک قرآن ہی سننے سے اُکتاتے ہون تو وہان تراویح الم ترکیف سے پڑھ لین بعض حافظ ایسا ستم ڈھاتے ہین - کہ پانچ پانچ پارے پڑھ جاتے ہین - ان حفاظ کو مسائل جاننے کی سخت ضرورت ہے بعض حافظ بہت جاہل ہوتے ہین - عجب نہین - بلکہ غالب ہے - کہ سجدہ سہو کے مسائل کی بہی اُن کو خبر نہ ہو اور بعضے نابالغون کو تراویح مین امام بنا دیتے ہین نابالغ کے پیچہے تراویح پڑھنے مین اختلاف ہے مختار اور مفتی بہ یہی ہے - کہ ناجائز ہے - اور مین تو یہ کہتا ہون - کہ جو بالغ تمیز دار نہ ہو - اور مسائل سے واقفیت نہ رکھتا ہو - اُس کو بہی امام بنانا مناسب نہین - امام یا تو عالم ہو - یا علماء کا صحبت یافتہ ہونا چاہئے - اور اگر یہ دونون امر نہ ہون - تو وہ ضرور نماز کو خراب کریگا مجھے خود ایسا موقع پیش آیا ہے - گرمیون کے رمضان تھے مین اور ایک میرا سامع تھا ہم دونون ایک مسجد مین قرآن سننے کے لئے گئے - اُن حافظ صاحب نے ایک رکعت مین آدہا پارہ گھسیٹا اُن کو یاد تو رہا نہین - کہ ایک رکعت ہوئی یا دو - وہ ایک ہی رکعت پر بیٹھ گئے - مقتدی بچارے

تھکے ہوئے تھے۔ انہون نے بھی غنیمت سمجھا۔ یا یاد نہ رہا ہو۔ کسی نے نہ بتلایا۔ مین
نے اپنے سامع سے کہا۔ کہ تم شریک ہو کر بتلا دو۔ لیکن انہون نے جلدی سے سلام
پھیر دیا۔ مین نے پکار کر کہا۔ کہ حضرت ایک رکعت ہوئی ہے اعادہ کرو اور یہ قرآن
جو تمنے پڑھا ہے اُس کا بھی اعادہ کرو۔ اُس وقت امام اور مقتدیون مین خوب چخ چخ
ہوئی ان حفاظ کی ایک یہ بھی عادت ہے۔ کہ اول کی رکعتون مین بہت کھینچتے ہین اور
آخر کی رکعتون مین دو دو تین تین آئتین پڑھتے ہین یاد رکھو۔ کہ سب رکعتین اور سجدہ
اور رکوع متناسب ہونے چاہئیں حدیث شریف مین حضور کی نماز کے بارہ مین آیا ہے
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریبا من السواء یعنی حضور کی نماز معتدل
ہوتی تھی۔ اگر قیام طویل ہوتا تھا۔ تو سجدہ رکوع بھی اس کے مناسب ہوتا تھا۔ اب لوگ
اس کے برعکس کرتے ہین۔ کہ قیام طویل کرتے ہین۔ اور سجدہ و رکوع قعدہ نہایت ہی
مختصر اس زمانہ مین تو بس تمام نماز مختصر پڑھنا چاہیے۔ اسی واسطے مین شبینہ کو بھی پسند
نہین کرتا۔ پہلے لوگ قوی ہوتے تھے۔ اور نیز اُن کو شوق بہت تھا۔ اب تو یہ حالت ہے
کہ ایک جگہ شبینہ ہو رہا تھا۔ ایک حافظ چارپائی پر لیٹے ہوئے بتلا رہے تھے۔ سب کی
نماز تباہ ہو رہی تھی۔ کسیکی ہمت ہو خود پڑھو۔ لوگون کو کیون دق کرتے سو آج کل
لوگ اس کا بالکل خیال نہین کرتے۔ کانپور مین ایک بزرگ تشریف لائے کہنے لگے
کہ نماز جمعہ کی ہم پڑھائینگے اور وہ خطبہ پڑھینگے۔ جو حضور نے اول قدوم مدینہ مین
پڑھا تھا۔ چنانچہ انہون نے ایک بڑا لمبا خطبہ پڑھا خطبہ کے بعد نماز شروع ہوئی۔ تو
انہون نے سورۂ قاف شروع کی گرمیون کا موسم اور پھر مسجد ایسی کہ اس مین ہوا
کا گذر نہین ایک شخص کو تو قے ہوگئی۔ اور ایک شخص نیت توڑ اور بھاگ گئے۔ اور کہا۔ کہ
اسیواسطے تو ہم مسجد مین نماز پڑھنے نہین آتے۔ ہمارے تھانہ بھون مین ایک شخص تھے
وہ نماز نہ پڑھا کرتے تھے ایک مرتبہ میرے ساتھ اُن کو سفر کا اتفاق ہوا راستہ مین عصر کی
نماز کا وقت آیا مین نے اُن کو تو کچھ کہا نہین۔ مین لوٹہ لیکر وضو کرنے کیلئے گیا۔ دیکھتا
ہون۔ کہ پیچھے پیچھے آرہے ہین۔ اور وضو کر کے میرے ساتھ انہون نے نماز پڑھی۔ پھر کئی
روز میرے ساتھ رہے برابر نماز پڑھتے رہے۔ اور کہنے لگے۔ کہ مجھے اگر ایسا امام ملے
تو مین نماز نہ چھوڑون میری نماز ون کی ترک کا بوجھ تو ان امامون کی گردن پر ہے

جو لمبی رکعتین پڑھکر گرانی پیدا کرتے ہین۔ ایسے حفاظ اور اے اماموا اپنے مقتدیون کو دیکھ لو کہ کیسے ہین اگر واقعی اُن کو قرآن سُننے کا شوق ہو۔ تو سبحان اللہ قرآن زیادہ پڑھو۔ قرآن تو جس قدر بھی زیادہ ہو باعث نورانیت ہے اور اگر دیکھو۔ کہ شوق نہین ہے جیسا آج کل ہے۔ تو بس سوا پارہ اچھی مقدار ہے اور بہتر یہ ہے۔ کہ پندرہ پارہ تک تو سوا سوا پڑھو۔ اور پھر ایک ایک پارہ کر دو ٢٧ کو ختم ہو جاویگا۔ اور سب رکعتین برابر برابر پڑھو۔ دیکھو تم کو ہر شئے کے اندر تناسب اور حُسن اچھا معلوم ہوتا ہے نماز تو احق ہے اس بات کے ساتھ کہ اُس کو حسین کرو داؤد علیہ السلام لوہے کی زرہین بناتے تھے اُن کو حق تعالٰے نے حکم فرمایا ان اعمل سابغات وقدر فی السرد یعنی اے داؤد پوری پوری زرہین بناؤ۔ اور اُس کے بنانے مین اندازہ رکھو یعنی کڑیان بڑی چھوٹی نہ ہون۔ جبکہ لوہے کی زرہون کے اندر تناسب کا حکم ہے۔ تو اے صاحبو نماز تو بہت بڑی شئے ہے اس مین تناسب کیون نہ مامور بہ ہوگا۔ اگر تم مین یہ رعائت تناسب طبعی نہ ہو۔ تو ذکر اللہ کی کثرت کیا کرو۔ اس سے طبیعت مین نفاست اور اعتدال پسندی پیدا ہو جاویگی اور ہر امر مین تناسب کی رعائت رکھنے لگو گے۔ حضرت مرزا مظہر جان جانان رحمۃ اللہ علیہ اگر کوئی بدنما مکان دیکھتے تھے۔ تو سر مین درد ہو جاتا تھا۔ مرزا صاحب کی لطافت مزاج کی بہت حکائتین ہین۔ ایک حکائت مجھکو اس وقت یاد آئی۔ ایک شخص مرزا صاحب کے یہان آیا کرتے تھے۔ وہ کھانا بہت کھاتے تھے ایک بار اُنہون نے خود عرض کیا۔ کہ مجھکو کوئی حکم دیجئے۔ بہت اصرار کے بعد مرزا صاحب نے اُن کو فرمایا کہ آپ ایک سال مین صرف ایک مرتبہ آیا کرین۔ اس لئے کہ جب آپ سوتے ہین۔ مجھکو تمہارے زیادہ کھانیکا تصور ہو کر ثقل ہو جاتا ہے۔ تو مجھکو مسہل لینے کی ضرورت ہو جاتی ہے تو سال مین ایک مسہل کا تحمل ہو سکتا ہے۔ دو سے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح ہم نے اپنے حضرات کو دیکھا ہے۔ کہ نہائت نفاست اور تناسب ہر شئے کے اندر پسند کرتے ہین۔ اور راز اس مین یہ ہے۔ کہ حدیث شریف مین آیا ہے ان اللہ جمیل یحب الجمال اور یہ حضرات موصوف ہوتے ہین صفات حق سے اس لئے اُن کو بھی جمال یعنی تناسب نہ کہ صورت پرستی ہر شئے مین پسندیدہ ہوتا ہے حدیث شریف مین ہے۔ نظفوا افنیتکم ولا تشبہوا بالیہود یعنی اپنے گھرون کے صحن کو صاف رکھا کرو۔ اور یہود کے مشابہ مت بنو۔ یہود اکثر میلے کچیلے رہا کرتے تھے۔

حضور نے ایکمرتبہ ایک شخص کو دیکھا۔ کہ پریشان بال اور میلا کچیلا ہے آپ نے اسس
حالت پر انکار فرماکر کنگھی اور تیل سے بالون کے درست کرنیکا حکم فرمایا۔ یہ کوئی تواضع نہین
ہے کہ آدمی میلا کچیلا رہا کرے اور نہ ایسی زینت پسندیدہ ہے۔ کہ ہروقت نواب اور بیگم بنا
رہے ایک شخص کو ہم نے دیکھا ہے کہ بہت ہی بنے ٹھنے رہتے تھے۔ اگر وہ گھر مین ہوتے
تھے۔ اور کوئی اُن کو بلاتا تھا۔ تو اول آئینہ کنگھا منگاتے تھے بالون مین کنگھا کرتے
تھے۔ کئی کئی مرتبہ آئینہ دیکھتے تھے۔ غرض کم از کم ۱۵ منٹ مین وہ دولت خانہ سے برآمد ہوتے
تھے۔ بعض نوجوانون کو مین دیکھتا ہون۔ کہ گرمیون مین بھی جرابین پہنتے ہین۔ یہ اہل یورپ
کی تقلید ہے اتنا نہین سمجھتے۔ کہ وہ لوگ تو سرد ملکون کے رہنے والے ہین۔ اس لئے اُن
کے مناسب اُن کی وضع ہے تم بھی اول اپنے گھرون مین سردی پیدا کرو۔ اُس کو کشمیر
بناؤ اُس کے بعد جرابین پہنو۔ تو مضائقہ نہین گرمیون مین جرابین پہننے سے تو معلوم ہوتا
ہے۔ کہ اُن لوگون کے دماغون مین خلل ضرور آگیا ہے غرض نہ تو ایسی زینت کی ضرورت
ہے۔ اور نہ اس قدر میلا کچیلا بنے۔ توسط اور تناسب ہر شے مین بہتر ہے اور لیجئے جماعت
کے اندر تناسب کا حکم ہے۔ کہ صف سیدھی ہو۔ درمیان مین جگہ نہ چھوڑو مین تو یہ کہتا
ہون۔ کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہین۔ کہ جس مین تناسب ملحوظ نہ ہو۔ جب تناسب ہر
امر مین مامور بہ ہے تو نماز کے اندر کیون نہ ہوگا پس تراویح اور غیر تراویح ہر نماز مین
تناسب کی رعایت رکھو۔ غرض رات کو رمضان اکثرون کے یہان نہین آتا۔ اور اس
تمام خرابی کا منشا رمضان کے اسرار اور اُس کی روح کا نہ جاننا ہے اس لئے ضروری ہوا
کہ تزکیہ کے متعلق مضمون بیان کیا جاوے کہ اُس کے ضمن مین رمضان کے روزہ
کی حکمتین بھی معلوم ہونگی۔ پس جاننا چاہئے۔ کہ منشا تمام تر معاصی اور خرابیون کا دو
چیزین ہین۔ اول لذت جس کو شہوت بھی کہ سکتے ہین دوسرے کبر جس کو غضب سے بھی
تعبیر کر سکتے ہین۔ یہ دونون جڑ ہین تمام مفاسد کی۔ پس ان دونون سے تزکیہ نفس کا
یعنی ان کی تعدیل ضروری ہے شریعت نے ان ہی دو مرضون سے تزکیہ کیا ہے اور تمام
احکام ان ہی کے متعلق ہین اور سبحان اللہ ایسی خوبی سے معالجہ فرمایا ہے۔ کہ کوئی حکم
اُن احکام مین ایسا نہین ہے۔ کہ ہمارے طبعی مذاق اور فطری جذبات سے بعید ہو تمام احکام
ایسے ہین۔ کہ ہماری طبیعت اُن کو قبول کرتی ہے۔ حکما و اشراقیین نے بھی اخلاق رذیلہ

سے تزکیہ کیا ہے لیکن انہوں نے اُس کے لئے ایسے سخت مجاہدے کئے ہین۔ کہ ہر زمانہ
مین انسان اُن کا متحمل نہین ہو سکتا ترک لذات کے خاص خاص طریقے مقرر کئے۔ اور اُن
کی عادت ڈالی اور نفس کو مہذب بنایا اور یہانتک اُس مین کمال پیدا کیا۔ کہ آدمی کی تصویر
دیکھ کر بتلا دیا کرتے تھے۔ کہ اس کے اندر فلان فلان اخلاقی مرض ہین۔ چنانچہ کسی اشراقی
کے سامنے کسی حکیم کی تصویر پیش ہوئی۔ تو اُس نے دیکھکر کہا۔ کہ یہ شخص زانی ہے لوگ
قہقہہ لگا کر ہنسے اور کہا۔ بس جناب آپ کا ادراک معلوم ہوگیا۔ یہ تصویر تو فلان حکیم
کی ہے۔ اور وہ بڑا عفیف و پارسا شخص ہے اشراقی نے کہا۔ کہ اب تو مین نے کہدیا ہے
خواہ اُس کی تصویر ہو۔ یا کسیکی ہو۔ چنانچہ لوگ اُسکے پاس گئے اور اُس سے کہا۔ کہ تمہاری
ایسا کہا گیا ہے اُس نے کہا واقعی اس کا تقاضا تو میرے قلب مین بہت ہے۔ لیکن
مین نے مجاہدہ ریاضت سے نفس کو قابو مین کر لیا ہے۔ صدور کبھی نہین ہوا۔ اِس
تقاضا ہی کا اُس کو ادراک ہوا۔ اس لئے کہ قیافہ سے مواد ہی کا ادراک ہو سکتا ہے۔
افعال کا ادراک نہین ہوتا یہان سے یہہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مجاہدہ سے مواد خبیثہ بالکلیہ
زائل نہین ہوجاتے۔ مغلوب ہوجاتے ہین۔ سالک کو اس مین بڑا دھوکہ ہوتا ہے
جب اول ذکر کرتا ہے۔ تو غلبہ ذکر سے وہ مواد مضمحل ہوجاتے ہین۔ تو یہ شخص سمجھتا ہے
کہ میرے نفس مین سے وہ مواد جاتے رہے حالانکہ وہ موجود ہین۔ لیکن چونکہ غلبہ دوسرے
شے کا ہے اس لئے وہ مدرک نہین ہوتے۔ اور جب وہ حالت غلبہ کی زائل ہوجاتی ہے
اور پھر اُن مواد کا ادراک ہوتا ہے۔ تو اپنی حالت پر بہت افسوس کرتا ہے۔ اور سمجھتا
ہے۔ کہ مین مردود ہو گیا ہون۔ حالانکہ یہ اس کی غلطی تھی وہ کیفیت جو زائل ہو گئی ہے
اُس کی مثال تو صبح کاذب کی سی ہے اور جو کیفیت اب پیدا ہوئی ہے وہ صبح صادق
کے مثل ہے۔ پس جو شخص صبح کاذب کو روشنی سمجھیگا وہ صبح صادق کی طرف ملتفت
ہونے سے پہلے ضرور متاسف ہوگا۔ کہ ہائے وہ روشنی کہان گئی حالانکہ وہ روشنی
نہ تھی روشنی تو اب آئی ہے مولانا فرماتے ہین ؎

لے شدہ تو صبح کاذب را رہین　　صبح صادق راز کاذب ہم ببین

آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ درختون پر اول جھوٹا پھول آتا ہے پھر سچا پھول آتا ہے
وہ مثمر ہوتا ہے اسیطرح ان کیفیات و حالات کا قصہ ہے۔ کہ اول اول غلبہ ہوتا ہی

تو سمجھتا ہے کہ میرے اندر سے امراض جاتے رہے۔ اُس کے بعد غلبہ جاتا رہتا ہے اور ایک ہلکی مگر پائدار کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جسکی اُس کو وقعت نہین ہوتی۔ اور وہ امراض جن کو یہ زائل سمجھتا تھا درک ہوتے ہین۔ کہ شہوت بھی ہے غضب بھی ہے بخل بھی ہے حرص بھی لیکن پہلے مین اور اسوقت مین فرق اسقدر ہوتا ہے کہ پہلے تو اُنکے مقتضا پر عمل کرنیسے بچ نہ سکتا تھا۔ اور اب بعد مجاہدہ کے بسہولت بچ سکتا ہے پہلے نفس کو روکتا تھا۔ اور نہ رُکتا تھا۔ اور اب رُک جاتا ہے۔ بعینہٖ اس کی مثال شریر گھوڑے کی سی ہے۔ کہ سدھانے سے پہلے تو وہ قابو سے باہر ہوجاتا تھا اور سوار کو بھی پٹک دیتا تھا۔ اور بعد شائستہ ہونے کے گو گاہے شوخی کرتا ہے مگر تاہم قابو سے باہر نہین ہوتا سوار اُس کو جدھر چاہتا ہے۔ موڑ دیتا ہے۔ چون وچرا نہین کرتا ہے یہی کیفیت نفس کی ہے۔ دوسرے شئے جسکے تزکیہ کی ضرورت ہے کبر تھی اُس کے لئے وہ حکماء اسباب تذلل کو اختیار کیا کرتے تھے۔ اور اُس کی اعانت کیواسطے خلوت اور ترک اختلاط کرتے تھے۔ اور اُس مین بھی بہت مبالغہ کرتے تھے اور اصل مقصود اُن کا صرف یہی تہذیب نفس تھا۔ شریعت نے بھی ان ہی دو خصلتون کی تبدیل کی ہے اور اُس کے لئے طرق اُن حکماء کے طرق سے اسہل اور نفع مین اکمل تجویز کیے ہین۔ چنانچہ ترک لذات کے لئے تو روزہ مقرر فرمایا جس کی حقیقت ترک اکل وشرب وجماع ہے اس لئے کہ امہات لذات یہی تین چیزیں ہین جتنی لذات ہین۔ سب کا حاصل یہی ہین۔ ان کو روک دیا گیا۔ اور سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔ کہ روزہ کو عبادت بنادیا اور اُس پر انعام بھی تجویز فرمایا۔ مسہل ہمکو ہمارے امراض کے ازالہ کے لئے دیا جاوے اور اُس پر انعام بھی مقرر فرماوین۔ پس جب اسباب لذات کو تیس دن انسان چھوڑے گا۔ تو نفس کی سرکشی ضرور کم ہو گی اور مادہ عصیان کا مغلوب ہوجائیگا اور کیا رحمت ہے۔ کہ مجاہدہ کیلئے ہماری عمر کا صرف بارہوان حصہ مقرر فرمایا اور حکماء برسون ترک لذات سے مجاہدہ کرتے تھے جس کا اثر یہ ہوتا تھا۔ کہ ضعیف الجسم ہوجاتے تھے۔ اور نسل اُن کی منقطع ہوجاتی تھی۔ اور پھر اس مین خوبی یہ رکھی۔ کہ وہ ایک ماہ بھی ایک ہی موسم مین متعین نہین رکھا۔ کبھی جاڑون مین اور کبھی گرمیون مین آتا ہے تاکہ نرمی اور گرمی سے سب طرح کے مصالح مرعی ہون۔ غرض ایسا سہل اور لطیف مجاہدہ

اور نفع مین اُن کے مجاہدات سے کہین زیادہ کہ سب کام کرتے رہو۔ اور مجاہدہ بہی ہوتا رہے۔ بجز صاحب وحی کے اور کسیکی عقل یہان تک نہین پہنچ سکتی۔ اور ایک اور رعایت عجیب و غریب یہ رکہی ہے۔ کہ روزہ دن کو مقرر فرمایا۔ تاکہ مجاہدہ کا فائدہ حاصل ہو اس لئے کہ مجاہدہ نام ترک عادت کا ہے اور کہانے پینے کی عادت اکثر دن کو ہے۔ اگر یہ مجاہدہ رات کو ہوتا۔ تو خبر بہی نہ ہوتی۔ نہ کچھ نفس پر شاق ہوتا۔ اور اگر حکماء و جوگیہ کیطرح شب و روز کا روزہ ہوتا۔ تو ضعیف ہو کر بالکل بیکار ہو جاتے۔ اور قوی بیکار ہو جاتے۔ اور شریعت کا مقصود قوائے شہویہ کا ازالہ نہین۔ بلکہ اُن کی تعدیل ہے۔ اور نیز رات کو کہانے پینے کی اجازت دینے مین ایک اور دقیق رعائت ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس صورت مین مجاہدہ اور مشقت بہی زیادہ ہے۔ کیونکہ بعض لذات کے ایکدم سے چھوڑ دینے مین نفس کو اس قدر گرانی نہین ہوتی۔ اس لئے کہ ایکدم سے سالہا سال کے لئے بعض لذات کے چھوڑ دینے مین نفس اسی کا خوگر ہو جاتا ہے۔ بخلاف حالت موجودہ صوم کے کہ اس مین شب کو متلذذ ہونے سے اُس کو لذات یاد بہی رہتی ہین۔ اور پہر ترک کرائی جاتی ہین۔ نفس پر یہ زیادہ بھاری ہے۔ یہ وہ مجاہدہ ہے کہ جو حکماء کے باپ کو بہی نہین سوجہا حکماء نے جو کچھ تجویز کیا تہا۔ وہ بالکل ناتمام تہا۔ شریعت نے اُس کی تکمیل فرمائی ہے مجہکو کچھ ضرورت اس امر کی نہ تہی۔ کہ حکماء کے مجاہدات اور تزکیہ کو مین ذکر کرتا اس لئے کہ شریعت کے مقابلہ مین اُن کے خیالات کا تذکرہ ایسا ہی ہے۔ کہ جیسے آفتاب کے سامنے چراغ کا بلکہ اس سے بہی بدرجہا کم لیکن وجہ اُن کے تذکرہ کی یہ ہوئی۔ کہ آجکل عقل پرست مخلوق بہت پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے مین دکہلاتا ہون۔ کہ روزہ وہ شے ہے۔ کہ جس کی ضرورت کو امم غیر ملیہ نے بہی تسلیم کر لیا ہے۔ اور جس شخص نے اسکے راز کو سمجھ لیا ہو۔ وہ اس سے دوسری جگہ بہی کام لیگا۔ پس جب کہ آپ حضرات نے روزہ کی حکم و مصالح سمجھ لین۔ تو اب اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ جو روزہ نہین رکھتے انکو رکھنا چاہئے۔ اور جو رکھتے ہین۔ اور اُسکے حقوق کی رعایت نہین رکھتے اُن کو حقوق کی طرف توجہ کرنا چاہئے اور نفس کو اُسکے حال پر نہ چھوڑنا چاہئے۔ ایک ماہ کے لئے ہی اُس سے صلح کر لو۔ اور سمجھا دو۔ کہ بس ایک ماہ تو اپنی خواہشات سے تائب ہو جا۔ ایک ماہ جب اُس سے اس طرح کام لوگے۔ تو انشاء اللہ کام کرنیکی عادت ہو جائیگی۔ نفس کی

مثال بچہ کی سی ہے۔ جس طرف اس کو لگاؤ۔ لگ جاتا ہے ؎

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علے	حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

اس سے کام لیکر دیکھو۔ تم دیکھتے ہو۔ کہ اتنے دلون سے تم نماز و روزہ کرتے ہو لیکن اثر کچھ نہیں۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔ وجہ یہی ہے۔ کہ لاپروائی سے کام کرتے ہو۔ یہ نیت نہیں ہے۔ کہ نفس کو ہم عبادت کا خوگر بنا دین۔ اب ایک ماہ ہی اس نیت سے کرلو۔ دیکھو تو کیا اثر ہوتا ہے۔ حق تعالٰے نے نفقات کے بارہ مین یہی مضمون ارشاد فرمایا ہے ارشاد ہے ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم الخ مال کے خرچ کرنیکے دو وجہ ارشاد فرمائین اول تو اللہ تعالٰے کی رضامندی کو طلب کرنا دوسرے اپنے نفس کو نیک کام پر جمانا پس اگر ہم اپنے ہر کام مین ان دونون باتون کی نیت کرین تو انشاء اللہ ہمکو یہ کہنے کا موقع نہوگا۔ کہ ہم اتنے دلون سے روزہ نماز کرتے ہین۔ دل مین اثر نہین ہوتا۔ اور اس کا نفع تمکو دنیا مین بھی ہوگا۔ اور آخرت کیلئے تو یہ اعمال صالح پر استقامت حاصل ہوجائیگی۔ نفس کے اندر رسوخ پیدا ہوجائیگا۔ جس کی نسبت کہا گیا ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ استقامت اور ثبات بڑی شے ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی کی نسبت فرماتی ہین۔ کان خلقہ القرآن یعنی حضور کا خلق قرآن تھا۔ یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کا فطری امر تھا۔ اس کے بعد سمجھنا چاہئے۔ کہ بعض بزرگون نے لکھدیا ہے۔ کہ نفع روزہ کا اُس وقت ہے۔ کہ اور ایام سے کم کھاوے ورنہ روزہ کا کوئی نفع نہین۔ حالانکہ کتاب وسنت مین یہ مضمون کہین نہین ملتا۔

اگر روزہ کا نفع اسی پر موقوف ہوتا۔ تو حضور ضرور کہین نہ کہین فرماتے یا قرآن مین کوئی آیت اس کے متعلق ہوتی۔ بلکہ فرمایا۔ تو یہ فرمایا۔ کلوا واشربوا حتے یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر اسلئے کہ کم کھانا کوئی مجاہدہ نہین۔ بلکہ روزہ سے جو مجاہدہ ہوتا ہے۔ وہ ترک عادت کی وجہ سے ہے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ پیٹ سے زیادہ نہ کھائے۔ اور بالخصوص ہمارے زمانہ مین تو کم کھانا مفید کیا مضر ہے اس لئے کہ قوٰی ہین کمزور اور نیز تعلق جیسی بھی حقتعالٰے کیساتھ مخلوق کو اُس طرح کا نہین رہا جیسا پہلے تھا اسلئے زیادہ مجاھدہ کرنیمین کئی قسم کی خرابیون کا اندیشہ ہے اول تو عجب پیدا ہوگا۔ دوسرے یہ شخص اپنے کو مستحق سمجھیگا۔ کہ مین اتنا مجاھدہ کرتا ہون

مجھکو ضرور کچھ ملنا چاہئے تیسرے ضعف اس قدر ہو جائیگا۔ کہ فرائض میں خلل آنے کا احتمال
ہے کم کھانے اور کم پینے کے اندر قرب منحصر نہیں نفس کو تنگ مت کرو اُس سے کام لو اور بعض
بزرگوں نے جو نفس کو کافر کہا ہے۔ سو یہ کافر کفر سے نہیں کفران سے ہے۔ خوب کھاؤ۔ پیو۔
اور کام بھی کرو۔ دوسرا رذیلہ تھا کبر اس سے جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں اس کا اثر دوسروں
تک پہنچتا ہے اسکا حکمار نے یہ علاج کیا ہے کہ اسباب تذلل کو اختیار کرتے تھے۔ ایسے ایسے طریقے
ایجاد کئے ہیں۔ کہ جس سے لوگ اُن کو چھوڑ دیں ذلیل سمجھیں۔ جوگیوں اور بعض صوفیا اہل اسلام نے بھی
اس طریقہ سے اس مرض کا علاج کیا ہے۔ لیکن شریعت نے ہمکو اس کے خلاف یہ تعلیم فرمایا ہے
لا ینبغی للمومن ان یذل نفسہ یعنی مومن کو مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ یعنی تذلل للمخلوق
کو منع کیا ہے اور تذلل للخالق کی تعلیم فرمائی ہے سبحان اللہ کیا اعتدال ہے لیکن اسمیں ایک بات شبہ کی ہے وہ یہ ہے
کہ بڑے کے سامنے تو ہر شخص تذلل اختیار کر لیتا ہے کمال اور تواضع تو یہ ہے کہ اپنے کو چھوٹوں سے بھی ذلیل۔
اور ہیچ سمجھے جواب اسکا یہ ہے کہ جب خالق کے سامنے اپنا ہیچ ہونا پیش نظر ہوگا تو اسکو لازم ہے کہ حق تعالی
کی عظمت اسکے قلب میں آویگی اور جب معرفت و عظمت حق تعالی کی اسکو ہوگی تو چونکہ اپنے نفس کو حاجب اور
مانع جانیگا اسلئے سب سے زیادہ ہیچ در ہیچ اپنے ہی کو جانے گا اور ہر ایک کو اپنے سے بہتر یقین کریگا تو یہ مقصود
بدون اسکے کہ مخلوق کے سامنے ذلت اختیار کرے حاصل ہو جاویگا پس ثابت ہوا کہ اس مقصود کیلئے صرف
تذلل للخالق کافی ہے اور اس تذلل للخالق کے واسطے ہمکو شریعت نے نماز تعلیم فرمائی ہے کہ اسکا خاصہ ہے
کہ انسان کو اپنا عجز پیش نظر ہو جاتا ہے اس لئے کہ اوس میں حکم ہے کہ اشرف الاعضاء کو ارذل الاشیاء
کے ساتھ ملاصق کرو اور یہ قاعدہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے جب یہ شخص اپنے سر کو جو کہ اشرف الاعضاء
ہے زمین پر رکھیگا تو ضرور اس کے اندر سے کبر کم ہوگا اور تواضع اور مسکنت پیدا ہوگی نماز کے اندر عجیب
خاصیت ہے اور اُسکو بڑا دخل ہے حقتعالی کی معرفت اور قرب کے حاصل ہونے میں اور جب حق تعالی کی عظمت
پیش نظر ہوگی تو اپنا ہیچ ہونا پیش نظر ہو جائیگا اور دوسرے کی طرف التفات بھی نہ ہوگا ایسی مثال ہے
جیسے ہاتھی کے سامنے مثلاً دو چیونٹیاں ہوں تو اُس کے سامنے ہوتے ہوئے ایک چیونٹی دوسری کو نظر
بھی نہ آویگی یا مثلاً وسیرائے کسی جگہ آجاوے تو تحصیلدار بیچارہ دکھلائی بھی نہ دیگا اور نہ وہ تحصیلدار
کسی دوسرے تحصیلدار کو حقیر یا عظیم سمجھیگا اور پھر بہت تذلل ہی کی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اوس کے اندر اپنے ساتھ
ہمکلامی کی بھی اجازت دیدی ورنہ اگر یہ حکم ہو کر سر جھکا کر بس کھڑے رہو تو نرا مجاہدہ ہی ہوتا اب مجاہدہ بھی ہے اور لذت
بھی اور پھر اول سے آخر تک ایک ہیئت نہیں بنائی بلکہ اسکو مختلف افعال سے مرکب بنایا ہے قیام۔ رکوع۔

سجدہ۔ قومہ جلسہ قعدہ تاکہ نشاط رہے اگر مثلاً سجدہ ہی ہوتا یا رکوع ہی ہوتا تو نفس اکتا جاتا سبحان اللہ ہمارے مذاق کی کیا رعایت فرمائی ہے بخلاف حکماء کے مجاہدوں کے کہ وہ ایسے سخت سخت مجاہدہ کرتے تھے کہ ہر شخص سے ہو ہی نہیں سکتے اب ایک شبہ رہا وہ یہ ہے کہ جب تراویح مجاہدہ ہے تو جیسے رمضان میں شروع فرمایا اور دنوں میں بھی مقرر فرما دیتے جواب یہ ہے کہ اگر اور دنوں میں بھی نہ ہوتی تو بیشک اسکی شان اسی کو مقتضی تھی کہ فرض ہوتی چنانچہ حدیث میں آیا بھی ہے کہ حضورؐ نے کئی روز رمضان میں قیام لیل فرمایا اور تیسرے روز یا چوتھے روز آپ تشریف نہ لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ فرض ہو جائے اسلئے میں نہیں آیا لیکن اور دنوں میں بھی فرض نمازیں مقرر ہیں جو مجاہدہ کیلئے کافی ہیں اسلئے رمضان ہی میں اسکو رکھا گیا اور سنت موکدہ بنا دیا گیا۔ الحاصل ترک لذات کے لئے روزہ اور علاج کبر کیلئے نماز یہ شریعت نے مجاہدے مقرر فرمائے اب تیسری شے تھی خلوت جو ان کی معین ہے حکماء کے یہاں تو برسوں بلکہ عمر بھر کی خلوت تھی ظاہر ہے کہ اسمیں سخت حرج ہے اور تعلقات اور تمدن کی بیخ کنی ہے شریعت نے سبحان اللہ اسمیں عجیب رعایت رکھی ہے صرف دس دن بھی خلوت مقرر فرمائی اور اسکا نام اعتکاف رکھا اور اسمیں بھی یہ نہیں کیا کہ بالکل کسی سے بولو نہ ملو بلکہ اسکا ایسا اچھا طریقہ تبلا دیا کہ اسمیں خلوت کا جو نفع ہے وہ بھی باقی رہے اور جو لوگ وہاں آویں ان سے ملنے میں کچھ حرج بھی نہ ہو وہ یہ ہے کہ یہ تعلیم فرمایا کہ اعتکاف مسجد کے سوا کہیں اور جائز نہیں اب ظاہر ہے کہ مسجد میں اپنے ہم جنس ہی آوینگے اور بچنا اغیار سے مطلوب ہے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے خلوت از اغیار نہ از یار پس خلوت ان لوگوں سے ہے جو رہزن ہیں دین کے باقی جو دین میں معین ہیں انکے پاس بیٹھنا تو خلوت سے بہتر ہے ایسی جلوت کو خلوت پر ترجیح ہے مولانا نے عجیب لطیفہ لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز تو جو خلوت کو مطلقاً جلوت پر ترجیح دیتا ہے اور اسکے فضائل بیان کرتا ہے یہ بھی تو تجھکو جلوت کے ہی بدولت علم ہوا ہے پھر وہ جلوت پر مطلقاً کیسے راجح ہو سکتی ہے اور پھر وہ دس دن کا اعتکاف ایسے دنوں میں رکھا ہے کہ اوس عشرہ میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینے اگر ریاضت مجاہدہ کرے تو وہ بات نصیب نہیں ہوتی جو اس ایک رات میں ہو جاتی ہے تو وہ دیکھئے خلوت کے ایام گو کم تھے مگر اسکا تدارک اسطرح کر دیا گیا یہ محض تائید غیبی ہے اور نور وحی سے ہی اسکا ادراک ہو سکتا ہے حکماء کو یہاں تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے یہ حضور کی برکت ہے کہ ہمکو ایسا راستہ تبلایا کہ جو بہت آسان اور نفع میں سب راہوں سے بڑھکر ہے صاحبو غضب ہے کہ ہم اسکی قدر نہ کریں اور اس سے منتفع نہ ہوں یہ طریقہ ہے جس سے تزکیہ نفس و تہذیب نفس ہوتی ہے اور جس پر فلاح کا وعدہ ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم کو توفیق عطا فرما دیں آمین۔

التذکیر حصہ سوم ۳

التہذیب نمبر ۳

اشتات	المستمعون	ماذا	من ضبط	من ای شان	لم	کیف	کم	متی	این
متفرقات	سامعین کی تخمینی تعداد	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہے	کیوں ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کتنا ہوا	کب ہوا	کہاں ہوا
عوام زیادہ اہل علم اور طلبہ مجمع کم تھا۔	۵۰۰	وہ معاصی کیا ہیں جن سے روزہ میں بچنا چاہیے	محمد عبد اللہ عفی عنہ گنگوہی	عموماً	رمضان المبارک کی وجہ سے	بیٹھ کر	۳ گھنٹہ ۲۵ منٹ	۷ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۲ھ	جامع مسجد تھانہ بھون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ یہ ایک آیت ہے سورہ اعراف کی اس میں حقتعالیٰ نے معاصی کی حرمت اور اسکی ایک مختصر سی تقسیم ارشاد فرمائی ہے۔ اس مضمون کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جمعہ گذشتہ کو بیان کیا تھا کہ روزہ کا فائدہ اسوقت مرتب ہوگا جبکہ روزہ کے حقوق ادا کئے جائیں۔ اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ روزہ کے

حقوق میں سے یہ ہے کہ معاصی کو ترک کر دیا جائے اور یہ بھی بتلایا تھا کہ اس زمانہ میں اصل عبادت روزہ اور قیام لیل ہے۔ اور ان دونوں کی کچھ حکمتیں بھی بیان کی تھیں۔ اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ اُن حکمتوں کی تحصیل میں خلوت معین ہے۔ آج کوئی نیا مضمون نہیں ہے مضامین سابقہ کی شرح ہے۔ یعنی آج یہ بتلایا جائیگا کہ وہ معاصی کیا کیا ہیں جن سے روزہ میں اجتناب ضروری ہے۔ اور اس کے بعد کچھ نماز اور خلوت کے آداب ذکر کئے جاوینگے یہ حاصل ہوگا آج کے بیان کا۔ ارشاد ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الخ ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے صرف بیحیائی کی باتوں کو جو اُن میں سے ظاہر ہیں وہ بھی اور جو باطن ہیں وہ بھی اور گناہ کرنے کو اور ظلم کرنے کو اور اس بات کو حرام کیا ہے کہ اللہ کے ساتھ ایسی شئے کو شریک ٹھیراؤ کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری اور یہ بھی حرام کیا ہے کہ اللہ کیطرف ایسی بات منسوب کرو جسکو تم نہیں جانتے یہ ترجمہ ہے اس آیت کا۔ ترجمہ سے اجمالی تعیین مضمون اور تقسیم معاصی کی معلوم ہوگئی ہوگی لیکن ترجمہ سُننے سے اِس مضمون کی وقعت جیسا کہ چاہیئے نہیں ہوئی ہوگی۔ اِس لئے اس کی وقعت واقعیہ ظاہر ہونے کے لئے اور مقامات کی حقیقت کے انکشاف کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ اس مضمون کا تعلق بہت دُور سے ہے یعنی شروع رکوع یا بنی آدم سے یہ مضمون چلا ہے اور سبب نزول اسکا ایک خاص قصہ ہے وہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت میں منجملہ دیگر رسوم جہالت کے یہ بھی ایک بیحیائی کی رسم تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا برہنہ طواف کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نافرمانی کرتے ہیں اُن میں طواف نہیں کرتے۔ دیکھئے ظاہر میں تو کیسی خوبصورت بات ہے۔ لیکن اُن احمقوں نے جہالت میں یہ نہ سمجھا کہ برہنہ طواف کرنے میں کسقدر بیحیائی اور بیت اللہ شریف کی بے ادبی ہے۔ اور نیز کپڑوں کے اُتارنے سے کیا ہوتا ہے چاہیئے کہ کھال اُتار دیا کریں اس لئے کہ اصل اثر تو گناہ کا بدن کے اندر ہے گو اس شخص کو ادراک اسکا نہ ہو۔ چنانچہ بعض اہل نظر آنکھ کی پُتلی کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص بدنگاہی میں مبتلا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے چند آدمی آئے اور وہ کسی کو بُری نظر سے دیکھ کر آئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ مسجد میں آتے ہیں اور اُن کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ صحابہؓ کی شان تو بڑی ہے طاعت کا نُور اور معصیت کی ظلمت تو ایسی

شئے ہے کہ ہر ادنیٰ مسلمان کو بھی اس کا ادراک ہو جاتا ہے - اور یہ نور و ظلمت گورے چٹے یا کالے ہونے پر موقوف نہیں - وہ نور و ظلمت دوسرا ہے - بعضے لوگ رنگ کے کالے ہوتے ہیں لیکن چہرہ پر اُن کے ایسا نورِ طاعت چمکتا ہے کہ بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں - حقتعالیٰ نے اِسی نور کی نسبت ارشاد فرمایا ہے سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ - اور مولانا اسی نور کی نسبت فرماتے ہیں ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی	نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

غرض گناہ کا اثر کپڑوں پر اتنا نہیں ہوتا جسقدر کہ بدن میں ہوتا ہے - تو اگر ایسا ہی ادب تھا تو بدن سے کھال اُتارنا چاہیئے تھا - اور جن اعضاء سے گناہ کئے تھے اُن کو پارہ پارہ کرنا تھا - اور وہ اپنی اس بیحیائی کی نسبت یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم کو اللہ تعالےٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے - حق تعالیٰ اِس سب کا رد فرماتے ہیں - اوّل بطور تمہید ارشاد ہے يَا بَنِیْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا یعنی اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے جو تمہارے شرمگاہوں کو چھپاتا ہے - اور زینت کا لباس بھی اُتارا ہے - حق تعالیٰ کی رحمت تو دیکھئے کہ کسقدر ہے - گویا ارشاد ہے کہ ارے ظالمو اللہ تعالیٰ کپڑے اُتارنے کی اجازت تو کیا دیتے اُنہوں نے تو تمہارے لئے زینت کا لباس عطا فرمایا ہے اور زینت کی بھی اجازت دی ہے - سُبحان اللہ کیا بلاغت ہے آگے لباس کی مناسبت سے ایک دوسرے مہتم بالشان لباس کیطرف انتقال فرماتے ہیں اور اسکی اطلاع دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ یعنی جبکہ ہم لباس باطنی کے اُتارنے کو پسند نہیں کرتے جسکا اُترنا علانیہ بیحیائی بھی نہیں تو اِس لباس ظاہری کے اُتارنے کو کیسے پسند کرینگے - اور نیز اِس تمہاری حرکت سے لباس حقیقی و لباس ظاہری دونوں اُترتے ہیں - کیونکہ ظاہری لباس کا اُتارنا تقویٰ میں بھی مخل ہے - اِس مضمون کو حقتعالےٰ نے اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا میں ایک عام اور عقلی عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ جس سے یہ مسئلہ عقلی ہو گیا - حاصل اسکا یہ ہے کہ لباس کو جب ہم نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے یعنی یہ امر فطری ہے تو فطرتاً بھی عقل اس کو گوارا نہیں کرتی کہ اُسکو اُتار اجاوے - اور اِس کے ضمن میں تقوےٰ کی تاکید جو کہ اصل مبحث ہے قرآن شریف کا اور رُوح ہے شریعت کی - نیز بعنوان لباس ایک

نہایت عجیب طریقہ سے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی میں ارشاد فرمائی کہ جس میں لفظاً بھی رعایت مقصود مقام کی رہی۔ گویا نہ جزئی مقصود کو چھوڑا اور نہ کلی مقصود کو۔ ایسی بعید بلاغت ہے کہ زبان اس کے بیان سے کوتاہ ہے۔ اگر اہلِ علم غور کریں گے تو توسمجھ لیں گے۔ یہاں تک تو لباس سے اپنے بدن کو چھپانے کو محبوب عند الحق ہونے کا بیان تھا۔ اب آگے نزع لباس کا محبوب عند الشیطان ہونا بیان فرماتے ہیں يَا بَنِيْ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا یعنی اے بنی آدم تم کو شیطان گمراہی میں نہ ڈالے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو اُس نے جنّت سے نکالا یعنی ایسا کام کرایا جس سے وہ جنّت سے نکلے اور اس حالت میں کہ اُن سے اُن کا لباس اُتارتا تھا تاکہ اُن کو اُن کے مستور بدن دکھلائے۔ اِس میں حق تعالیٰ نے کئی باتیں بیان فرمائیں ایک تو یہ کہ شیطان تمہارا بہت پرانا آبائی دشمن ہے اِس سے بہت بچنا چاہیئے دوسرے یہ کہ گناہ کا مقتضٰے یہ ہے کہ جنتی کپڑے بدن سے اُتر جائیں۔ اور يُرِيَهُمَا میں لام عاقبت کا ہے یعنی انجام شیطان کے کہنا ماننے کا یہ ہوا کہ آدم و حوا کو اُن کا ستر دکھلادے۔ اِس میں ایک باریک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ آدم و حوّا علیہما السّلام دونوں میاں بیوی ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ اپنا بدن دیکھنا جائز ہے اور نیز اپنی بیوی کا بدن بھی دیکھنا جائز ہے۔ پھر اس میں کیا حرج تھا کہ آدم و حوّا نے آپس میں اپنا یا دوسرے کا بدن دیکھا انجام تو کوئی ایسا امر بیان فرمانا چاہیئے تھا کہ جو کوئی امر مذموم ہوتا یہ تو امر مباح ہے تو بات یہ ہے کہ بعض مباحات ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سے انسان کو طبعی نفرت ہوتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ آدم و حوّا علیہما السّلام کا گیہوں کھانا خطا اجتہادی تھی گناہ نہیں تھا لیکن بمصداق نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ عتاب اِس پر ہُوا کہ حزم اور احتیاط کا درجہ کیوں فروگذاشت ہوا اِس لئے اُس کا انجام و اثر بھی ایسا ہی امر ہُوا کہ وہ فی نفسہ مباح تھا۔ قبیح و شنیع نہیں تھا لیکن اُن کی شان کے خلاف تھا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم و حوا تقدس کے اِس درجہ میں تھے کہ اُن کے لئے یہ امر مباح بھی باعث تکدر رہا اور نیز یہ مسئلہ بھی مستفاد ہُوا کہ ارارۂ سوءۃ زوجین میں گو جائز ہے لیکن ادب کے

خلاف ہے اور بلا ضرورت ایسا کرنا نامناسب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نے حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ اپنا ستر کھولنا کیسا ہے۔ حضورؐ نے اس پر انکار فرمایا اُس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اِنْ کَانَ خَالِیًا یعنی اگر خلوت میں ہے۔ فرمایا فَاللّٰہُ اَحَقُّ مَنْ اَنْ یَسْتَحْیِ مِنْہُ یعنی اللہ تعالیٰ احق ہیں اس بات کے ساتھ کہ اُن سے حیا کی جاوے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ سے پردہ اور ستر نہیں ہوسکتا مگر یہ تو ہوسکتا ہے کہ پردہ کی صورت بنائی جاوے۔ اور یہاں سے اُس حدیث کی بھی شرح ہوگئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور صلعم اور ابوبکرؓ کی قبر پر جایا کرتی تھی جب عمر رضی اللہ تعالیٰ وہاں دفن ہوئے تو میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حیا کی وجہ سے نہیں گئی۔ اس حدیث سے لوگوں نے اپنی ذہانت سے بہت کچھ مستنبط کیا ہے۔ سماع موتیٰ بھی اس سے ثابت کیا ہے۔ یہ سب نری ذہانت ہے اس سے کچھ نہیں نکلتا۔ اس لئے کہ حیا کے دو اثر ہیں ایک پردہ حقیقۃً اور دوسرے پردہ صورتاً جیسا یہاں شبہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا ہو تو اسکا اثر کیا ہوگا۔ پردہ تو ہو نہیں ہوسکتا تو جواب یہ ہے کہ گو پردہ حقیقی نہ ہو لیکن حیا کا اقتضا یہ بھی ہے کہ پردہ کی صورت ہو۔ پس یہاں بھی حیاء من عمرؓ کے اندر دوسرا احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ گو پردہ حقیقی کا تحقق تو حی ہی کے اندر ہوسکتا ہے لیکن پردہ صورتاً میت سے بھی ممکن ہے پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال کرنا سماع کے مسئلہ پر مشکل ہے۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت برہنہ ہونا نہ چاہیئے۔ اور بیوی کا ستر دیکھنا تو اس سے بھی زیادہ شرمناک ہے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ اس حرکت سے اولاد اندھی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر اندھی نہ ہو تو بے حیا تو ضرور ہوتی ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس وقت خاص میں جس قسم کی اس سے حرکت ہوتی ہے اولاد کے اندر وہی خصلت پیدا ہوتی ہے۔ اسی واسطے حکماء نے لکھا ہے کہ انزال کے وقت اگر زوجین کو کسی اچھے آدمی کا تصور آجاوے تو بچہ نیک ہوگا۔ اسی واسطے پہلے لوگ اپنے خلوت کے کمرہ میں علماء اور حکماء کی تصویریں رکھا کرتے تھے۔ شاید یہ سُن کر کسی کی رال ٹپکی ہو کہ یہ تو تصویریں رکھنے کی ایک مصلحت بھی نکل آئی پھر کیوں ناجائز کہا

کہا جاتا ہے۔ اس سے کیوں فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا لیکن فی طلعۃ الشمس ما یُغنیک عن زحل۔ حضرت ہمارے پاس ایسی تصویر ہے کہ وہ ان تصویروں سے مغنی ہے۔ وہ کیا ہے ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار	۰	جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی	

یعنی ہم کو چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا تصور کریں اور یہ دُعا پڑھیں اَللّٰھُمَّ جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا۔ اللہ جل جلالہٗ سے زیادہ کون ہے کہ جس کا خیال کیا جاوے اگر کوئی کہے کہ شیطان کا خیال تو اسوقت نہ ہونا چاہیئے اور اس دُعا پڑھنے میں شیطان کا خیال ضرور آویگا۔ بات یہ ہے کہ ایک تو کسی شئی کا خیال اُسکو مقصود و مرغوب بنا کر لانا ہے اور ایک مہروب عنہ بنا کر دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اِس دُعا کا حاصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچایئے۔ تو اُسکا تصور بحیثیت تنفر کے ہوا۔ پس اثر اسی کے مناسب ہوگا چنانچہ اِس دُعا کا اثر یہ آیا ہے فَاِنَّہٗ لن یضرہ الشیطٰن یعنی شیطان اُسکو ضرر نہ پہنچا ئیگا۔ اولاد پاک اور مقدس ہوگی اور یوں اگر اپنے ہاتھوں بگڑیں وہ دوسری بات ہے۔ پس ہم کو اِس تصویر کے ہوتے ہوئے کسی اور تصویر کی حاجت نہیں۔ بہرحال بی بی کو برہنہ دیکھنے سے اخلاق پر اولاد کے اثر پڑتا ہے۔ اور اِسمیں آدم و حوّا کے برہنہ کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔ آگے اِس تمہید کے کے بعد صراحۃً عنوان عام میں اُن کا رد فرماتے ہیں وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؀ یعنی جب وہ کوئی بیحیائی کی بات کرتے ہیں۔ جیسے برہنہ طواف کرنا تو کہتے ہیں کہ ہمنے اپنے باپ دادا کو اِسپر پایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمکو اِس کا حکم کیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیحیائی کا حکم نہیں فرماتے۔ آگے ارشاد ہے قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ الخ اِس میں مامورات کی تقسیم ہے اور قُل سے ارشارہ نہایت اہتمام کیطرف ہے اِسلیئے کہ حضورؐ تو بغیر قُل کے بھی تبلیغ فرماتے۔ پس قُل لانا نہایت اہتمام کی دلیل ہے۔ قِسط میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ اور اَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ میں حقوق اللہ آگئے۔ اور وَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ

میں عقائد داخل ہو گئے - ماموراتُ کی بھی تین قسمیں ہیں تینوں کو جمع فرما دیا - آگے اصل مقصود کو بیان فرماتے ہیں یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ یعنی اے اولاد آدم اپنی زینت یعنی کپڑے پہنا کرو مسجد کے وقت یعنی طواف کے وقت جو کہ مسجد میں ہوتا ہے - اور چونکہ کفار نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس برہنہ ہونے کا حکم دیا ہے تو اس تقریب سے آگے فرماتے ہیں قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ الخ اور اگرچہ ماموراتُ کے ضمن میں منہیات بھی آگئے تھے اس لئے کہ مامور بہ پر عمل کرنے سے منہیات سے خود ہی احتراز ہوگا - اور کسی منہی کا ارتکاب کرنے سے کسی واجب العمل مامور بہ پر عمل ضرور ترک ہوگا - لیکن چونکہ کفار نے کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس بےحیائی کا حکم فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں منہیات کی فہرست مصرحاً بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تو یہ چیزیں حرام کی ہیں - یہ تمام تمہید اس لئے بیان کی گئی تاکہ اس مضمون کی وقعت ذہن نشین ہو جائے غرض ارشاد ہوتا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ الخ قُلْ لانے کی وجہ تو وہی اہتمام شان ہے اور اِنَّمَا حصر کے لئے ہے - اسمیں بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ کیا یہی چیزیں حرام ہیں اور ان کے علاوہ سب حلال ہیں - جواب اسکا یہ ہے کہ حصر کی دو قسمیں ہیں ایک حصر حقیقی دوسرے حصر اضافی - یہاں حصر اضافی مراد ہے - تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اہل مکہ دو بلاؤں میں مبتلا تھے تحریم حلال اور تحلیل حرام کپڑا پہننا حلال تھا اسکی تحریم کرتے تھے - ایسے ہی بعض حیوانات حلال کو حرام سمجھتے تھے - اور ننگا پھرنا اور شرک کرنا حرام تھا اسکو حلال جانتے تھے - اور ننگا پھرنا تو ان کی شب و روز کی دال روٹی تھی - اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اوّل تو تحریم حلال کی نسبت ارشاد فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اس زینت کو جو اس نے بندوں کے لئے پیدا کی ہے - یہ تو ملبوسات کی نسبت ہے اور وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ یعنی کس نے حرام کی ہیں پاکیزہ چیزیں رزق سے - یہ ماکولات کی نسبت ارشاد فرمایا - حاصل یہ ہے کہ پہننے اور کھانے پینے کی چیزیں خواہ درجہ حاجت میں ہوں یا درجہ لذت میں حرام نہیں - یعنی اچھا کپڑا اور اچھا کھانا حرام نہیں ہے - یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہدہ کے اندر غلو کرنا مناسب نہیں بعض

اہلِ مجاہدہ اِس میں حد سے آگے نکل جاتے ہیں۔ پھل چھوڑ دیتے ہیں۔ بعضے گوشت کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بعضوں کی شہرت کی جاتی ہے کہ فلاں بزرگ اناج نہیں کھاتے۔ لیکن اُن کو یہ خبر نہیں کہ انہوں نے ایک غذا کو تو چھوڑا جو کہ حلال تھی اور ایک دوسری غذائے حرام یعنی عُجب اور حُبِ شہرت کو اختیار کیا۔ چاروں طرف سے جب شہرت ہوگی اور سب کی نظریں پڑیں گی تو نفس کو بڑی غذا ملیگی اور نفس موٹا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

آدمی فربہ شود از راہِ گوش	جانور فربہ شود از نائے و نوش

اور فرماتے ہیں ؎

تن قفس شکل است امّا خارِ جاں اینش گوید نے منم انبازِ تو	از فریبِ داخلان و خارجاں آنش گوید نے منم ہمرازِ تو

چاروں طرف سے جب اپنی مدح و ثنا دیکھتا ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

او چو بیند خلق را سرمستِ خویش	از تکبّر می رود از دستِ خویش

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکو خود بھی وہم ہو جاتا ہے کہ مَیں آخر کچھ تو ہوں جب تو لوگ مجھ کو ایسا کہتے ہیں۔ اِس کے بعد مولانا اسکا معالجہ بتاتے ہیں ؎

خویش را رنجور سازو زار زار	تا ترا بیروں کنند از اشتہار

آگے اِس شہرت کی خدمت فرماتے ہیں ؎

اشتہارِ خلق بندِ محکم ست	بندِ ایں از بندِ آہن کے کم ست

یعنی شہرت کی قید لوہے کی قید سے بھی سخت تر ہے۔ ہزاروں کام دین کے ایسے ہیں کہ آدمی کو اُن سے شہرت اور وجاہت مانع ہوتی ہے۔ دیکھو رکابی چاٹنا سُنّت ہے لیکن بڑا آدمی جس کے طرف چار آدمیوں کی نظریں ہوں وہ مجمع میں اس سُنّت کو ادا نہیں کر سکتا۔ بہت سی رسُوم ایسی ہیں کہ ننگ و ناموس کی وجہ سے بڑا آدمی نہیں چھوڑ سکتا اور گمنام چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس ننگ و ناموس کا علاج اگر کچھ ہے تو عشق و محبت حقتعالیٰ کی ہے۔ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما اے دوائے نخوت و ناموسِ ما	وے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

ایسا شخص نہ بدنامی سے ڈرے گا۔ اور نہ ننگ و ناموس اُس کا سدِّ راہ ہوگی

اور بہت آزادی سے کہدے گا ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں	ما نمی خواہیم ننگ و نام را

اور یہ کہے گا ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را	خاک بر سر کن غم ایام را

ورنہ حضرت یہ ننگ و ناموس وہی ہے جس نے ابو طالب کو ایمان سے روکدیا - اور جب حضورؐ نے سمجھایا تو یہ کہا کہ ایمان تو لے آتا مگر کیا کہیگی خلقت کہ ابو طالب دوزخ سے ڈرگیا - اور کیا کہیں گی قریش کی بوڑھیاں کہ ایک بچہ پر ایمان لے آیا - وہی ننگ ہم کو بھی خراب کر رہی ہے وہاں اور رنگ سے تھی - وہاں ایمان نہ تھا ایمان سے روک رہی تھی - ہم چونکہ پہلے سے مسلمان ہیں اس لئے اُس پر قایم تو ہیں مگر تارک سنت ہیں - ہم کو اُس کے اتباع سے روکتی ہے - اور اگر پہلے سے مسلمان بھی نہ ہوتے تو کیا عجب ہے کہ ہم کو یہ ننگ اسلام سے بھی روکتی - اور ایک یہی ننگ کیا لاکھوں بلاؤں میں مبتلا ہیں مجاہدہ کرکے ایک سے خلاصی ہوتی ہو دوسری بلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں - جیسے یہاں ترک لذات کیا تھا قوائے شہویہ کے مغلوب کرنے کو لیکن ابتلا ہو گیا عُجب اور اشتہار کی بلا میں - بجز فضل کوئی چارہ نہیں ہے - مولاناؒ اسی مقام کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا	ما چو مرغانِ اسیر بے نوا
دمبدم پابستۂ دام نو ایم	گر ہمہ شہباز و سیمرغے شویم
میرہانی ہر دمے ما را و باز	سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

یعنی اے اللہ ہم عاجز ہیں ہمارا مجاہدہ کچھ کام نہیں دیتا - لاکھوں جال ہیں اور ہم مثل حریص پرندوں کے ہیں - ایک جال سے آپ چھڑاتے ہیں دوسرے جال میں ہم پھنس جاتے ہیں - الحاصل یہ جاہ سخت مرض ہے اور جاہ کیا ہے چاہ ہے - چنانچہ یہ جاہ ہی کی خرابی ہے کہ شیطان نے پٹی پڑھادی کہ آم کھانا چھوڑ دو - خربوزے ترک کر دو شہرت ہوگی - یاد رکھو ان چیزوں کے چھوڑنے سے کچھ نہیں ہوتا - اصل شئے حکم کا اتباع ہے خواہ وہ حکم جو کچھ بھی ہو - اگر یہ حکم ہو کہ اسوقت نماز نہ پڑھو - بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کرو اُس وقت وہی عبادت ہوگا - اور اگر کہیں کہ روزہ توڑ دو

روزہ توڑ نا ہی عبادت ہوگا - حدیث شریف میں قصہ وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر میں سب کے سامنے پانی منگا کر پیا جس سے معلوم ہوا کہ حضور روزہ سے نہیں ہیں تاکہ اور لوگ بھی افطار کر دیں کیونکہ اُسوقت ایک شرعی ضرورت افطار کی تھی - اس لئے سمجھ دار لوگوں نے بھی یہ دیکھ کر روزہ افطار کیا - اس لئے کہ ؎

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں	خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اور بعض نے افطار نہیں کیا اُن کی نسبت حضورؐ نے فرمایا اُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ یعنی یہ لوگ نافرمان ہیں - اِس موقعہ پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی جو مولاناؒ نے مثنوی شریف میں لکھی ہے کہ سلطان محمود پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ ایاز کے اندر کونسی خوبی ہے جس کی وجہ سے حضور اس کو اس قدر چاہتے ہیں - بادشاہ نے کہا کہ کسی موقع پر دکھلاویں گے کہ کیا بات ہے - ایک روز ایک بڑا بیش قیمت موتی خزانے سے دربار میں منگایا گیا اور وزیر اعظم کو حکم دیا کہ اسکو توڑ ڈالو - وزیر اعظم سمجھا کہ بادشاہ کو شاید خلل دماغ ہوگیا ہے جو ایسے دُر بے بہا کو توڑنے کا حکم دیتے ہیں - ادب سے عرض کیا کہ حضور اس حکم پر نظر ثانی فرمایئے ایسا دُر شاہوار پھر نہ ملیگا - اُس کے بعد دوسرے وزیر کو حکم دیا - اُس نے خیال کیا کہ جب وزیر اعظم نے نہیں توڑا تو میری کیا شامت آئی ہے - مَیں تو پھر بھی عقل میں کم ہوں - غرض اُس نے بھی عذر کیا سب نے اِسیطرح عذر کر دیا - سب کے بعد ایاز کو حکم دیا کہ ایاز اس کو توڑ ڈالو - کہا حضور بہت اچھا ایک پتھر نیچے رکھا اور ایک اُوپر سے مارا چکنا چور کر دیا - بادشاہ نے ایاز کیطرف نظر تادیب سے دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا حرکت کی - ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ قصور ہوا بادشاہ نے حاضرین سے کہا کہ بس یہ ادا ہے جس کی وجہ سے مَیں اس پر مرتا ہوں - وزراء نے ایازؔ سے کہا کہ تجھ کو کیا سُوجھی تھی کہ ایسے دُر نایاب کو تو نے ریزہ ریزہ کر دیا - ایازؔ نے کیا اچھا جواب دیا کہ ارے ظالمو مَیں نے تو موتی ہی توڑا ہے - تم نے شاہی حکم کو توڑا - میرے نزدیک حکم شاہی موتی سے ہزار درجہ بہتر ہے ؎

نقض حکم از کسر دُر دشوار تر	لاجرم بستم بامراد کمر

پس اُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ سے حضورؐ نے گویا یہ فرمایا کہ بتلاؤ ہمارا حکم زیادہ ہے یا تمہارا روزہ - تمہارے افطار نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ تم ہمارے حکم کو اپنے روزہ سے کم سمجھتے ہو - اِس مقام پر طالب علموں کو ایک سخت شبہ ہو سکتا ہے - وہ یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ افطار

کرنے کا حکم وجوبی تو تھا نہیں پھر اولئک العصاۃ کیوں فرمایا عصیان تو ترک واجب سے
لازم آتا ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں ظاہر میں مباح ہوتی ہیں لیکن چونکہ منشا
اُن کا بُرا ہوتا ہے اِسلئے وہ شدید ہو جاتی ہیں۔ جب حضورؐ نے روزہ کھولڈالا اور
بعض نے نہ کھولا تو اُن کے ذہن میں یہ تھا کہ روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور جب یہ سمجھا
تو حضورؐ کو مرتکب جانا ترک اُولیٰ کا۔ پس مرجوح اپنے فعل کو اولویت کے درجہ میں گمان
کیا اور یہ نہایت سخت امر ہے۔ پس اے مجاہدہ کرنے والو بابت ترک لذات کے اندر اپنے
نفس کو خوب ٹٹولو۔ اگر اس ترک کو تم افضل عند الخلق سمجھ کر کرتے ہو تو یاد رکھو یہ اندرونی
مرض ہے اور اس کا منشا حب جاہ ہے اور اگر افضل عند الخالق سمجھتے ہو تو بدعت ہے
اور اگر ترک کو افضل اور قربت نہیں جانتے بلکہ یہ جانتے ہو کہ ہم بیمار ہیں اور بیمار کو
جیسے پرہیز کرنا لازم ہے ایسے ہی ہم بھی اِن لذات کو ترک کرتے ہیں تو مبارک ہو اسکا
کچھ حرج نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ اِن چیزوں کے ترک کو بزرگی اور تقدس مت سمجھو
ہاں معالجہ کے واسطے لذائذ کو ترک کرنے کا مضائقہ نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ع

لقمہ ونکتہ ہست کامل را حلال		تو نہ کامل مخور می باش لال
تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک خوں می خور	ع	کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

پس یہ نہ سمجھو کہ خربوزہ اور آم میرے قابل نہیں ہیں میری شان اُن سے ارفع ہے۔
اگر یہ سمجھ کر کسی نے خربوزہ چھوڑا ہے تو وہ خر اور بُز ہے۔ اور آم چھوڑا ہے تو عام
ہے خواص میں سے نہیں بلکہ یہ سمجھو کہ مَیں اِن نعمتوں کے قابل ابھی نہیں ہوا۔ میں
مرض میں مبتلا ہوں حکیم جی نے مجھ کو ان چیزوں کا پرہیز بتلایا ہے۔ الحاصل ترک
فواکہ ولذات کوئی قربت نہیں ہے بلکہ افضل اور سنت یہی ہے کہ سب چیزیں کھایا
کرے۔ اگر کوئی کہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو
کیا تو چاہیئے کہ یہ بھی افضل ہو حالانکہ بالاتفاق تثلیث غسل کا افضل ہونا ثابت ہے
جواب یہ ہے کہ وہاں حضورؐ نے ایک ایک مرتبہ وضو بیان جواز کے لئے کیا ہے۔
عادت تو تین تین مرتبہ کی تھی۔ افضل وُہی ہے جو عادت ہو۔ اسیطرح ترک فواکہ
حضورؐ کی عادت نہ تھی۔ عادت شریف یہی تھی کہ جو پھل آگیا کھالیا اس لئے ترک کو
افضل نہ کہا جاوے گا۔ افضل فواکہ کا کھانا ہی ہوگا۔ لیکن اس سے طماع اور اکالین

خوش ہوں کہ یہ تو اچھی سُنّت ہے - اور انہماک فی المباحات واللذائذ پر استدلال نہ کریں جیسے کسی اکال کی حکایت ہے کہ پیٹ میں درد ہوا - کسی نے ایک دوا دی کہ یہ کھالو - کہاکہ اگر اس کی گنجائش ہوتی تو میں دو لقمہ اور ہی نہ کھاتا - بعضے آدمی رمضان شریف میں اس قدر کھاتے ہیں کہ رسید پر رسید (ڈکار) چلی آتی ہے مگر وہ بس ہی نہیں کرتے - اعتدال ہر شئے میں محمود ہے - نہ اتنا کم کھاوے کہ بھوک سے آنتیں بولنے لگیں اور نہ اس قدر زیادہ کھاوے کہ منہ سے نکلنے لگیں - پیٹ سے کچھ کم کھاوے اور خیر پیٹ بھر کھالیوے تب بھی مضائقہ نہیں غضب تو یہ ہے کہ بعضے حریص پیٹ بھر کر پھر نیت بھرتے ہیں اور پھر شک رہتا ہے کہ شاید دن میں شام کو بھوک لگ جاوے - اس لئے دفع شک کے لئے بھی کچھ لقمے کھاتے ہیں - اور یہاں سے اُس حدیث کے معنے بھی سمجھ میں آگئے ہونگے کہ المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعاء یعنی مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے - یہ کنایہ ہے قلت اکل اور کثرت اکل سے مطلب یہ ہے کہ مومن کو حرص کم ہوتی ہے اس لئے وہ صرف پیٹ بھرنے پر اکتفا کرتا ہے اور کافر پیٹ بھی بھرتا ہے اور نیت بھی بھرتا ہے - باقی رہی یہ بات کہ یہ جو بزرگوں نے کہدیا ہے کہ روزہ میں کم کھاوے ورنہ روزہ کا فائدہ باطل ہو جائیگا - یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا - میرے نزدیک یہ مجاہدہ میں غلو ہے - چنانچہ اس کو کئی بار مفصلاً بیان کیا گیا ہے - بہرحال حق تعالیٰ نے قُلْ مَنْ حَرَّمَ الخ میں ماکولات و ملبوسات کی جو اہل مکہ تحریم کرتے تھے اس کا رد فرمایا - لیکن یہاں شبہ ہو سکتا تھا کہ گو یہ چیزیں حرام نہیں لیکن باوجود حرام نہ ہونے کے اگر ترک کریں تو شاید مناسب اور مستحب ہو تو اس کو آگے دفع فرماتے ہیں -

قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ یہ نعمتیں اہل ایمان کے لئے ہیں دُنیا میں - اس سے معلوم ہوا کہ ترک کرنا مناسب نہیں بلکہ افضل و اولیٰ استعمال ہی کرنا ہے - اس لئے کہ جب ہمارے لئے طیار کی گئی تو ہم اگر نہ کھائیں گے تو یقیناً یہ نامرضی اور غیر پسندیدہ ہوگا - دیکھو اگر کوئی میزبان بڑے اہتمام سے مہمان کے لئے کھانے تیار کرائے اور

وہ مہمان نہ کھائے تو میزبان کا دل ضرور ناخوش ہوگا۔ یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دُنیا کی نعمتیں تو مومن اور کافر سب کے لئے ہیں پھر یہ کیوں فرمایا ھِیَ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا فِی الحَیٰوۃِ الدُّنیَا اس کا جواب موقوف ہے اس آیت کی ترکیب سمجھنے پر۔ اس آیت کی ترکیب میں بہت سے اقوال ہیں۔ اور اُن اقوال ہی کے اعتبار سے تفسیر بھی آیت کی بدلیگی۔ میرے ذہن میں جو اس آیت کی ترکیب و تفسیر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خالصۃ حال ہے ھِیَ ضمیر مصدر سے جو ھِیَ ملفوظ کی خبر ثابتۃ میں مقدر ہے اور فاعل ہے ثابتۃ کی اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ حال ذی الحال کے لئے بمنزلہ قید کے ہوتا ہے۔ پس یہ تخصیص مومنین کے مطلق انتفاع کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ مطلق انتفاع تو عام ہے مومن و کافر سب کو پس یہ تخصیص انتفاع کی اس قید خالصۃ یوم القیمۃ کے لحاظ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ طیبات جس حال میں کہ کدورات وتبعات ومعاقبات قیامت سے خالص ہوں یہ مومنین کے ساتھ دُنیا میں مخصوص ہیں۔ اور کفار جو ان سے متمتع ہوتے ہیں وہ معاقبات وتبعات قیامت کے ساتھ مشوب ہیں یعنی مومنین کو ان طیبات کے متعلق کوئی سزا و عقاب نہ ہوگا اور کفار کو ہوگا۔ اور یہ خلوص عن العقاب تو آخرت کے اعتبار سے ہے جو یہاں مذکور ہے باقی مشاہدہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دُنیا میں بھی خالص لذت خالی از کدورت مومنین ہی کے لئے ہے اور کفار کے لئے کدورت سے خالی نہیں گو اُن کو اس کدورت کا احساس نہ ہو اور غایت بے حسی سے اُنکی ایسی مثال ہوگئی ہے جیسے ایک شخص کو کل مثلاً پھانسی ہوگی آج سلطان وقت کیطرف سے اُسکو کھانے پینے کو دیا جارہا ہے اور اُسکو خبر نہیں ہے کہ ابسکا انجام کیا ہوگا اور مومنین کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ اُن سے راضی ہے اور اُن کو اپنی عطایا سے سرفراز فرمارہا ہے۔ پس اب واضح ہوگیا کہ طیبات کو اللہ تعالیٰ نے مومنین ہی کے لئے پیدا کیا ہے پس ترک کرنا ان کا افضل نہ ہوا بلکہ کھانا ہی افضل ہے اور اسی واسطے اس سے پہلے جو کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ہے اُس کے معنی میرے نزدیک یہ ہیں ولا تسرفوا عن حدود الشرع ای بتحریم الحلال غرض سیاق وسباق دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تنگی نہیں ہے بلکہ توسیع ہے۔ خوب کھاؤ پیو اگر حلال کو حرام سمجھوگے

تو اسراف ہو جاویگا۔ مجھ کو اس تفسیر پر بالکل اطمینان ہے اس لئے اسی کو میں نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے یہاں تک ذکر تھا اُن چیزوں کا جو حلال تھیں اور وہ لوگ اُن کو حرام سمجھتے تھے۔ اب سمجھ میں آگیا ہو گا کہ اِنّمَا حرف حصر کی بیان کیا ضرورت واقع ہوئی اور یہ بھی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ حصر اضافی مراد ہے۔ یعنی اے اہل مکہ وہ اشیاء حرام نہیں جنکو تم حرام کرتے ہو بلکہ میرے ربنے تو وہ چیزیں حرام کی ہیں جن کو تم حلال سمجھتے ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ یہی چیزیں حرام ہیں کوئی اور شئے حرام نہیں ہے۔ اور ربی میں عجیب حکمت کا ظہور ہے وہ یہ ہے کہ حرم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی بعض اشیاء مرغوبۂ نفس کو ہم سے روکتے ہیں تو اس میں محبت کی کمی کا شبہ ہو سکتا تھا جیسے کوئی کہے کہ دیکھو جی ایک روپیہ لینا زیادہ مت لینا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کم ہے اسیطرح اللہ تعالی نے جو حرّم فرمایا تو بس بدگمانی ہوئی کہ معلوم ہوتا ہے ہماری آزادی سلب کی جاتی ہے۔ حالانکہ ؎

بدگمانی کردن وحرص آوری	کفر باشد نزد خوان مہتری

پس ربی سے اُس کو دفع فرماتے ہیں کہ ارے وہ حرام کرنے والی ایسی ذات ہے جس نے تم کو پالا ہے تمہارا مربی ہے تمہارا وجود نہ تھا وہ تم کو وجود میں لایا ہے۔ تم نہ تھے اور پھر تم پر رحمت فرمائی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ما نبودیم وتقاضا ما نبود	لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

جو ذات ایسی ہو کیا اُسپر یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اُس نے اب شفقت میں کمی کی ہوگی بلکہ شدّتِ محبت ہی سبب ہوا ہے اِس تحریم کا جیسے ماں باپ بچے کو بعض مضر چیزوں سے روکتے ہیں۔ بچہ چاہتا ہے کہ اُن کو کھائے۔ لیکن ماں باپ جانتے ہیں کہ اگر یہ کھائیگا تو اُس کو نقصان ہوگا۔ اور بعض مرتبہ باپ کوئی شئے لاتا ہے اور دیتا نہیں تا کہ بچہ روئے اور مانگے اور ضد کرے اِسلئے کہ اُس کا مانگنا اور ضد کرنا اور رونا دھونا اُس کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اِسی طرح حقتعالی بعض اشیاء تو بالکل جائز نہیں فرماتے کہ مطلقاً مضر ہیں۔ اور بعض اشیاء دُعا کے بعد دیر میں اِسلئے دیتے ہیں کہ جانتے ہیں کہ اگر ہم اپنے بندہ کو جو شئے مانگتا ہے ابھی دیدینگے تو پھر ہم سے یہ مانگے گا نہیں اور ہم کو یاد نہ کریگا تم تو اس کو باعث غم ورنج جانتے ہو حالانکہ یہ غم ہزاروں خوشیوں کی کنجی ہے۔ اِسی

گریہ کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست	اے خوشا آں دل کہ آں بریان اوست

یہ رونا ہی سبب ہو جائیگا ہنسی کا - رونے کی برکت میں اہل سیر نے ایک حکایت لکھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر کو دیکھا کہ رو رہا ہے - آپنے اُس سے وجہ پوچھی - اُس نے کہا جب سے مضمون وقودھا الناس والحجارۃ سُنا ہے تب سے یہ حال ہے آپنے یہ دعا کی کہ یہ پتھر جہنم میں نہ جاوے - وعدہ ہوگیا آپنے بشارت دیدی وہ تھم گیا - چند روز کے بعد جو پھر اُسپر گذر ہوا تو پھر روتا ہوا پایا - پوچھا اب کیا ہوا - کہنے لگا کہ آپ کی تشریف بری کے بعد خیال آیا کہ جب رونا ایسی پسندیدہ چیز ہے جسکی برکت سے یہ دولت ملی تو ایسی چیز کو کیوں چھوڑا جاوے - اَور معلوم نہیں کہ کیا کیا دولت ملجاویگی - صاحبو ہماری سمجھ تو پتھر سے بھی کم نکلی - یاد رکھو حزن و غم بہت پسندیدہ حال ہے اس لئے کہ یہ مفتاح ہے بہت سعادات کی - رو رو کر مانگنا اور رھنکنا حق تعالیٰ کو پسند ہے - حدیث شریف میں ہے ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء اور جو کسی کافر وغیرہ کو دیکھو کہ اُس کا مانگا ہوا جلدی جلدی ملجاتا ہے تو وہاں یہ علامت ہوتی ہے عدم مقبولیّت کی - معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اُس کا مانگنا پسند نہیں آیا اس لئے جلدی سے دیکر نکالدیا - دیکھو اگر تمہارے دروازہ پر کوئی سائل آتا ہے تو اُس کی آواز اگر کانوں کو بُری معلوم ہو تو کہو گے کہ اُس کو جلدی دے کر ٹالو - اور اگر کوئی خوش آواز یا کوئی حسین محبوب ہے تو ٹالو گے اور نہ دو گے کہ اچھا ہے کچھ دیر اَور کھڑا رہے تاکہ اُس کی آواز کانوں میں آوے پس حقتعالیٰ کے یہاں سے غیر مقبول کو جلدی کسی شئے کا ملجانا یہ علامت ہے اس کی کہ مقصود یہ ہے کہ اُسکو جلدی دربار سے نکالو اور مقبول کو بدیر ملنا علامت اس کی ہے کہ اس کی گریہ وزاری پسند ہے - خوب سمجھ لو حقتعالیٰ کا نہ دینا یا دیر میں دینا اسکا منشا مومن میں محبت ہے - پس اگر باوجود مانگنے کے کوئی شئے بالکل نہ ملے تو سمجھ لو کہ وہ شئے تمہارے مناسب نہیں اسلئے نہیں ملی ؎

آنکس کہ توانگرت نمی گرداند	او مصلحت تو از تو بہتر داند

اِسیطرح جن اشیا کی تشریعاً تحریم فرمائی ہے وہ ہمارے لئے مضر ہیں - اب آگے آیت میں چند چیزیں مذکور ہیں جن پر تحریم وارد ہوئی - فواحش - اثم - بغی - شرک - ان تقولوا

علی اللہ مالا تعلمون - ظاہر میں تو یہ پانچ قسمیں ہیں لیکن جیسے اوامر کی تین قسمیں تھیں واقع میں یہ پانچ بھی تین قسموں کی طرف راجع ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اوامر میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کل تین قسمیں ہیں - عقائد حقوق اللہ حقوق العباد - یہاں بھی یہی قسمیں ہیں - فواحش ما ظہر ہوں یا ما بطن ہوں اثم میں داخل ہیں اور اثم کا اطلاق اعمال متعلقہ دیانات پر زیادہ آتا ہے - اس لئے یہ حقوق اللہ ہوئے یعنی ان کا ارتکاب کرنے سے اللہ تعالےٰ کے حقوق ضائع ہوتے ہیں - اور بغی کے معنی کسی پر ظلم کرنا ہیں - یہ حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے - اور ان تشرکوا میں اُن کے عقائد فاسدہ آ گئے - باقی فواحش کو جدا گانہ لانے حالانکہ الاثم کے اندر داخل ہے اس لئے کہ خصوصیت مقام اور سبب نزول اس کو مقتضی ہے - اور نیز اسی اہتمام کی وجہ سے اُس کی تقسیم بھی فرمائی - مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ - ماظھر میں تو کھلی بیحیائی داخل ہے جیسے برہنہ رہنا اور برہنہ طواف کرنا - اور ما بطن میں وہ بیحیائیاں داخل ہیں جو چھپ کر کرتے تھے جیسے زنا کرنا - اور اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا منشا بھی فساد عقیدہ ہے - اسلئے یہ بھی حکماً ان تشرکوا میں داخل ہو یہ تو تفسیر ہے الفاظ آیت کی اس آیت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے سب قسم کے گناہ اور سب زمانوں میں حرام فرمائے ہیں رمضان شریف کی کوئی تخصیص نہیں - مگر فرق اتنا ہے کہ رمضان المبارک میں حرمت اور زیادہ بڑھ جائیگی جیسے کہ شرف مکان و زمان سے نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے اسیطرح گناہ کے اندر بھی شدت زیادہ ہو جاتی ہے - پس چاہیئے تو یہ کہ تمام گناہوں سے بچیں لیکن میں بالتخصیص بعض اُن گناہوں کو ذکر کرتا ہوں کہ جنمیں ابتلا زیادہ ہے - اور اُن کو گناہ بھی نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہیں تو ہلکا جانتے ہیں - ایسے گناہ کے افراد تو زیادہ ہیں مگر چند کلیات عرض کرتا ہوں انشاء اللہ سب افراد اُسمیں آجاویں گے - اُن میں سے بڑا بھاری گناہ جسکو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں نظر کا گناہ ہے اور بھاری میں نے اُس کو باعتبار آثار کے کہا - اس کی ایسی مثال ہے جیسے گھڑی کے اندر بال کمانی ہوتی ہے کہ دیکھنے میں تو چھوٹی سی شئے ہے لیکن سارا چرخہ گھڑی کا اُسی پر چلتا ہے - اسی طرح آنکھوں سے جو شعاعیں نکلتی ہیں وہ بال کمانی سے بھی زیادہ باریک ہیں لیکن قلب جو سلطان جسم ہے اسی پر چلتا ہے - پھر قلب پر تمام چرخہ جسم کا حرکت کرتا ہے -

یہ آنکھیں تمام امراض کی جڑ ہیں اور اسی کو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں۔ عام عادت ہوگئی ہے مطلقاً اس سے پرہیز نہیں جسکو چاہا گھور لیا جسکو چاہا تاک لیا۔ اصل گناہ زنا اور لواطت بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اگر نگاہ پر مدار ہوتا تو اندھے زنا نہ کیا کرتے صاحبو! اندھے بھی اسی کی بدولت مبتلا ہوتے ہیں۔ آواز سنکر تصور کرتے ہیں کہ یہ لڑکا یا عورت خوبصورت ہوگا تو ان کے بھی دل میں یہی تصور اول ہوتا ہے کہ اسمیں جو دیکھنے کی چیز ہے وہ ایسی ہوگی۔ اگر لمس سے عاشق ہوتے تو روئی بہت نرم ہوتی ہے اس پر کیوں عاشق نہیں ہوتے۔ پس گو ان کے اندر ظاہری نگاہ نہیں ہے مگر دل کی نگاہ تو ہے اسی سے وہ کام لیتے ہیں۔ پس اب میرا دعویٰ صحیح ہوگیا کہ جب خرابی ہوتی ہے نگاہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ بازار میں آدمی چلا جارہا ہے اور کوئی آواز آئی تو اس کی طرف نگاہ خوبصورتی کے گمان سے اٹھتی ہے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ بدصورت ہے تو کبھی اس طرف نہ دیکھے۔ بس یہ نگاہ کیا ہے دلال معاصی ہے۔ اسیواسطے حقتعالیٰ نے حکم فرمایا ہے حفظ فروج کے امر سے پہلے یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ فرمایا۔ اصل مقصود تو حفظ فروج ہی ہے غض بصر اسکا طریقہ ہے اور کیا رحمت ہے حقتعالیٰ کی کہ فروجہم میں مِنْ تبعیضیہ نہیں لائے اور ابصارہم میں لائے۔ اگر یغضوا ابصارہم فرماتے تو جو مطیعین و محبین ہیں وہ تو عمر بھر کسی طرف دیکھ ہی نہ سکتے خواہ ان کے سامنے کچھ ہی آجاتا جس سے وہ ٹکرا کر چوٹ کھاتے گرتے پڑتے۔ اور اس میں ظاہر ہے کہ دقت اور پریشانی ہوتی۔ اور جنکو ہمت کم ہے یا نہیں ہے وہ اپنی حفاظت کے لئے ادھر ادھر کی چیزوں کو دیکھتے اور اس میں عورتوں وغیرہ پر بھی نظر پڑتی گو قصد شہوت نہ ہوتا مگر تب بھی نفس نظر ہی سے گناہ ہوتا۔ کیونکہ تقدیر یہ ہے کہ مِن نہ ہونے سے علی الاطلاق غض بصر واجب ہوتا۔ اور اسطرح سے گنہگار ہوتے۔ اس لئے مِنْ اَبْصَارِهِمْ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ بعض نگاہیں نیچی رکھیں یعنی وہ نگاہ جو قصداً نامحرم کیطرف ہو۔ اس سے نظر فجارہ مستثنےٰ ہوگئی مثلاً دیکھا تھا یہ خیال کرکے کہ ہمارا بھائی آرہا ہے۔ اور اتفاق سے کسی عورت پر نگاہ پڑگئی تو اس کا گناہ نہ ہوگا۔ اب گناہ وہ ہی نگاہ ہوئی جو قصد کرکے نامحرم پر ہو اور بلا قصد معصیت نہ ہوئی حالانکہ عقلاً جرائم کی شان یہ ہے کہ خواہ کسی طرح ہو جرم ہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حقوق العباد میں اسکا اعتبار بھی کیا گیا ہے۔ اگر کسی سے کسی کا

مثلاً بلاقصد گلاس ٹوٹ گیا تو دام دینے پڑیں گے۔ اسیطرح آپکے مقدمات متعارفہ میں جرم خواہ کسی طرح صادر ہو جرم ہی ہے پس اسی قیاس کے موافق اگر نظر فجارۃ کو بھی جرم قرار دیتے تو دے سکتے تھے۔ لیکن یہ رحمت ہے کہ اس کو جرم قرار نہیں دیا اس لئے کہ یہ خود اُن کا حق ہے وہ اپنی رحمت سے معاف فرماتے ہیں اور حقوق العباد میں بندہ کا حق ہے وہ اگر معاف کرے تو ہو سکتا ہے یہ اعتدال ہے شریعت مقدسہ کا کوئی ایسا قانون دکھلائیے تو جس میں ایسی رعایت اور ایسا اعتدال اور حُسن ہو۔ خدا کی قسم ہے شریعت کا وہ حُسن وجمال ہے کہ بے اختیار یہ شعر زبان سے نکلتا ہے ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے نگرم	کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اگر کوئی کہے کہ نظر فجارۃ کو اگر حرام قرار دیا جاتا تو یہ عقل کے خلاف تھا اس لئے کہ یہ اختیار میں نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے کہ اختیار میں نہیں۔ اگر مزید احتیاط کرے تو اس سے بھی بچ سکتے ہیں۔ اور قابل بچنے کے ہے بھی۔ اس لئے کہ گو اس میں گناہ نہیں لیکن علت اور روگ لگنے کے لئے تو یہ بھی کافی ہے۔ مبتلا دل تھا ہاتھ سے نکل گیا تو باوجود اس کے اس سے بچنا ہمارے اختیار میں تھا لیکن اُسمیں ہم کو ذرا احتیاط زیادہ کرنی پڑتی۔ پھر جو اس کے اندر گناہ اور مواخذہ نہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس معافی میں ہمارا علاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندہ کو نظر فجارۃ سے کسی کی طرف میلان ہو گیا اور ارادہ ہوا کہ اس کے ملنے کی کوشش کریں۔ اِدھر اس کے ذہن میں یہ بھی مضمون ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ میری نگاہ قابل مواخذہ کے تھی مگر اس پر حق تعالیٰ نے مواخذہ نہیں فرمایا تو اگر کچھ عقل درست ہے تو سمجھیگا کہ اللہ اکبر کس قدر عنایت ورحمت ہے کہ میں نگاہ سے متمتع بھی ہوا اور یہ کرم کہ مواخذہ نہیں فرمایا۔ اِس مضمون میں اور زیادہ غور وخوض سے کام لیگا تو حُبِّ حق کا اسقدر غلبہ ہوگا کہ ندامت سے پانی پانی ہو جائیگا اور غیر کا خیال مٹ رہیگا۔ ہاں اگر حُبِّ حق کو غالب کرے اور فکر سے کام نہ لے تو اسکا کچھ علاج ہی نہیں۔ ورنہ اگر ذرا عقل سے کام لے تو معلوم ہو کہ یہ بیماری جو ہمارے تمہارے اندر ہے اسکا علاج اور شفا بھی ہمارے ہی اندر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

دواءك فيك وما تبصر	دواءك منك وما تشعر
وانت الكتاب المبين الذی	باحرفه يظهر المضمر

انسان ایک عجیب شئے ہے اسی واسطے حکماء نے اسکا نام عالم صغیر رکھا ہے۔ غرض اس تصور میں یہ اثر ہے کہ اس روگ سے شفا ہو جاویگی۔ پس اس مواخذہ نہ فرمانے میں بڑا اچھا علاج ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

درد از یارست و درمان نیز ہم ۔۔۔ دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

پھر حسن شئے کا یہ طالب ہے یعنی حسن اس کا مخزن بھی تو محبوب حقیقی اور جمیل حقیقی ہو جیسے شعر مذکور کے بعد دوسرا شعر ہے ؎

آنچہ میگویند آں بہتر ز حسن ۔۔۔ یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اگر حسن ہی پر فریفتگی ہے تو حسن کا خزانہ اور معدن اصلی بھی وہ ہی ہیں ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ ۔۔۔ پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ماسوا حق تعالے شانہ کے سب حادث ہیں اور مظہر ہیں ذات پاک قدیم کے۔ پس ان حوادث کے تمام صفات بھی مظہر ہیں صفات ذات قدیم کے اور ان کے حسن و جمال کی مثال جمیل حقیقی کے سامنے ایسی ہے جیسے دیوار کہ نور آفتاب سے منور ہو جاوے۔ پس اگر کوئی نادان اس دیوار کو منور جان کر اسپر عاشق ہو جائے تو یہ اسکی نادانی ہے۔ اسکو خبر نہیں ہے کہ یہ نور اسکا محض مستعار ہے جو عنقریب معدن اس نور کا یعنی آفتاب اسکو اپنے ساتھ لیجاوے گا ایسے حسینان عالم کا حسن مجازی اور مستعار ہے۔ یہی حسین جن کے حسن پر لوگ فریفتہ ہیں اگر بیمار ہو جاویں یا ان کا سر منڈا دیا جائے تو وہ حسن مبدل بہ قبح ہو جاتا ہے۔ یا بیمار نہ ہوں لیکن موت سے تو چارہ ہی نہیں موت کے بعد یہ حسن کہاں چلا جاتا ہے جسکا تھا اسنے لیلیا۔ پس یہ حسن مجازی تو محض ملمع ہے۔ عاقل سے بہت بعید ہے کہ اس حسن پر فریفتہ ہو اور اصلی حسن سے غافل ہو۔ مولانا اسی عشق کی نسبت فرماتے ہیں ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار ۔۔۔ عشق را با حی و با قیوم دار
غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں ۔۔۔ عشقہائے اولین و آخریں

یہاں شبہ ہو سکتا تھا کہ ہمکو اس بارگاہ تک کیسے رسائی ہو سکتی ہے۔ مولانا اسکا جواب دیتے ہیں ؎

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست ۔۔۔ با کریماں کارہا دشوار نیست

یعنی ہم کو تو بیشک وہاں رسائی ممکن نہیں ہے۔ لیکن ان کو تو دشوار نہیں ہے۔ وہ جب

چاہیں کچھ بھی مشکل نہیں چنانچہ چاہتے بھی ہیں لیکن اِس قید سے چاہتے ہیں کہ یہ بھی چاہیں تو تم چاہ کر دیکھو۔ امتحان ہی کے طور پر چاہ کر دیکھ لو۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بھائی یہ تو اُن لوگوں کا کام ہے جو دُنیا سے بالکل منقطع ہو جاویں اور دُنیا کے کام کے نہ رہیں۔ یاد رکھو یہ شیطانی شبہات ہیں۔ الحاصل اگر تم ایسے ہی حُسن پرست ہو تو وہاں تو حُسن بھی موجود ہے بہر حال یہ علاج ہُوا اُس بلا کا جو اِس نظر سے پیدا ہوئی تھی۔ پس ایسی ذات رحیم سے علاقہ قطع نہ کرو اور غیر پر نظر نہ ڈالو۔ اور سینکڑوں جگہ تو آدمی گناہ بے لذت ہی کرتا ہے۔ اور پہلی نگاہ تو چونکہ اچانک پڑی تھی اور ناتمام دیکھا گیا اِس لئے ممکن ہے کہ وہ حسین نظروں میں بھلا معلوم ہو۔ اور دوسری قصداً دیکھنے میں تو ممکن ہے کہ خیال کے خلاف نکلے۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے جیسا کسی نے کہا ہے ؎

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد	چوں باز کنی مادر مادر باشد

تو خواہ مخواہ گناہ بھی ہُوا اور کچھ لذت بھی نہ آئی بلکہ اَور اُلٹی کدورت ہوئی۔ اور اگر پہلے سے اچھا نظر آیا تو اَور زیادہ حسرت ہوئی اِسلئے کہ جو نظر آوے اُس کا ملجانا تو ضروری نہیں اکثر بلکہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ ملتا نہیں اور پہلی نظر یعنی نظر فجارۃ ہم خرما و ہم ثواب کا مضمون رکھتی ہے۔ بس اب دوسری مرتبہ نظر نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ باوجود گناہ کے کچھ لذت نہ آوے یا حسرت زیادہ ہو جائے۔ اور پہلی نظر سے اگر کوئی روگ پیدا ہو تو اُسکا علاج یہ فرمایا کہ گناہ نہیں لکھا اسلئے کہ انسان کی طبعی بات ہے کہ خوف سے اُسکو اتنا تعلق اطاعت نہیں ہوتا جسقدر کہ محبّت سے ہوتا ہے۔ پس اِس عنایت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اب نگاہ نہ کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ جن چیزوں کی حقتعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے۔ اُن میں علاوہ دینی خرابی کے دُنیوی مصیبت بھی تو ہے اِس نظر ہی کو دیکھ لیجئے کہ اس سے جو خرابی اور مرض پیدا ہوتا ہے آدمی کو کسی حالت میں چین نہیں ہوتا۔ ہر وقت پریشانی میں رہتا ہے۔ پھر جن پر یہ مرتا ہے وہ بھی بیوفائی کرتے ہیں ؎

وفاداری مدار از بلبلان چشم	کہ ہر دم بر گلے دیگر سرایند

یہ بھی حقتعالیٰ کی رحمت ہے کہ یہ بیوفائی کرتے ہیں گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم قابل جی لگانے کے نہیں ہیں علاوہ اِسکے ایک اَور اس بدنگاہی کی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ بدنگاہ آدمی کے اندر قوت نہیں ہوتی اور نہ اُسکا رُعب ہوتا ہے۔ بالخصوص اُس شخص پر تو

ہوتا ہی نہیں۔ جس پر بدنگاہ کی ہے ہر طرح کی مضرتیں ہی مضرتیں ہیں۔ خصوص لڑکوں کو بُری نظر سے دیکھنا اور اُن سے تعلق رکھنا یہ تو بہت ہی اشد ہے۔ اِسلئے کہ عورتوں سے بچاؤ کے تو بہت سے سامان موجود ہیں۔ اوّل تو عورتیں خود مردوں سے بچتی ہیں دوسرے بدنامی کا اندیشہ جانبین کو لگا رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ پردہ میں رہتی ہیں۔ غرض اُن سے ملنے کے لئے بہت سے موانع کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ بخلاف لڑکوں کے کہ وہ پردہ میں نہیں رہتے۔ اور اُن سے بات چیت کرنے ملنے جُلنے میں بدنامی نہیں ہے۔ اور چونکہ عقل نہیں ہوتی اِس لئے بھولے پن سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اوپر اُن کو بزرگانہ عنایت ہے شاذ و نادر کسی کو صحیح ادراک ہو جاتا ہے۔ ہمارے مدرسہ میں ایک گاؤں کا لڑکا تھا تہجد گذار نورانی شکل ہم عمر اور لڑکوں سے معمولی لڑکا سمجھتے تھے۔ ایک شخص کو اُس کی طرف کچھ خیال ہو گیا وہ اِس سے کچھ باتیں کیا کرتے۔ ایک روز اُس لڑکے نے اُس شخص سے یہ بات کہی کہ جب تم مجھ سے بات کرتے ہو تو میرے دل میں کدورت ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نگاہ میری طرف اچھی نہیں۔ وہ شخص بھی تھے سچے کہا کہ بھائی واقعی بات تو یہ ہے سچی۔ اب انشاء اللہ تعالےٰ میں اپنے کو روکوں گا۔ اس لڑکے نے نہایت سمجھ کی بات کہی۔ اور اِس سے معلوم ہوا کہ اُسکا قلب بہت صاف تھا۔ ورنہ لڑکوں کو کیا پہچان ہوتی ہے کہ یہ شخص ہم سے کس طرح ملتا ہے اور نہ اُن کے سرپرستوں کو کچھ شبہ ہوتا ہے۔ غرض لڑکوں میں تمام اسباب خرابی کے مہیا ہیں۔ دوسرے کے اشد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں حلت کا محل تو ہیں اور عجیب رحمت ہے کہ جو محارم ہیں کہ محرمات ابدیہ ہیں اور کبھی حلت کا محل نہیں ہوتیں وہاں حقتعالےٰ نے باستثنائے زمانہ ابتدائے آفرینش نوع انسان کہ اُس وقت فطری ضرورت تھی۔ پھر ایک حاجب قدرتی یعنی تنفر پیدا کر دیا ہے چنانچہ عام طبائع کا یہی مقتضا ہے باقی جو انسانیت ہی سے خارج ہو کر بہائم میں داخل ہو جاوے اُسکا ذکر ہی کیا۔ چنانچہ مجوسیوں کے یہاں حقیقی بہن بھائی میں نکاح کی عادت ہے۔ کمبخت کیسے خبیث الطبع اور بے حس ہیں۔ ایک ضلع یہاں قریب ہے وہاں ایک شخص نے اپنی علاتی بہن سے نکاح کر رکھا ہے۔ اور اُس سے ایک جوان لڑکا بھی ہے۔ اور باوجود اِس شدید گناہ میں مبتلا ہونے کے

اس کی تاویل کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ واخواتکم میں اخوات عینیہ مراد ہیں اسی واسطے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں ہے۔ باقی جو نامحرم ہیں وہ تو ممکن ہے کہ نکاح سے اس وقت اُن میں حل آجاوے۔ غرض عورتیں فی نفسہا محل صالح تو ہیں حق تعالےٰ نے اُن کو بشرائط خاصہ پیدا ہی کیا ہے تمتع کے لئے۔ اور لڑکوں میں تو کسی وقت بھی اس کا احتمال نہیں حتی کہ جنت میں سب تمتعات ہوں گے مگر یہ فعل خبیث نہ ہوگا۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ بعض عربی عبارتوں میں لکھ دیا ہے کہ جنت میں یہ فعل ہوگا۔ یہ قول بالکل غلط ہے پس ان وجوہ سے لڑکوں کا فتنہ اشد ہے۔ مجھ کو ایک مرتبہ یہ شبہ ہوا تھا کہ جب کہ لڑکوں میں احتمال فتنہ کا زیادہ ہے اور عورتوں میں اس سے کم۔ اور بچنے کا سامان عورتوں میں زیادہ ہے اور لڑکوں میں کم۔ تو باوجود اس کے جب عورتوں کو پردہ کرایا گیا ہے تو لڑکوں کو بطریق اَولیٰ پردہ میں رکھنا چاہیئے۔ کئی سال یہ شبہ میرے قلب میں رہا لیکن بحمداللہ اُس کا جواب سمجھ میں آگیا۔ اُس جواب کی بھی تقریر کرتا ہوں شاید کسی کو شبہ ہو تو صاف ہو جاوے۔ اوّل اُس جواب کے سمجھنے کے لئے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ حقتعالےٰ نے عورتوں کو امور خانگی اور نسل بڑھنے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور مردوں کو مصالح ملکی مثل زراعت۔ تجارت و قضا و امارت اور نیز مصالح خاصہ دینی مثل امامت۔ جمعہ و اعیاد و نبوت و ارشاد وغیرہ کے لئے پیدا کیا ہے اسی واسطے سُنّت الٰہیہ یہی رہی کہ عورت نبی نہیں ہوتی۔ یوں قدرت ظاہر کرنے لئے کسی عورت کو نبی بنا دیا ہو وہ دوسری بات ہے۔ لیکن نبوّت کے متعلق جو کام ہیں وہ کسی عورت سے نہیں لئے گئے اور نہ عورت سے ہو سکتے ہیں۔ اُن کو مرد ہی کر سکتے ہیں۔ اسی سُنّت پر حضرات مشائخ نے عمل کیا ہے کہ مردوں ہی کو خلیفہ بنایا ہے۔ عورت اگرچہ صاحب نسبت اور قابلیت اس کی رکھتی ہو لیکن اُس کو خلافت کسی نے نہیں دی۔ اور اسی میں مصلحت ہے۔ گو اس زمانہ میں لوگ اس فکر میں ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے برابر سمجھا جاوے اور جہاں اس پر عمل شروع ہو گیا ہے وہ خود اس سے پریشان ہیں۔ اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ عورتیں جن مصالح کے لئے پیدا کی گئی ہیں وہ مصالح پردہ میں بھی حاصل

ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اور مردوں کو جن امور کے لئے پیدا فرمایا وہ پردہ میں رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اکتساب کمالات کا زمانہ بچپن کا ہے پس اگر لڑکوں کو پردہ میں رکھا جاوے تو کمالات مختصہ بالرجال سے وہ محروم رہیں گے۔ اور یہ سبب ہوگا اختلال تمدن و مصالح ضروریہ کا۔ اس لئے اُن کو تو اجازت آزاد پھرنے کی دی گئی۔ اور عورتیں جن مصالح کے لئے موضوع ہوئی ہیں وہ پردہ میں رہ کر بھی حاصل ہو سکتے تھے بلکہ پردہ میں رہ کر خوبی کے ساتھ اُن کی تحصیل ہو سکتی تھی اس لئے اُن کو یہ آزادی نہیں دی گئی۔ آج کل لوگ اس کوشش میں بھی ہیں کہ پردہ مروجہ اُٹھا دیا جاوے اور عورتیں کھلے چھار آزادی سے فٹن پر بیٹھ کر گھوما کریں۔ اور اسکو بے پردگی نہیں جانتے۔ حالانکہ یہ سخت بیحیائی ہے۔ باقی میں اسکو بے پردگی نہ کہوں گا جو غریبوں کی عورتیں منہ چھپاکر گھونگھٹ نکال کر میلے کچیلے کپڑوں میں شرم و حیا کے ساتھ اپنے کسی کام کے لئے باہر نکلتی ہیں۔ اس لئے جو درجہ ہے پردہ کی وہ اُن کو حاصل ہے۔ اور یہاں سے اُن متکبرین کا جواب بھی نکل آیا جو علماء سے غربا کی نسبت تحقیراً پوچھا کرتے ہیں کیوں صاحب اُن جولاہوں تیلیوں کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ باہر پھرتی ہیں اور ہماری عورتیں پردہ کرتی ہیں کیا ان کے پیچھے ہماری نماز ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اِن کی عورتیں پردہ کرتی ہیں گو باہر نکلتی ہیں۔ اور تمہاری عورتیں پردہ نہیں کرتی ہیں گو گھر میں بیٹھتی ہیں۔ چنانچہ چچا زاد بھائی نندوئی۔ دیور۔ جیٹھ۔ پھوپھی زاد۔ ماموں زاد بھائی سب کے سامنے آتی ہیں۔ اور سامنے بھی آتی ہیں ایسی صورت سے کہ بنی ٹھنی مانگ نکال رکھی ہے مسّی کی دھڑی جمی ہوئی۔ ہاتھوں میں کڑے چھڑے چوڑیاں ہیں۔ گوٹے ٹھپے کے کپڑے ہیں اور بالکل بے محابا آتی ہیں۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ اُن کے ساتھ ہنسی دل لگی بھی ہوتی ہے۔ پھر کس منہ سے کہتے ہیں کہ ہماری عورتیں پردہ میں رہتی ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ تمہاری عورتیں گھر میں بیٹھ کر سجی سجائی نامحرموں کے سامنے آتی ہیں اور غریبوں کی عورتیں میلی کچیلی منہ چھپا کر اپنی ضروریات کے لئے حیا کے ساتھ باہر پھرتی ہیں۔ پس یہ بے پردگی نہیں ہے۔ بے پردگی بی۔ اے

اور ایم - اے اور الیف - اے پاس عورتوں کی ہے کہ کھلے منہ مردوں کی طرح آزادی سے بوٹ سوٹ سے آراستہ پھرتی ہیں - ایک شخص تعلیم یافتہ اپنی بیوی سے کہتے تھے کہ کاش وہ دن ہو کہ میں ہوں اور تم ہو اور ٹھنڈی سڑک پر ہاتھ میں ہاتھ لیکر گھومیں تمنا ہے اس نئی تعلیم کا - مومن ہو یا کافر حیا سب کے اندر ہے لیکن اگر نہیں ہے تو اس نئی تعلیم میں نہیں ہے - ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک لڑکا تو تعلیم یافتہ ہے وہ اپنی بیوی سے خوش ہے اور اُس کے عزیزوں میں کوئی لڑکی ہے وہ ایم - اے پاس ہے اُس سے اُس کا تعلق ہے اور اُس لڑکی کا بھی میلان اُس کی طرف ہے - اور اُس لڑکی کے ماں باپ نے جو شادی کرنا چاہا تو اُس نے صاف انکار کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی مرضی کا ڈھونڈیں گے جس کا ہم نے تجربہ کر لیا ہو - جناب یہ نتیجہ ہے اس آزادی اور تعلیم جدید کا - جن عورتوں کی یہ حالت ہو بتلایئے وہ کیا مصالح خانگی کو انجام دے سکیں گی - اگر خاوند بیمار ہو تھکا ہو وہ کیا پاؤں دبائیں گی یا بچوں کی خدمت کریں گی - ہاں بس اس کام کی ہیں کہ اولاد جنا کریں - بلکہ اگر کوئی مشین جننے کی ایجاد ہو تو یہ اس سے بھی آزاد ہو جائیں - اور یہ کہدیں کہ کیا ہمارا پیٹ فٹن ہے جو ہم بچہ کا بوجھ لادے لادے پھریں - اب بھی ان سے جسقدر ہو سکتا ہے بچوں سے قطع تعلق رکھتی ہیں - بچہ پیدا ہوا اور کسی عورت کے حوالہ کر دیا - الحاصل عورتوں کی آزادی اور بے پردگی میں وہ مصالح جن کے لئے عورتیں پیدا ہوتیں ہیں حاصل نہیں ہو سکتے ہیں - وہ پردہ ہی میں حاصل ہو سکتے ہیں - اور پردہ کا مفہوم عام ہے یعنی وہ بھی پردہ ہی ہے جو روسا میں ہے - اور وہ بھی پردہ ہے جو غریبوں کی عورتوں میں ہے - بے پردگی وہ ہے جو آزاد عورتوں میں ہے کما بینا مفصلاً ؂

اور لڑکوں کو اگر پردہ میں بٹھلایا جاویگا تو ظاہر ہے کہ داڑھی نکلنے تک اُن کو پردہ میں رکھا جاویگا اور داڑھی مثلاً اٹھارہ برس کی عمر میں نکلی - اب اس عمر میں وہ کیا کمالات حاصل کریں گے - شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ جس شئے کے اندر مفاسد لازم آویں تو اگر وہ شئے غیر ضروری ہے تو اُس شئے کو منع کر دیا جاتا ہے - اور اگر وہ شئے ضروری ہے تو اُسکو منع نہیں کیا جاتا ہاں اُن مفاسد کا انسداد حتی الوسع کر دیا جاتا ہے پس اسی قاعدہ کی بنا پر خروج النساء چونکہ ضروری نہیں تھا اور اُس سے مفاسد لازم آتے تھے

اسلئے اس کو روکدیا گیا۔ یعنی اُن کو پردہ میں رکھا گیا اور خروج الرجال ضروری ہے اسکو منع نہ کیا جاویگا۔ ہاں شہوت پرستوں اور نظربازوں سے اُس کو حتی الوسع بچایا جاوے گا بہرحال مقصود میرا یہ ہے کہ لڑکا ہو یا عورت ہو اپنی نگاہ کو دونوں سے بچانا چاہیئے۔ اس نظر کے گناہ کو ہم فواحش میں داخل کر سکتے ہیں۔ ماظہر میں تو عورتوں کے دیکھنے کو داخل کیا جاویگا اس لیئے کہ جو شخص کسی عورت کو دیکھتا ہے اور اُس وقت کوئی اُس کو دیکھ لے تو وہ سمجھ جاویگا کہ یہ اس کو گھور رہا ہے اور بُرا کرتا ہے اگرچہ نظر اس کی ناپاک نہ ہو۔ اور لڑکوں کے گھُورنے کو ماآبطن میں داخل کر سکتے ہیں اس لیئے کہ ان کو دیکھنے والے کو کوئی بُرا نہیں جانتا اگرچہ بُری ہی نظر ہو۔ اور نظر کے گناہ کو فواحش میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فاحشہ کہتے ہیں اُس بیحیائی کو جس کو آدمی چھپاوے جیسے قتل ہے شراب پینا ہے۔ ان کو آدمی چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے۔ اور گناہ نظر بھی ایسا ہی ہے۔ اور یوں تو ہر گناہ بیحیائی ہے۔ چنانچہ اس کی ایک دلیل ہے۔ حقتعالیٰ ازواج مطہرات کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں یانساء النبی من یأت منکن بفاحشة مبینة یضاعف لھا العذاب ضعفین فاحشہ کی تفسیر جاننے سے پہلے سُننے والے کا ذہن شاید اس طرف منتقل ہو کہ فاحشہ سے مراد نعوذ باللہ زنا ہو۔ یاد رکھو انبیا علیہم السّلام کی بیبیوں میں اس کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اسلئے جناب باری تعالےٰ کا ارشاد ہے اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ نبی خود پاک ہوتے ہیں اُن کے لئے بیبیاں بھی پاک ہی تجویز کی جاتی ہیں۔ ہاں کسی کسی نبی کی بیبیوں سے کفر ہوا ہے مگر زنا کا صدور اُن سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس سے منصب نبوت میں خلل ہوتا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انبیاء جس قدر ہوئے ہیں صاحب جاہ ہوئے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے سب معزز خاندان سے ہوئے ہیں۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ جو اثر خاندانی آدمی کا قوم پر ہوتا ہے وہ دوسرے کا نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کے اتباع سے کسی کو عار نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی آدمی کی بیوی زانیہ ہو تو اس سے تو جاہ میں قدح ہوتا ہے۔ اور اگر نماز نہ پڑھے یا کفر کرے تو اس کو عرفاً بے عزتی کا سبب قرار نہیں دیا جاتا۔ اس لئے فاحشہ سے مراد زنا تو ہو نہیں سکتا بلکہ فاحشہ مبینہ سے مراد ایذا رسانی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی اِس لئے کہ قصہ اِس کے نزول کا یہ ہوا تھا کہ ازواج مطہرات نے حضور سے زیادہ خرچ مانگا تھا - چنانچہ اول آیتوں میں اِس کی تصریح بھی ہے اِن کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا - اِس سے حضور کو تکلیف ہوئی - اور اگر فاحشہ سے مراد زنا ہوتا تو اُس کے مقابلہ میں آگے عفت کا ذکر ہوتا حالانکہ اُس کے مقابلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ الخ اور حضور کی ایذا رسانی کو بیحیائی اِس لئے فرمایا کہ ایسے محسن کو تکلیف پہنچانا بے حیائی ہی ہے اس واسطے کہ جس کے حقوق کے بہت سے مقتضی موجود ہوں اُس کے حقوق کو ضائع کرنا بے حیائی ہے - پس جبکہ حضور کے حقوق کے بہت سے مقتضیات موجود تھے اِس لئے حضور کی ایذا بیحیائی ہوئی - اور یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے گناہ تو بطریق اولیٰ بیحیائی میں داخل ہونگے - پس ثابت ہو گیا کہ ہر گناہ بیحیائی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا اطلاق اُن گناہوں پر زیادہ آتا ہے جس کو آدمی چھپاتا ہے - بہرحال شہوت کے متعلق جس قدر گناہ ہیں خدا کے لئے اُن کو چھوڑ دو اور رمضان المبارک میں تو ضرور ہی اُن سے توبہ کر لو - انشاء اللہ یہ توبہ بعد میں بھی قائم رہیگی - ایک گناہ کثیر الوقوع اور ہے وہ کیا ہے غیبت اور یہ گناہ رمضان اور غیر رمضان دونوں زمانوں میں بہت ہوتا ہے لیکن رمضان میں زیادہ ہوتا ہے اِس لئے کہ اَور کام تو کچھ ہوتا نہیں دن ختم ہونے کے لئے بیکار بیٹھے ہوئے غیبت ہی کیا کرتے ہیں اِسی واسطے میں سونے والے کو ایسے شخص سے اچھا سمجھتا ہوں اِس گناہ کو البغی میں داخل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے - اِس لئے کہ بغی کے معنے ظلم کے ہیں اور ظلم یہ ہے کہ کسی کا حق فوت کرنا - لوگ حقوق العباد بس اِس ہی کو سمجھتے ہیں کہ کسی کا پیسہ ٹکا رکھ لیا کسی کی زمین دبا لی - یاد رکھو حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں کسی کی آبرو یا جان یا مال کو لینا - پس غیبت کرنے میں مغتاب کی آبروریزی ہے - اِس لئے یہ بھی حق العبد میں داخل ہے - تیسرا گناہ کہ وہ بھی کثیر الوقوع ہے کہ پرائے حقوق واپس نہیں کرتے - گناہ کا باقی رکھنا بھی گناہ ہے - رشوت لینے والے سود لینے والے رمضان المبارک میں بھی رشوت اور سود سے توبہ نہیں کرتے - اور ایک قسم سود کی

ایسی ہے کہ اس کو سود ہی نہیں سمجھتے وہ یہ ہے کہ رہن کی آمدنی سے منتفع ہوتے ہیں۔ غلہ اس کا کھاتے ہیں۔ اگر باغ ہو تو آم کھاتے ہیں۔ بعض رشوتیں ایسی ہیں کہ ان کو رشوت نہیں جانتے بلکہ اپنا حق جانتے ہیں۔ مثلاً بڑے بڑے نذرانے لے کر مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔ رشوت کو اہل اختیار کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں اگر کسی کی سفارش کر کے کچھ لے تو اس کو رشوت نہیں سمجھتے۔ ایسے ہی قاضیوں نے نکاح خوانی کے لئے اپنے نائب مقرر کئے ہیں۔ ایک روپیہ چار آنہ ملتا ہے۔ ایک روپیہ قاضی کا اور چار آنہ نائب کے۔ ان ابواب کو لوگ رشوت نہیں سمجھتے حالانکہ یہ سب رشوت ہے۔ اس لئے کہ رشوت کی تعریف یہ ہے کہ کسی غیر متقوم شئے کے عوض میں مال لینا۔ مثلاً حکام جو لیتے ہیں وہ اگر فیصلہ حق کرتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا عبادت ہے اور وہ متقوم نہیں ہے۔ اور تنخواہ جو ان کو ملتی ہے وہ عبادت کی نہیں ہوتی بلکہ تنخواہ اس بات کی ہے کہ اس نے اپنا وقت مسلمانوں کے کام میں صرف کیا ہے اس لئے اس کا نفقہ بیت المال میں ہے۔ اور اگر اس فیصلہ کو متقوم بھی کہا جائے تو ایک مرتبہ متقوم ہو گیا ہے کہ اس کے عوض تنخواہ مل چکی ہے اب اور مال لینا یہ غیر متقوم کے عوض میں ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کے کام میں لگا ہو اس کا نفقہ اس شخص کے ذمہ ہے جیسے بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے اس لئے کہ وہ اس کے کام میں محبوس ہے۔ اسی واسطے اگر وہ نافرمانی کر کے کہیں چلی جائے تو نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مفتی عالم قاضی مدرس حاکم ان سب کی تنخواہ بیت المال میں ہے۔ اور اگر خلاف حق کے فیصلہ کیا ہے تو یہ گناہ ہے۔ اور گناہ کی تنخواہ لینا ناجائز ہے۔ اسی طرح کسی کی سفارش کرنے پر کچھ لیا جائے یہ بھی رشوت ہے۔ اس لئے کہ شفاعت عبادت ہے۔ بعض قومیں لڑکی کے نکاح پر رشوت لیتے ہیں۔ یہ بدترین فرد رشوت کی ہے۔ اسی طرح لڑکی والے لڑکے والے سے جو خرچ کی فرد دیتے ہیں اور ان سے روپیہ لیتے ہیں۔ یہ سب رشوت ہے اس لئے کہ کمینوں کا خرچ جو ان سے لیتے ہیں ان کمینوں نے ان کی خدمت کہاں کی ہے جو ان کے حق میں وہ متقوم ہو۔ اگر خدمت کی ہے تو لڑکی والوں کی کی ہے ان سے لینا چاہئے۔ اسیطرح نکاح خوانی کی اجرت جو لڑکے والوں سے دلواتے ہیں یہ

بھی رشوت میں داخل ہے - نکاح پڑھانے کی اُجرت تو فی نفسہ جائز ہے - لیکن کلام اس میں ہے کہ کون دے تو ذمہ پر اُس شخص کے ہے جس نے نکاح خوان سے عقد اجارہ کر کے اُس کو مُستاجر بنا کر لایا ہے تو وہ لڑکی والا ہے - اور پھر یہ جو رسم ہے کہ ایک روپیہ تو منیب یعنی قاضی صاحب لیں اور چار آنہ نائب صاحب - تو یہ چار آنہ (بھی) جائز تھے - اگر وہی شخص دیتا جو اُس کو اجیر بنا کر لایا ہے - لیکن اگر روپیہ تو قاضی صاحب کو بالکل ہی جائز نہیں - اِتنا فرق ہے کہ قاضی صاحب زیادہ حرام خور ہیں اور نائب صاحب کم درجہ میں ہیں - اور اگر قاضی صاحب اسواسطے لیتے ہیں کہ ہم نے اس کو نائب مقرر کیا ہے تو نائب مقرر کرنا کوئی متقوم شئے نہیں ہے جسکا عوض ہو اور ایک شرط نکاح خوانی کے جواز کی یہ بھی ہے کہ قاضی صاحب کا دباؤ بھی نہ ہو کہ ہمارے ہی آدمی سے نکاح پڑھوایا جاوے اور اُجرت اسی قدر ہو غرض نکاح خوانی کی اُجرت کے جواز میں اِتنی شرطیں ہیں کہ اُجرت دینے والا وہ ہو جس سے معاملہ ہوا ہے اور اُجرت وہ ہو جو باہم طے ہو جائے - کسی خاص مقدار کی قید نہو اور دباؤ بھی کسی کا نہ ہو - اگر یہ سب شرطیں پائی جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے - لیکن اِن شروط کی لوگ رعایت نہیں کرتے - اِس لئے یہی بہتر ہے کہ اس رسم کو بالکل چھوڑ دیا جاوے اور نکاح جس سے چاہیں پڑھوالیں - بہرحال رشوت کی سیکڑوں صورتیں ہیں سب سے پرہیز کرنا ضروری ہے - یہ سب گناہ البغی یا اثم میں داخل ہو سکتے ہیں - اور البغی کے بعد بغیر الحق قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں بغیر الحق عندک - یعنی تم اپنے قلب سے پوچھ لو - اپنا پرایا تو صاف معلوم ہو جاتا ہے جو تمہارے نزدیک ناحق ہو وہ تو اَور بھی زیادہ بُرا ہے - بعضے گناہ اَور بھی ہیں جو ان تُشرکُوا باللہ (یعنی اللہ کا شریک کرنا - اور ان تقولُوا علی اللہ یعنی اللہ پر جھوٹ باندھنا - کے اندر داخل ہیں - اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ مومنین میں نہیں ہیں کفار ہی کے اندر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار جیسے کفر کے اندر اشد تھے اِسیطرح اُن کے اندر یہ گناہ بھی اعلیٰ درجہ میں تھے - اور مومنین کے اندر بھی اُن کی حقیقت پائی جاتی ہے - گو اُس درجہ کی نہ ہو مثلاً وہ قصداً شرک کرتے تھے اور مسلمان قصداً شراک سے شرک نہیں کرتے گو لازم آجاوے

مثلاً نذر لغیر اللہ - بعضے لوگ بزرگوں کے نام کی فاتحہ دلواتے ہیں اور اُن کو حاجت روا سمجھتے ہیں - یہ بحث بہت طویل ہے اِس کے مراتب مختلف ہیں جس کو کچھ شبہ ہو تحقیق کر سکتے ہیں - اِسی طرح اور بہت سی رسوم شرکیہ ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہیں - غرض شرک کے مراتب مختلف ہیں کہ اعلیٰ درجہ اُن کا کفار میں پایا جاتا ہے اور ادنیٰ مرتبہ مومنین میں بھی متحقق ہے - اِس مقام پر ایک بات طالب علموں کے کام کی یاد آئی وہ یہ ہے کہ یہ جو فرمایا ہے وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یعنی حرام فرمایا ہے اللہ کے ساتھ ایسی شئے کے شریک کرنے کو جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری اِس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ اگر دلیل اُتارتے تو شرک جائز ہوتا حالانکہ شرک قبیح لعینہ ہے اُس میں کسی وقت بھی احتمال جواز کا نہیں ہے - سو بات یہ ہے کہ مقصود یہ ہے کہ بندہ کو چاہیئے کہ جو کام کرے وہ کام ایسا ہو کہ اُس پر دلیل موجود ہو اور شرک جما لو دلیل لہ سے ہے بلکہ اُس کے خلاف کے دلائل بکثرت موجود ہیں - پس ایسا کام کرنا جس پر دلیل نہ ہو یہ تو بُرا ہے ہی ایسا کام کرنا اور بھی زیادہ بُرا ہے جس کے خلاف پر دلائل ہوں پس ما لم ینزل بہ سلطانا کنایہ ہے اِس بات سے کہ اس کے خلاف پر دلائل ہیں - یہاں پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے کہ بہت سے احکام قیاسیہ و مجتہد فیہا بلکہ کل ایسے ہی ہیں کہ اُن کی اللہ تعالیٰ نے دلیل نہیں اُتاری پس اِس سے منکرین قیاس اچھی خاصی طرح استدلال کر سکتے ہیں - جواب یہ ہے کہ سلطاناً عام ہے اِس لئے کہ نکرہ ہے اور تحت میں نفی کے ہے پس معنی یہ ہیں مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ما ای لا خاصا بہ ولا یرجع الیہ والاحکام. القیاسیۃ وان لم ینزل بہ سلطانا خاصا بہ ولکن نزل بہ سلطانا مما یرجع الیہ ای النص المقیس علیہ ولھذا قالوا القیاس مظھر لا مثبت اور یہاں سے جواب ہو گیا اُس شبہ کا بھی جو لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ سے ابطال قیاس پر استدلال کیا کرتے ہیں کہ جس کا علم یقینی نہ ہو اُس کے درپے نہ ہونا چاہیئے اور احکام قیاسیہ ظنی ہیں - تقریر جواب کی یہ ہے کہ علم نکرہ ہے اور تحت میں نفی ہے پس فائدہ عموم کا دے گا - مطلب یہ ہو ولا تقف ما لیس لک بہ علم

ؔ اور مت پیچھے لگ اُس شئے کے جسکا تجھ کو علم نہ ہو ۔

یعنی اُس بات کی پیروی نہ کرو جسکا کسی درجہ میں علم نہ ہو۔ یقین کے درجہ میں اور نہ ظن کے۔ اور یہاں سے ایک اَور آیت کی بھی تفسیر اور ایک شبہ کا جواب ہوگیا وہ یہ ہے کہ منکرین قیاس آیت وَاِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ سے بھی ابطال قیاس پر استدلال کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیاس بھی ظنی ہے اُس کا اتباع کرنا بھی قابل ملامت و شکایت ہوگا تقریر جواب کی یہ ہے کہ جس ظن کے اتباع کی شکایت ہے وہ وہ ظن ہے کہ بنفسہ و باصلہ ہرطرح ظن ہو یعنی نہ خود یقینی ہو اور نہ وہ یقینی ہو جس کی طرف راجع ہے باقی جو کسی قطعی کی طرف راجع ہو گو راجع ہونا اُسکا محض ظنی ہو وہ اِس سے خارج ہے۔ اور قیاس میں یہی ہے کہ مقیس علیہ تو فی نفسہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ اگرچہ طریق اُسکا ظنی ہو اور اتباع اُسی کا مقصود ہے۔ باقی راجع ہونا اِس حکم قیاسی کا اس اصل کی طرف یہ ظنی ہے۔ اور اُس کے ظنی ہونے سے کچھ اعتراض لازم نہیں آتا۔ اور ایک جواب اَور ہے وہ یہ ہے کہ ظن کے معنے وہ نہیں ہیں جو ملاحسن اور قاضی میں لکھے ہیں یعنی الطرف الراجح اِس لئے کہ قرآن شریف تو لغت عرب میں نازل ہوا ہے۔ عرب ظن کا اطلاق وہم اور جانب مغلوب پر بھی کرتے تھے۔ چنانچہ آیت اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا میں ظن سے وہم مراد ہے۔ اِس لئے کہ یقینی بات یہ ہے کہ اُن کو قیامت کا ظن بمعنے معروف نہیں تھا۔ پس ان یتبعون الا الظن میں بھی ظن کے یہی معنی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ وہم پرستی میں مشغول ہیں۔ خیر یہ ایک طالب علمی تحقیق تھی اسی طرح تقول علی اللہ کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ اعلیٰ درجہ تو اُسکا کفار میں پایا جاتا ہے اور ادنیٰ درجہ اُسکا بدعات ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہیں۔ اور اِنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں اِسلئے داخل ہیں کہ اُن کو عبادت سمجھ کر کرتے ہیں تو گویا لسان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتلائی ہیں۔ منجملہ اُن بدعات کے رمضان کی بدعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ منجھلے روزہ کو افضل سمجھتے ہیں اور اُس کے کچھ احکام بھی تراش رکھے ہیں جو سب بدعات ہیں۔ اسیطرح یہ مشہور ہے کہ شب برات کے حلوے سے اگر پہلا روزہ افطار کیا جائے تو بہت ثواب ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ مولوی عبدالرب صاحب واعظ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ حلوے کی تین قسمیں ہیں ایک اب کا ایک جیب کا ایک تب کا۔ اب کا تو گڑ کا ہے جو مسجد کے طاقوں

اور موذ نوں کا ہے۔ اور جیب کا لنگر سفید کا ہے وہ خالہ اماں کے یہاں اور پھوپھی اماں کے یہاں جاویگا۔ اور تب کا وہ مصری کا ہے وہ کس کے لئے ہے وہ اپنے لئے ہے اُس سے پہلا روزہ افطار کیا جاویگا۔ واقعی انہوں نے بات بڑی بچی کہی اور لقب بھی خوب تراشے ہیں۔ اسلئے کداب قریب کے لئے ہے اور جیب بعید کے لئے اور تب ابعد کے لئے بولتے ہیں۔ واللہ خوب ہی لطیفہ ہے۔

ایک اور اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی افطاری سے روزہ نہ کھولو سارا ثواب اُسی کو ملجاوے گا۔ غرض اس قسم کی بہت سی بدعات ہیں جو اِنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں داخل ہو سکتی ہیں۔ پس یہ چند گناہ ہیں کہ جن کو اہتمام سے رمضان المبارک میں چھوڑ دیا جاوے اور آیندہ کے لئے بھی عزم رکھا جاوے کہ ترک کردینگے۔ بطور فہرست کے مختصراً پھر عرض کرتا ہوں اسلئے کہ بیان طویل ہوگیا ہے شاید یاد نہ رہے ہوں۔ نگاہ کا گناہ۔ زبان کا گناہ۔ ناجائز آمدنی۔ نذر و نیاز جو شرک ہو۔ بدعات و رسوم۔ پیٹ کو حرام سے بھرنا۔ مقصود میرا یہ ہے کہ یوں تو ہر زمانہ میں یہ چیزیں چھوڑنے کے قابل ہیں لیکن خدا کے لئے رمضان المبارک کے یہ گنتی کے دن ہیں ان میں تو چھوڑ دو۔ چند روز کے لئے نگاہ سے زبان سے پیٹ سے مصالحت کرو۔ اگر رمضان میں آپ ان گناہوں کے ترک کے خوگر ہو گئے تو انشاءاللہ تعالیٰ رمضان بعد بھی اگر کچھ بھی ہمت کرو گے تو وہ تو یہ نہ ٹوٹیگی۔ اور آپ کو ان گناہوں کے ترک میں کوئی عذر نہیں۔ البتہ پیٹ کی حرام آمدنی سے حفاظت کرنے کی نسبت تم کہو گے کہ میاں یہ تو بیڈھب بات ہے تم تو ہم سے جائداد اور موروثی زمین اور رہن چھڑانے لگے۔ اگر ہم نے یہ چھوڑ دی تو ہمارا گذر کیسے ہوگا ہم کہاں سے کھائینگے یہ تو سخت مشکل ہے بات یہ ہے کہ اس کا مشکل ہونا یہ تو تمہارا وہم اور خیال ہے تم نے مشکل سمجھ لیا ہے مشکل ہوگیا۔ واقع میں کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کہاں سے کھائینگے کیا جن کے یہاں یہ ابواب آمدنی کے نہیں ہیں وہ بھوکے مرتے ہیں۔ یہ سب نفس کے حیلے ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ صاحب کچھ ہو یہ چیزیں تو ہم سے چھوٹتی نہیں تو خیر میں اُن سے اخیر درجہ یہ کہتا ہوں کہ خیر تم چھوڑ دو یا نہ چھوڑو لیکن اتنا تو کرو کہ صرف رمضان رمضان کے لئے پیٹ کی حفاظت کرلو اور اسکی صورت یہ ہے کہ کہیں سے دس روپیہ

مثلاً قرض لیلو اور سب چیزیں رمضان المبارک میں کھانے کے لئے اسی روپیہ سے لاؤ۔
رمضان رمضان تو حلال روزی کھالو۔ مَیں یہ خوب جانتا ہوں کہ وہ قرض تم حرام آمدنی
سے ادا کروگے کہ یہ بھی بُرا ہے مگر کیا کروں میرا جی گوارا نہیں کرتا کہ تم رمضان المبارک
میں اسقدر تو مشقت گوارا کرو کہ جو چیزیں حلال ہیں کھانا پینا وہ تو چھوڑو اور تمام دن
بھوکے پیاسے رہو اور پھر حرام آمدنی سے روزہ جیسی مبارک عبادت کو افطار کرو۔
واللہ میرا جی دُکھتا ہے اِس لئے میں کہتا ہوں کہ خدا کے لئے رمضان کو اِس طور سے
گذار دو کہ نگاہ۔ زبان۔ پیٹ کو گناہ سے بچاؤ۔ لیجئے اب تو آپ کے پاس کوئی عذر
نہیں ہے۔ اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اُس بُت کو خدا سمجھے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے
کہ رمضان المبارک کسی شخص کا جس حالت سے گذرتا ہے پھر اور دنوں میں اُس کی وہی
حالت رہیگی۔ پس اگر آپ اپنا تمام رمضان اِس طور سے گذاروگے تو انشاءاللہ تعالےٰ
بعد رمضان کے اِسی کی عادت ہو جائیگی۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ
سے دُعا کرو کہ حق تعالےٰ عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

آمین یارب العالمین

حضرت مولٰنا ممدوح کی دیگر تالیفات اور نیز حضرت مولٰنا رشید احمد صاحب
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہم
اور حضرت مولٰنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولٰنا خلیل احمد
صاحب مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ اور حضرت مولٰنا محمود حسن صاحب دیوبندی
کی تالیفات اور دیگر کتب درسیہ و دینیہ پتہ ذیل سے طلب فرماویں

مولوی محمد یحیی صاحب مدرس و تاجر کتب دینیہ مدرسہ مظاہر علوم

سہارنپور

التہذیب نمبر ۳

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	من اشان	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ نافع ہے	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۱۴ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ	۳ گھنٹہ ۲۵ منٹ	بیٹھکر	رمضان المبارک کیوجہ سے	تراویح اور قرآن کے حقوق	عامۃ	محمد عبد السمیع عفی عنہ گنگوہی	۵۰۰	اہل علم وطلبہ کم عوام زیادہ تھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لَیْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ

آج سے دو جمعہ قبل ایک مبسوط تقریر میں بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص خاص حکمتوں کے واسطے دو قسم کی عبادتیں مشروع فرمائی ہیں ایک روزہ اور دوسرے تراویح جس میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ وہ مصلحتیں اور حکمتیں جب مرتب ہوتی ہیں جبکہ ان دونوں عبادتوں کے حقوق ادا کئے جاویں۔ اور ہر ایک کے جدا جدا حقوق ہیں۔ روزہ کے حقوق ادا کرنے سے اُس کی غایات خاصہ مرتب ہوتی ہیں اور کچھ حقوق تراویح کے ہیں۔ اور چونکہ اُس میں قرآن مجید خواہ پورا ختم یا اُس کے بعض اجزاء

پڑھے جاتے ہیں۔ اِس قرآن خوانی کے اعتبار سے بھی اُس تراویح کے کچھ حقوق ہیں جو اُس کے منافع جب ہی مرتب ہونگے کہ وہ حقوق ادا کئے جاویں۔ یہ مضمون تو دو جمعہ پہلے بیان کیا گیا تھا۔ اور اس سے پہلے جمعہ میں مضمون سابق کی تتمیم اور تکمیل کے لئے روزہ کے منکرات کو بیان کیا تھا۔ آج وہ حقوق بیان کرنا ہے کہ جو متعلق نماز یعنی تراویح کے ہیں اور نیز روزہ کی طرح اُن منکرات کا ذکر بھی ضروری ہوگا کہ جو لوگوں نے اپنی طرف سے اُس میں شامل کر لئے ہیں۔ اس میں بعض منکرات وحقوق وہ ہونگے جن کا تعلق مطلق نماز سے ہے۔ اور بعض وہ ہونگے جو تراویح کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں غرض بعض مضامین وہ ہونگے جو خاص رمضان المبارک کے متعلق ہیں اور بعض عام۔ اسیطرح تراویح کے ضمن میں جو قرآن مجید کے متعلق حقوق ومنکرات بیان کئے جاویں گے بعض اُن میں مطلقاً قرآن پڑھنے کے متعلق ہونگے اور بعض وہ مضامین ہونگے جو رمضان المبارک سے علاقہ رکھتے ہونگے۔ یہ حاصل ہوگا آج کے بیان کا۔ یہ بات بھی اوّل ہی سمجھ لینے کے قابل ہے کہ اگرچہ دونوں قسم کے حقوق بیان کئے جائینگے۔ تراویح کے بھی اور قرآن کے بھی لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ مقصود اعظم اِن دونوں میں کیا ہے۔ اِسلئے کہ شریعت میں فرق مراتب کا معلوم کرنا اور اُسکا لحاظ ہر شئے میں رکھنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے یعنی جیسے عمل مقصود ہے اسیطرح بعض علوم بھی مقصود ہیں۔ پھر اُنکی مقصودیت دو طرح سے ہے۔ بعض علوم تو عمل کے لئے مطلوب ہیں اور بعض علوم وہ ہیں جو باعتبار علم ہی کے مقصود ہوتے ہیں۔ بس سمجھنا چاہیے کہ قرآن مجید کے حقوق کے اندر دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو نفس قرارت کہ جس کے بدون نماز نہیں ہوتی اسکے اعتبار سے جو حقوق ہونگے وہ تو حقوق صلوٰۃ میں مندرج ہو جاوینگے۔ اِس کے اعتبار سے فرق بیان کرنا مقصودیت نماز ومقصودیت قرآن میں مقصود نہیں ہے۔ دوسرے رمضان کی تراویح کے اندر جو قرآن ختم کیا جاتا ہے جسکے بدون نماز ہو جاتی ہے اسکے اعتبار سے فرق مذکور بیان کرنا منظور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید جو نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے اُسمیں مقصود کیا ہے تراویح مقصود ہے یا قرآن مجید اور وجہ اِس فرق بیان کرنے کی یہ ہے کہ اِسکا اثر عمل پر پڑتا ہے چنانچہ اکثر لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مقصود ختم قرآن ہے اسیواسطے رمضان المبارک میں نماز کی بُری گت بنتی ہے حتی کہ اُسکا اثر فرض پر بھی پڑتا ہے کہ وقت سے پہلے یا مستحب وقت سے پہلے فرض

عشا کے ہوتے ہیں اسلئے کہ اہتمام اسکا ہوتا ہے کہ جلدی ختم ہو جائے تو جلدی مسجد سے بھاگو۔ صاحبو مسجد میں جی نہ لگنا بُری علامت ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے المؤمن فی المسجد کالسمک فی الماء یعنی مومن مسجد میں ایسا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔ جیسے مچھلی کو پانی سے الگ کرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور پانی میں رہنے سے اسکی حیات ہے ایسے ہی مومن کا حال مسجد کے ساتھ ہے۔ اور المنافق فی المسجد کالطیر فی القفس یعنی منافق مسجد میں ایسا ہے جیسے پرندہ پنجرہ میں یعنی جیسے پرندہ پنجرہ میں پھڑپھڑاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلدی نکل جاؤں۔ ایسے ہی منافق کا جی دل مسجد سے اکتاتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح جلدی خلاصی ہو۔ اور بہانہ یہ ہوتا ہے کہ جلدی سوئینگے لیکن یہاں سے جا کر گھنٹوں حقے پیتے ہیں اور ایسے لوگوں نے ایک لطیفہ یاد کر رکھا ہے کہ کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ نماز میں نیند کیوں آتی اور ناچ میں کیوں نہیں آتی فرمایا کہ پھولوں پر نیند آیا کرتی ہے اور کانٹوں پر نہیں آتی۔ نماز میں روح کو راحت ہوتی ہے اسلئے نیند آجاتی ہے۔ اور ناچ چونکہ خلاف شریعت ہے اسلئے اسمیں اگر کبھی جگہ ابتلا ہو جائے تو روح کو کلفت ہوتی ہے اسلئے نیند نہیں آتی۔ گویا ان حضرت کا مطلب ہے کہ ہم بھی اس قابل ہیں کہ نماز میں اُن کو راحت ہوتی ہے۔ یہ لطیفہ کسی صاحب حال کے معالجہ کے اعتبار سے ٹھیک ہو گا لیکن ہم سے والوں کے حق میں تو درست نہیں۔ ہم لوگوں کے اندر اس کی وجہ اور ہے وہ یہ ہے کہ جس شئے کے اندر ہمارا جی لگا کرتا ہے تو اُس میں ہم سر تا پا مشغول ہو جاتے ہیں اور تمام حواس بھی اُسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس لئے نیند اُڑ جاتی ہے۔ اور نماز میں تمام حواس اسطرف متوجہ نہیں ہوتے اور نیند بھی اُڑانیوالی توجہ ہی تھی۔ اور کوئی اور کام بھی اسوقت نہیں ہوتا اس لئے نیند آجاتی ہے۔ باقی اُن بزرگ نے کسی خاص شخص کی حالت کے اعتبار سے فرمایا ہے اور حقیقت اُس کی یہ ہے کہ سالکین کو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے۔ اور بعض مرتبہ وہ یکسوئی اسقدر بڑھتی ہے کہ وہ نیند تو نہیں ہوتی مگر مشابہ نیند کے اسباب میں ہوتی ہے کہ جیسے نائم کو اس عالم سے غیبت ہو جاتی ہے ایسے ہی اُس ذاکر کو بھی ہو جاتی ہے اس حالت کا نام استغراق ہے۔ چنانچہ اُسکے نیند کے مشابہ ہونے پر مجھے حکایت یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون میں رہ کر دو شغل فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ

ایک مرتبہ حضرت اپنے حجرہ میں مراقب بیٹھے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک سوار فوجی کو جو مہمان آئے تھے ارشاد فرمایا کہ جاؤ مولانا کو بلا لاؤ۔ انہوں نے آکر دیکھا تو حضرت کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھیں بند۔ بیچارہ فوج کا آدمی اسکو کیا خبر یہ کیا کر رہے ہیں۔ جاکر عرض کیا کہ حضرت وہ تو تول رہے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب سمجھ گئے کہ مشغول ہیں پھر نہ بلایا۔ اور حضرت کا مولانا کو نہ بلانے کا راز ایک بزرگ کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص مشغول مع اللہ کو اپنی طرف مشغول کرے ادرکہ المقت فی الوقت۔ یعنی اسکو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضی لاحق ہوتی ہے۔ بڑی زیادتی اور بے احتیاطی کرتے ہیں وہ لوگ جو کسی مشغول باللہ کو اپنی طرف متوجہ کریں۔
اکثر لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں اور انکو مشغول پاتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ انکو اپنی طرف متوجہ کریں تو ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دل بٹ جاوے۔ کیا کرتے ہیں بعضے تو السلام علیکم پکار کر کرتے ہیں۔ یاد رکھو جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہو یا ذکر و شغل میں مشغول ہو اسکو سلام مت کرو۔ جاکر دیکھو کہ وہ کس حالت میں ہیں اگر سلام کا موقع ہو تو سلام کرو ورنہ چپکے سے ایسے طور سے بیٹھ جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی بھی خبر نہ ہو۔ جب میں جلسہ دیوبند میں گیا تو علیل تھا بلکہ ارادہ بھی جانے کا نہ تھا۔ ایک بار نماز کے وقت باجازت امام نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر جانے لگا راہ میں وہاں مصافحوں کا جو ہجوم ہوا مصافحے کرتا کرتا حیران ہوگیا۔ خیر جوں توں کر کے مصلے کے قریب پہنچ گیا تو دوسری صف میں سے ایک شخص نے نکلکر ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور مصافحہ کر کے چھوڑ دیا
ایک بار وطن میں بعد نماز کے کچھ اوراد مصلے پر بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص سپاہی سا آکر کھڑا ہوگیا اور با آواز بلند پشت کیطرف کہا کہ مصافحہ۔ میں نے کہا وظیفہ۔ اور بعض کیا کام کرتے ہیں حلق سے کام لیتے ہیں یعنی کھانستے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم آئے ہیں وظیفہ چھوڑ کر ہم سے باتیں کرو۔ بعض ہاتھوں کی آہٹ سے کام لیتے ہیں۔ بعضے پاؤں کو زمین پر مارتے ہیں۔ جو شخص کہ مشغول ہو اسکو جب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میرا منتظر ہے اسکا دل بٹ جاتا ہے اور دل پر بوجھ ہوتا ہے۔ اور بعضے جو بہت ادب سے کام لیتے ہیں وہ چپکے سے ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں مگر بیٹھتے ہیں ایسی جگہ کہ اس مشغول شخص کی نظر بار بار پڑے۔ یاد رکھو اگر انتظار کرنا ہو تو ایسی جگہ بیٹھو جہاں اسکو خبر بھی نہ ہو۔ جب دیکھو کہ اب

فارغ ہو گئے ہیں اُسوقت ملو۔ ہاں خدانخواستہ اگر کوئی مرتا ہو یا کوئی کنوے میں گرتا ہو تو اُسوقت وظیفہ تو الگ رہا فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ معمولی بات کے لئے اکثر حرج کراتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس آیا میں کچھ پڑھ رہا تھا میں اُٹھکر گیا کہ کیا ہے کہو کہنے لگا تبیج (تعویذ) چاہیئے۔ پوچھا کا ہے کا۔ کہا بکھار آوے (بخار آتا ہے) مجھے ایک تعویذ کے واسطے اُس بندہ خدا نے میرا حرج کیا۔ میں صبح کو اپنی مصلحت سے جنگل چلا جاتا ہوں بعض حضرات وہاں ہی پہونچتے ہیں۔ بعض حضرات ایک اور حرکت کرتے ہیں وہ وہ ہیں جو ذرا بزرگ ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ بیٹھ تو جاتے ہیں الگ ہی لیکن قلب سے اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر کسی کا شیخ صاحب کشف نہ ہو تو اسکا کچھ حرج نہیں۔ اور اگر وہ صاحب کشف ہے تو اسکو ادراک ہوگا کہ کوئی شخص میری طرف متوجہ ہے اُسکو تکلیف ہوگی۔ ایک شخص ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں آئے اُس وقت حضرت بالاخانہ پر تشریف رکھتے تھے۔ وہ شخص حضرت کا خیال کرکے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت آ رہے ہیں۔ اسطرف نظر اہل تحقیق کی پہونچتی ہے وہ اس سے بچتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص یہاں آئے اور آکر ٹٹولنے لگے یعنی مراقب ہوئے کہ دیکھیں حضرت کی نسبت کس درجہ کی ہے۔ حضرت سیدھے ہو بیٹھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا الآیۃ اور فرمایا قال اللّٰہ تعالیٰ لَا تَجَسَّسُوْا۔ فرمایا کہ یہ بھی تجسس حرام کے اندر داخل ہے۔ یہ چوروں کی طرح گھسنا کہاں جائز ہے اور فرمایا کہ میاں جو چھپانے والے ہوتے ہیں ہزار ٹکریں مارا کرو وہ پتہ بھی نہیں دیتے۔ اُنہوں نے فوراً پاؤں پکڑ لئے اسیطرح تصرف سے کسی سے کچھ وصول کرنا یہ بھی حرام ہے۔ بعض اہل تصرف اس کو بزرگی سمجھتے ہیں کہ کسی کیطرف متوجہ ہو گئے کہ یہ شخص ہم کو پانچسو روپیہ دے گا۔ تصرف کے اندر یہ اثر ہے کہ اُس شخص کا قلب مغلوب ہو کر متاثر ہو جاتا ہے اور وہ وہ ہی کام کرتا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حلال ہے حالانکہ حرام ہے ع۔ اور ایسا ہی حرام ہے جیسے کسی کو مار کر کچھ چھین لیا جاوے۔

ع (شبہ) فقہی عبارت بھی اسمیں اگر کوئی لجائے تو بہتر ہے ورنہ بظاہر فتویٰ کی رو سے جائز معلوم ہوتا ہے گو تقویٰ کے خلاف ہو اور اگر ناجائز ہو تو کسی صاحب ریاضت کو دیکھ کر جو ایک انتہا کشش انکی طرف ہوتی ہے اگرچہ وہ صاحب ریاضت تصرف نہ کرے اور اُس کشش کے غلبہ سے کچھ وہ انکی خدمت کرے۔ بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲

اور ایسے ڈنے ہونے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعد میں آدمی پچھتاتا ہے - ایک فقیر صاحب تصرف تھا وہ کچھ پڑھ کر پیشانی پر مٹی لگا لیتا تھا - پھر جس بات کا وہ خیال کرتا تھا اُسی طرح لوگ کرتے تھے - ایک مرتبہ وہ ایک انگریز کے پاس گیا - اُس انگریز نے اُس کی صورت دیکھتے ہی خانساماں کو حکم دیا کہ اسکو سو روپیہ دیدو - جب وہ چلا گیا تو بہت پچھتایا کہ یہ میں نے کیا کیا - فوراً خانساماں سے کہا کہ اسکو پکڑو - جب وہ آیا صورت دیکھتے ہی کہا کہ اُسکو وہ سو روپیہ دیدو کچھ نہ کہو - پھر وہ چلا گیا تو نادم ہوا - پھر خانساماں سے کہا کہ اسکو پکڑو - جب وہ سامنے آیا پھر یہی کہا - تیسری بار میں خانساماں نے کہا کہ آپ تو دق کرتے ہیں آپ لکھ دیجئے - چنانچہ اُس نے سو روپیہ دینا اُس سے لکھوا لیا اُسوقت وہ نادم تو ہوا لیکن چونکہ لکھ چکا تھا اسلئے کچھ نہ بولا - پس اسطرح کسی کا مال لینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے لٹھ مار کر لینا - ہمارے حافظ صاحب جناب حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہید کے صاحبزادہ حافظ محمد یوسفؒ صاحب مرحوم بھی صاحب نسبت تھے اور بھوپال میں تحصیلدار تھے - ایک صاحب تصرف فقیر یہ سمجھ کر کہ یہ تو ایک تحصیلدار ہیں اُن کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا - اُن کو معلوم ہو گیا فوراً یہ شعر پڑھا ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنوں		کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱) اور جب وہ اثر نہ رہے تو پچھتائے - اسلئے کہ اس کی محبت تو قلب میں راسخ نہیں ہے تو چاہئے یہ بھی ناجائز ہو ورنہ مابہ الفرق کیا ہے ۱۲ جامع

الجواب فقہی روایت اسکی مؤید وہ ہے جو کتاب الحظر والاباحۃ میں کتب فتاوی میں لکھی ہے کہ زوجہ کو تعویذ حُب کا زوج کے لئے حرام ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ اسکے اثر سے زوج کو ایسے امر کے لئے مغلوب کرنا ہے جو اُسپر واجب نہیں یہی علت یہاں بھی ہے - پس اشتراک علت سے حکم مشترک ہوگا اور صاحب تشبہ کے مقیس علیہ میں اور اس میں فرق ظاہر ہے کہ اُس مقیس علیہ میں اس صاحب ریاضت نے نہ اسکا قصد کیا نہ اس کو اسکا علم اور مدار تکلیف یہی دو امر ہیں اور مقیس میں خود قصد کیا ہے جو مسبوق بالعلم ہوتا ہے اور اگر مقیس علیہ میں بعد میں علم ہو جاوے کہ دینے کے بعد پچھتایا ہے تب بھی واپس کرنا واجب نہیں - کیونکہ شرط علت طیب قلب وقت الاعطاء ہے بعد میں اُسکا بقا ضروری نہیں - البتہ مروت و ہمت اسی میں ہے کہ واپس کردے - چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی اعرابی نے ہدیہ دیا آپ نے اُسکا بہت سا بدل دیا مگر وہ راضی نہ ہوا - مگر آپ سے یہ منقول نہیں کہ واپس فرمایا ہو - اس سے تو عدم وجوب واپس کا ثابت ہوا - اور آپ چونکہ بدل دے چکے تھے جو حکم مبدل ہے اُس سے واپسی کا اقرب الی الہمت ہونا معلوم ہوا

۱۲ اشرف

حافظ صاحب کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ وہ تڑپ کر گر پڑا اور کہا کہ حضور میں تو آپ کا ہی شغال انجمن ہوں۔ حافظ صاحب نے اسکو نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ توبہ کرو کس خرافات میں مبتلا ہو اتباع سنت کرو بڑی شئے اتباع سنت ہے۔ تصرف کوئی شئے نہیں ہے۔ اور یاد رکھو جو عمل ہاتھ پاؤں سے ناجائز ہے وہ قلب سے بھی ناجائز ہے۔ بعض لوگ تسخیر کے لئے عمل کیا کرتے ہیں یہ بھی حرام ہے۔ اور اگر کسی بزرگ کو دیکھا ہو کہ وہ میاں بیوی میں محبت ہونے کے لئے عمل کرتے ہوں تو وہ اس درجہ کا عمل کرتے ہیں جس سے میاں حقوق واجبہ ادا کرنے لگے۔ یہ نہیں کہ وہ مغلوب الحواس ہو جائے۔ بزرگوں کے پاس تسخیر کا عمل تو تہذیب اخلاق ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی تسخیر نہیں جس کی نسبت کسی نے کہا ہے ؎

اخلاق سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے	خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

جو خدا کا مطیع ہوتا ہے وہ سب کا محبوب ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ غصہ بھی کرتا ہے تو اس کی سب سہتے ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ مزاج کے تیز تھے اور جذب بھی تھا۔ وزیر حیدرآباد آئے حکم دیدیا کہ نکالو۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت وزیر ہیں فرمایا میں کیا کروں جو وزیر ہے۔ جب بہت اصرار کیا تو یہ فرمایا کہ اچھا دو بجے رات تک رہنے کی اجازت ہے۔ حیدرآباد کے امراء بھی اللہ اکبر بزرگوں کے بہت ہی معتقد ہوتے ہیں۔ اس شخص نے باوجود وزیر ہونے کے برا نہیں مانا اور دو بجے رات کو چلدیا اور یہ کہا کہ بھائی اب مولانا کا حکم نہیں ہے۔ تو یہ کیا بات تھی ان کے کہنے سے کیوں برا نہ مانتے تھے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کا جو کام ہے اللہ کے واسطے ہے۔ نفس کے واسطے نہیں ہوتا نرمی کریں جب اور سختی کریں تب۔ جو بات ہے وہ سب اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اور حقتعالیٰ سب کے محبوب حقیقی ہی ہیں آپنے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ معشوق اگر گالی دے یا گھونسہ مارے تو عاشق نے برا مانا ہو بلکہ گھونسے کھانے میں بھی مزہ آتا ہے۔ اور عاشق یہ کہتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت	سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اس لئے یہ بھی سب کے محبوب ہیں اسلئے ان کے سب حرکات بھی محبوب ہیں اور اسی واسطے جسقدر اہل کمال ہیں ان کے کمالات کے تذکرہ کرنے میں تو لذت آتی ہے مگر اہل اللہ کے ہنسنے اور رونے اور بیٹھنے اور سونے کے تذکرہ میں بھی مزہ آتا ہے ان کی

سب حرکات میں محبوبیّت کی شان نظر آتی ہے جسکا راز اصلی یہ ہے کہ یہ حقتعالیٰ کے محب اور محبوب ہوتے ہیں۔ پس اصل تسخیر تو یہ ہے۔ اور تسخیر کے عمل کو وہ حرام جانتے ہیں۔ بہرحال جو شخص مشغول ہو اُس کی طرف قلب سے بھی متوجہ نہ ہونا چاہیئے۔ یہ وجہ تھی اور یہ راز تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا کو پھر نہیں بُلایا۔ پس وہ حالت مشابہ نیند کے ہوتی ہے اور یہ سالکین شاغلین کو پیش آتی ہے۔ پس ایسی حالت والوں کے اعتبار سے وہ نکتہ چل سکتا ہے۔ باقی ہم لوگوں کو نیند آنے کی یہ وجہ نہیں۔ نیند تو آتی ہی اسباب طبیہ کی وجہ سے فرق اِتنا ہے کہ نماز میں تو کوئی شئے دافع نوم موجود نہیں ہے اور ناچ رنگ میں موجود ہے۔ حاصل یہ ہے کہ لوگوں کا نماز میں جی نہیں لگتا۔ اور یہ کچھ تراویح کے ساتھ خاص نہیں۔ بعض لوگ جامع مسجد میں سب سے پہلے آتے ہیں لیکن بیٹھتے ہیں سائبان میں ہوا کے واسطے۔ یہ اِتباع ہوا ہے جسکی نسبت داؤد علیہ السلام جیسے پیغمبر کو یہ ارشاد ہے وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ بعض لوگ اِس مصلحت سے بھی باہر بیٹھتے ہیں کہ جلدی سے بھاگ جاویں اِس لئے کہ شاید ہمارے پیچھے کوئی ایسا شخص نیت باندھ لے کہ قرنطینہ ہی ہو جائے۔ اِس لئے بس امام نے سلام پھیرا اور چلدئے۔ ایک آغا صاحب اپنے نوکر کے ساتھ شرط باندھکر نماز پڑھا کرتے کہ دیکھیں پہلے کون فارغ ہو۔ ایک ظریف صاحب نے دیکھ کر کہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور قرارت تو تم گھر پڑھ لیتے ہو یہاں خالی اُٹھنا بیٹھنا رہ جاتا ہے۔ اور تراویح میں تو خصوصیّت سے اہتمام کرتے ہیں کہ جلدی فراغت ہو اسیواسطے بہت جلدی کھڑے ہوتے ہیں اور اس جلدی کھڑے ہونے میں تین حالتیں ہیں بعض جگہ تو اذان بھی وقت پر ہوتی ہے اور فرض و تراویح بھی وقت پر ہوتے ہیں خیر اتنی جلدی تو قابل شکایت نہیں گو دلیل بے رغبتی کی ہے۔ اور بعض جگہ اذان ہوتی ہے وقت سے پہلے اور فرض و تراویح وقت پر ہوتے ہیں۔ اور بعض جگہ نہ اذان وقت پر ہو اور نہ فرض وقت پر۔ یہ لوگ اپنے نزدیک حسب دیکھ لیتے ہیں کہ سُرخی غائب ہوگئی بس اذان کہہ دیتے ہیں حالانکہ امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ سُرخی کے بعد جو سفیدی ہوتی ہے جب وہ غائب ہو جائے اُسوقت عشاء کا وقت آتا ہے۔ اور ریاضی کے قاعدہ سے بھی امام صاحبؒ کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ دیکھنا اِسبات کا ہے کہ شفق کی حقیقت کیا ہے سو شفق واقع میں اثر ہے قرب آفتاب کا

اُفق سے یہ نور اُسکی شعاعوں کا ہے اور شفق اُسوقت ہوتی ہے۔ جبکہ آفتاب اُفق سے اٹھارہ درجہ پر ہو۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شفق دو وقت ہوتی ہے طلوع سے پہلے اور غروب کے بعد صبح میں سب کا اتفاق ہے کہ سفیدی کے بعد صبح ہو جاتی ہے اور سدات ختم ہو جاتی ہے پس وہ سفیدی دلیل نہار کی ہے۔ پس اسیطرح غروب کے بعد بھی سفیدی اثر نہار کا اثر ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ہر موسم میں تقریباً برعایۃ الاحتیاط غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ سفیدی غروب ہوتی ہے۔ پس غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد کم ازکم عشا کی اذان ہونا چاہیئے۔ اور نیز اذان اور نماز میں کچھ فصل بھی ہونا چاہیئے۔ کم ازکم آدھ گھنٹہ کافی ہے۔ پس غروب سے پُورے دو گھنٹہ بعد عشا کے فرض ہونا چاہیئے۔ اور اس سے پہلے کھڑے ہونا تعجیل غیر مناسب ہے بعضے پڑھے جن ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نیک کام میں جلدی کرنا چاہیئے۔ اجی حضرت نیک کام میں سرعت آئی ہے جس کی نسبت یسارعون فی الخیرات آیا ہے۔ سرعت اَور شے ہے اور تعجیل اور شئے۔ سرعت کہتے ہیں التقدم فیما یجوز التقدم فیہ کو اور تعجیل کے معنی ہے التقدم فیما لا یجوز التقدم فیہ۔ اُس کی نسبت العجلۃ من الشیطان آیا ہے۔ آج کل مجتہد بہت پیدا ہوئے ہیں۔ ایسے ہی ایسے مجتہدوں نے دین کو خراب کیا ہے۔ اور ایسے ایسے مجتہد ہزاروں ہیں۔ اور اُن کے القاب بھی عجیب عجیب ہیں۔ کوئی لیڈر ہے کوئی ریفارمر کہلاتے ہیں ایسوں ہی کی نسبت جو کہ شرائع میں تحریف کرتے ہیں کسی نے کہا ہے ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند		ایچنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

ناس کر دیا ہے ان خیر خواہوں نے اسلام کا بلکہ سچ یہ ہے کہ اپنا ناس کر لیا ہے۔ اسلام کو یہ کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اسلام کی تو وہ کیفیت ہے یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ الخ

چراغے راکہ ایزد بر فروزد اگر گیتی سراسر باد گیرد		ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

ف لیکن تعجیل کے یہ معنی حدیث لا یزال امتی بخیر ما عجلوا الافطار واخروا السحور کے اندر نہیں بنتے ۱۲ جامع

الجواب یہاں بلفظ عام استعمال کیا گیا ہے۔ پس یہ مجاز ہوگا یا محمل یہ ہے کہ تعجیل کی دو قسم ہیں محمود اور مذموم ۱۲ اشرف

لیکن اُنہوں نے تو اس شمع کے بے نور کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ گو وہ شمع روشن رہے اسلام کی تو وہ حالت ہے ؎

ہنوز آن ابر رحمت درفشان ست	خم و خمخانہ با مہر و نشان است

واللہ اسلام میں ذرہ برابر بھی اُن کی کرتوتوں سے فرق نہیں آیا۔ اور وجہ اصلی اس کی یہ ہے کہ سرکاری وعدہ ہے وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کہ ہم اُس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور ظاہری صورت اُس کی یہ ہے کہ خادمانِ دین ہزاروں کی تعداد میں حقتعالےٰ نے پیدا فرمائے ہیں جو منصورین من الحق ہیں۔ اور ایک جماعت کی جماعت اس کام کے لئے پیدا کردی ہے کہ وہ ہمیشہ دین کے اندر اجزاء مختلفہ کو جُدا کرتے رہتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ دین اسقدر ہے اور اتنی بات اس میں بد دینی کی ہے۔ اس لئے کسی کی کچھ نہیں چلتی۔ ورنہ اِن اہل الرائے کا اثر تو واقعی بہت زبردست تھا جس کی نسبت ارشاد ہے وَاِنْ کان مکرھم لتزول منہ الجبال گویا ان کے مکروں کو دیکھ کر اسلام بزبان حال کہتا ہے ؎

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نبود	ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

لیکن خدا تعالےٰ کی حفاظت ہے۔ اور قیامت تک حسب وعدہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر رہے گی۔ باقی ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے پورا کام لے لیا ہے۔ یاد رکھو قرآن شریف کی تفسیر کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے چودہ علم میں مہارت کاملہ ہونے کی شرط ہے جیسا صاحب کشاف نے لکھا ہے لیکن کسی آیت کی تفسیر نہیں سمجھ سکتے۔ پس اب وہ شبہ یسارعون فی الخیرات سے جو ہوا تھا دفع ہوگیا۔ بعض لوگ تو تراویح سے جلدی فارغ ہونے کے لئے اس قدر عجلت کرتے ہیں کہ سبحانک اللّٰھم بھی نہیں پڑھتے۔ اور التحیات کے بعد درود شریف تو شاید کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا۔ اور التحیات بھی بہت تیز پڑھتے ہیں۔ ان سب امور سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ اس کے اجزاء میں یہ کتر بیونت نہ کرتے۔ اور قرآن بھی اسقدر تیز پڑھتے ہیں کہ بجز غفورا اور شکورا کے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا پڑھا۔ غرض

یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے خلاصی ہو۔ جیسے ایک سررشتہ دار اور ایک اُن کے نائب دونوں ایک کچہری میں تھے۔ انگریز اُن کو نماز کے وقت اجازت دے دیتا تھا کہ تم نماز پڑھ آؤ۔ تو سررشتہ دار صاحب تو نمازی تھے وہ تو بہت دیر میں نماز خشوع و خضوع سے پڑھ کر آتے تھے اور نائب صاحب بے نمازی تھے وہ تھوڑی دیر میں واپس آجاتے۔ صاحب نے ایک روز پوچھا کہ تم بہت جلدی آجاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتا۔ کہا حضور سررشتہ دار صاحب نئے نمازی ہیں نماز اُن کو آتی نہیں وہ سوچ سوچ کر پڑھتے ہیں۔ اور مجھ کو نماز کی مشق ہے۔ نماز میری گھٹی میں ہے۔ پرانا نمازی ہوں بالکل خوب یاد ہے اِس لئے جلدی پڑھ کر آتا ہوں۔ مولانا محمد یعقوبؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نماز کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی کہ اُسکو کوک دینے کی تو ضرورت ہوتی ہے مگر ایک مرتبہ جب کوک دی تو پورے چوبیس گھنٹہ کے بعد وہ بند ہوگی اِسیطرح ہماری نماز ہے کہ شروع کرنے کی دیر ہے جب شروع کر دی بس پھر تو مشین کی طرح آپ سے آپ تمام ارکان ادا ہو رہے ہیں۔ السلام علیکم ہی پر جا کر خبر ہوتی ہے۔ خصوصاً تراویح کا تو بہت ہی ناس کرتے ہیں۔ حالانکہ نماز کی ہیئت اور اُس کے تمام احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ قلب کی بہت ہی رعایت رکھی گئی۔ چنانچہ تراویح میں ہر چار رکعت پڑھنے سے جو تکان ہوگیا ہے اُس سے سکون ہوجائے اور نشاط عود کر آویگا۔ طبیعت تازہ ہو جائیگی۔ آئندہ چار رکعت اطمینان سے ادا ہونگی۔ اب بعض حفاظ تو بالکل بیٹھتے ہی نہیں اور بعض جو بیٹھتے ہیں تو پاؤ سا چھوا دیتے ہیں۔ یہانتک تو امام صاحب کی زیادتیوں کا بیان تھا اب مقتدیوں کی سنئے۔ انہوں نے ایک عجیب ترکیب نکالی ہے وہ یہ کرتے ہیں کہ لیٹے رہتے ہیں یا بیٹھے سویا کرتے ہیں جب دیکھا کہ امام اب رکوع میں جائیگا فوراً نیت باندھ کر شامل ہوگئے۔ اور بعضے جو اوّل سے شامل بھی ہوتے ہیں تو محض سستی کی وجہ سے قیام چھوڑ دیتے ہیں بیٹھے بیٹھے پڑھتے ہیں اور پڑھتے کیا ہیں بعضے تو اچھی خاصی طرح سوتے ہیں۔ غرض امام اور مقتدی نے سب نے ملکر تراویح کی یہ گت بنائی ہے۔ پس یہ ساری خرابی

اس کی ہے کہ نماز کو مقصود ہی نہیں سمجھا۔ زیادہ تر ختم قرآن اُن کا پیشِ نظر ہے اس لئے ضروری ہُوا کہ اِن دونوں کا فرق بیان کیا جاوے۔ سو یاد رکھو کہ اِن دونوں عبادتوں میں مقصود اعظم نماز ہے ختم قرآن تابع ہے۔ اور یہ فرق میں نے اپنی طرف سے نہیں گھڑا اس لئے کہ ہم تعیین کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ فقہانے تراویح سنت موکدہ لکھا ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہم پلہ ہیں لیکن آگے چلکر ایک جزئیہ لکھا ہے اُس سے میرے قول کی تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی قوم پر کسل غالب ہو اور گمان غالب ہو کہ اگر یہاں قرآن پڑھا جائیگا تو لوگ نہ سُنیں گے تو ایسی جگہ پورا قرآن شریف نہ پڑھا جاوے اور بیس رکعت تراویح الم ترکیف سے پڑھ لیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ رکعتوں میں اقتصار کر دیں۔ مثلاً بیس کی جگہ آٹھ ہی پڑھ لیا کریں۔ یا بلا نماز ہی قرآن ختم کریں۔ فقہائے نے لوگوں کی حالت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اگر قرآن ختم کیا جاویگا تو لوگ تراویح ہی چھوڑ دیں گے چنانچہ اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔ غرض اس جزئیہ سے معلوم ہُوا کہ مقصود اعظم نماز ہے اور ختم قرآن تابع ہے۔ جب فقہار کے قول سے تائید ہوگئی اب ہم کو گنجائش ہے کہ ہم دوسری جگہ سے تائید اس کی بیان کریں وہ یہ ہے کہ نماز اور قرآن کی وضع کے اندر جو غور کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے تو اُس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرارۃ قرآن تابع ہے اور صلوٰۃ متبوع اسلئے قرارۃ صلوٰۃ کا جزء بنایا گیا ہے۔ اس لئے کہ صلوٰۃ نام ہے قیام قرارۃ رکوع سجدہ قومہ جلسہ مجموعہ کا اور قرآن اُسکا جزء ہے۔ اور قاعدہ عقلی ہے کہ والکل اشرف من الجزء اس لئے کہ جو فضیلت قرآن مجید کی ہے نماز میں وہ بھی حاصل ہوگی۔ اور دوسرے ارکان کی فضیلت اور شامل حال ہوجائیگی۔ باقی اسپر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن جو موقوف علیہ اور تابع نماز کا ہے اُسی درجہ میں ہے جس درجہ میں توقف ہو اور موقوف علیہ صرف تین آیتیں ہر رکعت میں ہیں یہ طویل مقدار موقوف علیہ نہیں ہے۔ پس ختم قرآن کا تابع ہونا کیسے مقصود ہُوا۔ اور گفتگو اسی میں تھی پس ممکن ہے کہ تین آیت کی قدر تو قرآن تابع ہو اور اس سے زیادہ تابع نہ ہو۔

اسکا جواب دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس
قدر قرات فرض اور اسقدر واجب اور اسقدر مستحب ہے اسکے معنے یہ ہیں کہ اتنی
مقدار پر کفایت کرنا فرض و واجب ہے اور زیادہ پڑھنا مستحب ہے۔ پس یہ فعل
فرض یا مستحب ہوگا باقی قرات وہ جسقدر پڑھی جاوے گی سب کو یوں ہی کہینگے
کہ یہ سب فرض ہی واقع ہوگا۔ پس اب تمام قرآن جزو صلوٰۃ بنکر بعیت ثابت ہوگئی
غرض اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ مقصود اعظم نماز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح جس
میں قرآن پڑھا جاتا ہے اُس کے حقوق مطلق تلاوت قرآن سے زیادہ ہونگے۔
اسلئے کہ جسقدر حقوق مطلق کے ہونگے وہ سب بھی اس نماز کے ہونگے لجزیتہ اور
نماز کے حقوق علیحدہ ثابت ہونگے پس اسکا بہت زیادہ اہتمام اور رعائتیں کرنا چاہئے۔
منجملہ اُن حقوق اور رعایات کے کہ جس میں فروگذاشت ہورہی ہے۔ تعدیل ارکان ہے
اسکا خیال رکھنا چاہیئے کہ ارکان اطمینان کے ساتھ ادا ہوں دوسرے یہ کہ قرآن اس
قدر پڑھا جائے کہ جو مقتدیوں کو گراں نہ ہو اور اگر مقتدیوں کو گراں ہوا تو اُن کو
منافقین سے مشابہت ہوجاویگی جنکی نسبت ارشاد ہے اذا قاموا الی الصلوٰۃ
قاموا کسالی جبکا سبب یہ امام ہوا۔ عبادت مستحبہ وہی بہتر ہے جو نشاط کے
ساتھ ہو۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ہفتہ میں ایک مرتبہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہفتہ میں
دو بار فرمایا کیجئے۔ فرمایا کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا
بالموعظۃ یعنی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گاہ گاہ وعظ سے ہماری
خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ اور اسلئے ایسا فرماتے تھے کہ لوگوں کو ملال عارض ہو۔
پس اسی کے موافق قرآن بھی اُسی قدر پڑھنا مناسب ہے کہ جس سے لوگوں کو گرانی نہ ہو
اور بھاگیں نہیں۔ آج کل لوگ دو طرح سے ظلم کرتے ہیں۔ بعضے تو یہ کرتے ہیں
کہ تین تین چار چار پارے پڑھتے ہیں اور بعضے پڑھتے تو ہیں سوا ہی پارہ مگر
بہت ہی آہستہ پڑھتے ہیں۔ رمضان میں ان حفاظ کی عملداری ہوتی ہے جسطرح
چاہتے ہیں بیچارے مقتدیوں کو دق کرتے ہیں۔ توسط کی رعایت ہر حال میں
ہونا چاہیئے۔ نہ تو اتنی تطویل ہو کہ گرانی ہو اور نہ اسقدر تعجیل ہو کہ حقوق نماز اور

قرآن کے فوت ہوں۔ بہرحال مقصود میرا یہ ہے کہ اس ماہ میں دو عبادتیں مشروع کی گئی ہیں۔ اِن آیتوں میں دونوں کا ذکر ہے۔ اُوپر سے اہل کتاب کا ذکر ہے اور اُس کے اُوپر سے امتِ محمدیہ کی خیریت کا ذکر ہے۔ اُس کے بعد اس تقریب سے اہل کتاب کی نسبت ارشاد ہے ولو امن اهل الکتاب لکان خیرا لهم یعنی اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اُنکے لئے بہت بہتر ہوتا آگے اُن پر عتاب اور غضب کا مضمون ہے لن یضروکم الا اذی سے یعتدون تک برابر یہی مضمون چلا گیا لیکن بعض اہل کتاب ایمان بھی لے آئے تھے اِس لئے لیسوا سواء سے اُن کا ذکر ہے۔ کیا عجیب کلام ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ ایسا کلام بشر کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ ہم کو جب کسی فریق پر غصہ آویگا اور غصہ کا ہم اظہار کرینگے کہ تم ہم کو اِس طرح ستاتے ہو اور تم لوگوں نے یہ کیا وہ کیا تو اُن میں جو مطیعین ہیں وہ بالکل نظر انداز ہو جائیں گے اور ایک ہی جانب کلام کا رُخ ہو کر انتہائی طاقت اُس ہی صرف کر دیں گے۔ بلکہ اگر کوئی شخص اُن مطیعین میں سے بھی اُس وقت آجاوے اور اگر سلام کرے یا کوئی بات کرے تو اُسپر بھی بگڑنے لگیں گے کہ تم کو سلام بھی اسیوقت سوجھا تھا تو اِس کی وجہ کیا ہے کہ ہم ممکن اور حادث و متاثر ہیں ہمارے اندر انفعالات رکھے گئے جب ایک اثر سے طبیعت منفعل ہوتی ہے تو بعینہ اُس وقت دوسری طرف ہماری توجہ منصرف نہیں ہوسکتی۔ حقتعالیٰ انفعال و تاثر سے پاک ہیں ابھی غضب کا اظہار ہو رہا ہے کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآؤُا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ الخ اور اُسیوقت دوسرا پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا بلکہ ساتھ ساتھ وہ بھی چل رہا ہے۔ یا تو خفگی ہو رہی تھی اور یا اب اُن میں سے مومنین کے اوصاف ارشاد ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے لیسوا سواء الخ یعنی یہ اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا اُن میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم و ثابت ہیں۔ یہ تو عقاید کیطرف اشارہ ہے۔ آگے یتلون اٰیاتِ اللّٰهِ الخ یہ اعمال کیطرف اشارہ ہے یعنی پڑھتے ہیں وہ اللہ کی آیتوں کو ساعاتِ شب میں اور وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اِس ترجمہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان آیتوں میں دونوں چیزوں کا ذکر ہے تلاوت قرآن کا اور نماز کا بھی۔ لیکن مفصلاً ذکر نہیں

بلکہ اجتماعی طور سے ذکر ہے یعنی نماز میں قرآن پڑھنے کا ذکر ہے اسلئے کہ اِس آیت کی دو
تفسیریں ہوسکتی ہے ایک تو یہ کہ وَهُمْ يَسْجُدُونَ میں واؤ عاطفہ ہو اُسوقت تو اقتران
پر یہ آیت نص نہ ہوگی گو محتمل ہو اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور ذوق
ارجح یہی معلوم ہوتا ہے اسصورت میں اقتران اسکا مدلول ہوگا۔ یعنی مطلب یہ ہے
کہ وہ لوگ اللہ کی آیتیں ساعات لیل میں تلاوت کرتے ہیں اسحالت میں کہ سجدہ کرتے ہیں
پس اس تفسیر کے موافق اِس آیت کا مضمون تراویح کے نہایت مناسب ہوگیا۔ بہرحال
اِس آیت سے اِس عمل کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نیز دوسری وجہ فضیلت
کی یہ ہے کہ شروع رکوع کنتم خیر امۃ میں اِس اُمت کی خیریت کا ذکر ہے پس
آگے اُن اعمال کا ذکر ہوگا جنکو خیریت میں دخل ہوگا۔ اور یہاں خیریت کے معنی وہ
نہ سمجھنا کہ بولا کرتے ہیں کہ تمہارے یہاں خیریت ہے۔ بلکہ خیریت کے معنے ہیں بہت
اچھا ہونا خیر صیغہ افعل التفضیل کا ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ اگر تم یہ اعمال کروگے تو
بہت اچھے ہوجاؤگے۔ حقتعالے جنکو بہت اچھا کہے اُن سے بڑھ کر کون ہوگا۔
بہت اچھا کے لفظ پر ایک بات یاد آگئی کہ وہ اس احقر پر ایک نعمت ہے میں اُسکو
تفاخراً نہیں کہتا بلکہ تحدث بالنعمۃ کے طور پر عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک دوستنے
خواب میں دیکھا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور یہ بھی دیکھا کہ حضور
اُس شخص سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔ اثنار کلام میں اُس دوست نے یہ کہا کہ میں فلاں
شخص (حضرت مولانا صاحب) سے بیعت ہوں۔ حضور نے سُنکر فرمایا کہ وہ بہت
اچھا آدمی ہے۔ اپنا بہت اچھا ہونا تو سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنے ظاہر پر ہے یا مؤول
ہے اِس لئے کہ اپنے اعمال گندے پیش نظر ہیں۔ شہوت۔ غضب۔ ریا بہت سی
بلائیں ہیں اِن کے ہوتے ہوتے بہت اچھا کس طرح ہوجاؤنگا۔ ہاں یہ اللہ تعالے
کا شکر ہے کہ ایمان ہے اور اہل اللہ سے محبت ہے۔ لیکن میں تو اِس بات سے
خوش ہوا کہ حضور کے یہاں تذکرہ تو آیا۔ اگرچہ اِس خواب کا یہاں موقع بیان کا
نہ تھا اِس لئے کہ یہاں جن لوگوں کو بہت اچھا کہا گیا وہ بیدار تھے اور یہ خواب ہے
کہاں خواب کہاں بیداری اور اول تو بیداری ہی میں ہو تو بھی قابل ناز نہیں۔ پھر
خواب کا معاملہ ہی جدا ہے۔ پھر دوسرے یہ ہے کہ یہ اپنے مطلب کی بات ہے اِس

اس میں احتمال ہے خیال کے ملجانیکا یعنی زیارت حضور میں نہیں بلکہ کلام کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں مجھ کو اس پر ایک حکایت یاد آئی وہ یہ ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہ صاحب سماع تھے یعنی گانا سنتے تھے مگر ایسا گانا نہیں جیسے آجکل لوگ سنتے ہیں بلکہ شرائط کے ساتھ سنتے تھے کہ اُن شرائط کے ساتھ آج کل کوئی بھی نہیں سنتا اور نہ اُن کا ہر وقت کا شغل تھا پھر جو سننے والے صاحب نسبت تھے باوجود اس احتیاط کے بھی جو اُسوقت علماء تھے وہ منع کرتے تھے۔ چنانچہ قاضی ضیاء الدین صاحب سنامی رح نے روکا اور فرمایا کہ بدعت ہے اور سنت کے خلاف ہے۔ حضرت سلطان جی رح خود بھی عالم تھے درسیات پڑھی تھی چنانچہ ایک بار مقامات حریری حضرت نے حفظ یاد کی تھی۔ اور پھر اُس کے کفارہ کے لئے مشارق الانوار حفظ فرمائی تھی۔ لیکن قاضی صاحب سے مناظرہ نہیں کیا اور سکوت فرمایا اور جب سلطان جی سنتے تھے اُسیوقت قاضی روکتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوا دوں اُسوقت تو مانو گے۔ جی میں تو یہی تھا کہ دلائل سے میں حق پر ہوں یہ نہ مانونگا۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ حضور کی زیارت تو ہوگی۔ کہا کہ اچھا۔ حضرت سلطان جی متوجہ ہوئے اور قاضی صاحب پر ایک غنودگی سی طاری ہوئی۔ دیکھتے ہیں کہ حضور تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو۔ قاضی صاحب وہاں بھی نہ چوکے۔ عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر ہے۔ لیکن وہ جو آپکے بیداری کے احکام ہیں مجھے اُن پر اس حالت کے حکم سے زیادہ وثوق ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ اسوقت میری یہ کیا حالت ہے۔ جب اُس حالت سے افاقہ ہوا تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا ہمنے کہلا بھی دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہمنے جواب بھی دے دیا۔ قاضی صاحب نے حقیقت میں بہت عجیب بات کہی محویت کہ جو نیند سے کم ہے اُس کے احکام کا محققین نے اعتبار نہیں کیا ایسے ہی کشف کا بھی اگر خلاف شریعت ہو اُسکا بھی اعتبار نہیں اور خواب کا تو بدرجۂ اولیٰ اعتبار نہیں چنانچہ ایک مرتبہ مصر میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں اشرب الخمر اُسوقت سب علماء نے کہا کہ اس شخص کے سننے میں غلطی ہوئی۔ حضور نے یقیناً لاتشرب الخمر

فرمایا ہے۔ تو صاحبو یہ خواب کوئی قابل فخر نہیں ہے لیکن ہاں اِس بات کی خوشی ہے کہ حضور نے ذکر تو فرمایا۔ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ بہرحال حقتعالیٰ کا اُمتِ محمدیہ کو بہت اچھا فرمانا بہت بڑی فضیلت ہے یہ تو سباق آیت سے فضیلت فرمائی اور آخر میں فرماتے ہیں اولٰئک من الصالحین۔ یہ سیاق سے فضیلت ثابت ہوئی یعنی یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔ صالح عربیت میں ایسے موقع میں بولتے ہیں جہاں ہماری زبان میں لفظ لائق بولا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ جسکو لائق فرماویں اُس کی فضیلت کا کیا ٹھکانا ہے۔ پس حاصل مقام کا یہ ہوا کہ جو اِن کاموں یعنی نماز میں قرآن پڑھتے ہیں وہ بہت اچھے اور بڑے لائق ہیں۔ اللہ اکبر جن کو خدا تعالیٰ بہت اچھے اور لائق فرمادیں اُن کو کیا کیا نہ ملیگا۔ اور جو اُنکو ملیگا اُسکو بھی حضور نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی میں نے بندوں صالحین کے لئے وہ شئے طیار کی ہے کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سُنی اور نہ کسی کے دل پر اُنکا گذر ہوا۔ آپ بہت سے بہت وہ نعمتیں چاہیں گے جو کچھ آپ کے دل میں آویگی اور جن اشیاء کا وعدہ ہے وہ اِس سے بھی بڑھ کر ہیں کہ تمہارے ذہن میں آتی ہیں۔ اِس سے زیادہ آپ کیا چاہینگے۔ اور ثمرات تو اُن لوگوں کے لئے ہیں جو طالب ثمرات ہیں ورنہ جو محبین ہیں اُن کے لئے تو محبوب کا اتنا فرما دینا کہ بہت اچھے آدمی ہیں تمام ثمرات سے بڑھ کر ہے۔ اہل قلب سے اِس کنتم خیر امۃ فرمانے کی قدر پوچھو کہ وہ اِس سے کیا مزہ لیتے ہیں۔ ایک صاحب حال کہتے ہیں اگر یکبارہ گوید بندۂ من از عرش بگذرد خندۂ من۔ خوب کہا ہے کسی نے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا	بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس ست

اور وہ تو یوں کہتے ہیں ؎

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم	زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

جو اپنے کو اِس لائق بھی نہ سمجھتے ہوں کہ اُس کے کوچہ کے کتے کیطرف اپنے کو منسوب کرلیا تو کیا ٹھکانا رہیگا اُن کی مسرت کا۔ لیکن ہم لوگ جو اِس کی قدر نہیں کرتے تو

تو بات کیا ہے کہ ہمکو دین مفت ملگیا ہے ۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا	زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا
ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد	گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

بچہ کیا جانے موتی کیا ہوتا ہے ایک بسکٹ دیکر اس سے موتی لے سکتے ہیں ۔ پس ایسے ہی دین ہم لوگوں کو مفت ملگیا ہے مفت کی چیز کی کون قدر کرتا ہے ۔ نہ شکر ہے نہ نیاز ہے نہ عاجزی ہے ۔ اللہ اکبر کسقدر سنگدلی اور ناقدردانی ہے ۔ غرض وہ اعمال جن پر یہ بشارتیں ہیں ان میں سے دو عمل یہ ہیں یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَاۤءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ یہ عمل مدار خیریت و صلاحیت ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اچھے اسیوقت ہونگے جبکہ کام کو اچھی طرح ڈھنگ سے کریگے اور اگر بری طرح کیا تو اچھا ہونا تو علیحدہ رہا خوف مواخذہ کا ہے ۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے چند مزدور کام کرنے والے ہیں مثلاً سڑک کوٹنے والے ہیں ان سے کہا کہ تم اس سڑک کو کوٹو تم کو انعام ملیگا ۔ بعض نے تو ان میں سے ایسی خراب کوٹی کہ جگہ جگہ گڑھے اور ٹیلے رہ گئے برابر نہیں ہوئی ۔ اب اس صورت میں نام تو کوٹنے کا ہوا مگر کام تو نہ ہوا اور نام سے کچھ کام نہیں چلتا ۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

میم واؤ و میم و نوں تشریف نیست	لفظ مومن جز پئے تعریف نیست

یعنی لفظ مومن کوئی خلعت نہیں یہ تو محض پتے کے واسطے ہے اور وصف عنوانی ہے ان لفظوں میں کچھ نہیں ہے جبتک کہ اسکا مدلول تمکو حاصل نہ ہو دیکھو لڈو پیڑے کا اگر کوئی وظیفہ پڑھا کرے تو اس سے منہ میں کچھ نہ آئیگا ۔ ایک احمق کی حکایت یاد آئی ۔ ایک شخص نے مرنے کے وقت بیٹے کو چند وصیتیں کیں کہ بیٹا میں تو مرتا ہوں میرے بعد لوگ تعزیت کے لئے آئینگے جو کوئی آوے اسکی خوب مدارات کرنا ۔ اونچی جگہ اسکو بٹھلانا ۔ بھاری پوشاک پہنکر اس سے ملنا ۔ نرم اور شیریں گفتگو کرنا اور قیمتی کھانا کھلانا ۔ یہ چار وصیتیں کیں ۔ ابا جان تو یہ کہکر مر گئے ۔ بیٹے ضرورت سے زیادہ عقلمند تھے ۔ چنانچہ ایک شخص کی کمبختی آئی وہ ان کے یہاں آنکلا نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو مچان پر بٹھلادو ۔ چنانچہ نوکروں نے ان کو لٹکائے پا بدست دگرے دست بدست دگرے چاروں طرف سے پکڑا وہ بچارے ہر چند ہائیں ہائیں کرتے رہے

مگر انہوں نے ایک نہ سُنی اور فوراً انکو ایک بلند مچان پر بٹھلا دیا اور زینہ وہاں سے علیحدہ کر دیا۔ اب وہ بچارا بندر سا وہاں چڑھا بیٹھا ہے اور حیران ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے اس کے بعد میاں صاحب ملنے کے لئے تشریف لائے تو اس ہیئت سے کہ ایک بہت بڑی جا جم تو باندھے اور ایک اوڑھے ہوئے۔ وہ مہمان بچارے حیران ہوئے کہ یہ کیا عجائب المخلوق جانور ہے۔ خیر آئے مہمان صاحب نے کلمات تعزیت فرمائے کہ آپ کے والد ماجد صاحب کی وفات کی خبر سُنکر بہت رنج ہوا تو آپ فرماتے ہیں گُڑ۔ اسکے بعد انہوں نے کچھ اور فرمایا تو فرماتے ہیں رُوئی۔ غرض ایک بات کے جواب میں وہ گُڑ فرماتے تھے اور دوسری بات کے جواب میں رُوئی۔ خیر اسپر بھی صبر کیا۔ اسکے بعد حکم دیا کہ ان کو اُتار لو۔ چنانچہ اُتار لئے گئے کھانا آیا بوٹی گوشت کی ذرا سخت تھی مہمان بولے کہ گوشت گلا نہیں کہنے لگے کہ واہ صاحب میں تو نے آپ کے لئے اپنا پچاس روپیہ کا کتا ذبح کروا ڈالا آپنے اُس کی یہ قدر کی۔ مہمان نے فوراً ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ تیرے یہاں کسی کو نہ لاوے خیر یہ تو فرمایئے کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کہا کہ میرے والد ماجد صاحب نے چند وصیتیں کی تھیں میں نے اُن پر عمل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ مہمان کو اونچی جگہ بٹھانا تو میرے یہاں اس مچان سے زیادہ کوئی اونچی جگہ نہیں ہے۔ اور یہ فرمایا تھا کہ بھاری کپڑے پہنکر ملنا تو میں نے اس جاجم سے زیادہ بھاری کپڑا کوئی نہ دیکھا اور یہ کہا تھا کہ نرم اور شیریں بات بولنا تو جناب گُڑ سے زیادہ میٹھی اور رُوئی سے زیادہ نرم کوئی شئے نہیں اور یہ وصیت فرمائی تھی کہ قیمتی کھانا کھلانا تو کتے سے زیادہ قیمتی جانور میرے یہاں کوئی نہ تھا۔ اُس مہمان نے کہا کہ خدا تم کو سمجھے اور کسی بھلے مانس کو تمہارے یہاں نہ لاوے تو حضرت یہ اس بیوقوف کا مشرب تھا کہ گُڑ اور رُوئی کے نام ہی کو بجائے اُن کے مسمیٰ کے سمجھتا تھا اگر آپ بھی صرف نام ہی پر کفایت کرتے ہیں۔ تو اس شخص پر نہ ہنسئے ہمارے اندر اس زمانہ میں الفاظ پرستی بہت آگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق تک نہیں پہنچتے۔ ایک حکایت مجھے اسپر یاد آئی اندھوں کے مجمع میں ہاتھی آگیا تھا سب نے اُس کو ٹٹولا کہ دیکھیں ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ کسی کا ہاتھ تو سونڈ پر پڑا اُسنے تو یہ کہا کہ ہاتھی مثل موسل کے ہوتا ہے کسی کا ہاتھ کان پر پڑا اُسنے کہا کہ ہاتھی مثل چھاج کے ہوتا ہے۔ کسی کا دُم پر پڑا اُسنے کہا ہاتھی مثل جھاڑو کے ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے آپس میں اختلاف

اور حقیقت کی ایک کو بھی خبر نہ ہوئی اگر حقیقت تک پہنچ جاتے تو سکون ہو جاتا کوئی اختلاف نہ رہتا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اختلاف خلق از نام اوفتاد	چوں بمعنے رفت آرام اوفتاد

اختلاف جب ہی تک ہے جبتک کہ الفاظ میں مبتلا ہیں اور جب حقیقت تک پہنچ گئے تو سب اختلاف اُٹھ جاتا ہے۔ مولانا نے اسی مضمون کی ایک حکایت مثنوی شریف میں لکھی ہے کہ چار آدمی جمع ہوئے۔ فارسی۔ عربی۔ رومی۔ ہندی یا ترکی۔ کسی نے اُن کو ایک درہم دیا اُن کا جی چاہا کہ انگور خریدیں۔ رومی نے کہ ہم تو استافیل (ترکی میں بمعنی انگور ہے) خریدینگے۔ عربی نے کہا کہ ہم عنب (انگور) لیں گے۔ فارسی نے کہا کہ ہم انگور لینگے چوتھے نے کچھ اور کہا (شاید اوزم لکھا ہے) آپس میں خوب لڑائی ہوئی۔ اگر معنے تک رسائی ہوتی تو کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔ لفظوں میں پھنسنے سے حقیقت مستور ہو جاتی ہے۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ	چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کسی کے ساتھ نہیں جھگڑتے۔ اسلئے کہ وہ ایسے مشغول ہیں کہ اُن کو ان جھگڑوں کی مُہلت ہی نہیں ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو گر ایں مدعی دوست بشناختی	چو بگذشت بر عارف جنگجو بہ پیکار دشمن نہ پرداختی

دیکھو بہت موٹی بات ہے اگر ہمارا کوئی محبوب ہو اور مدتوں سے وہ نہ ملا۔ اور دفعتہ کہیں مل جاوے تو ہمکو اُسوقت لڑنیکی فرصت بالکل نہ ملیگی۔ بلکہ اُسوقت اگر کوئی اُسکو بُرا بھلا بھی کہیگا حتی کہ اگر جسمی یا مالی ضرر بھی پہنچائیگا تو یہ بالکل نہ بولیگا۔ اسلئے کہ وہ خیال کریگا کہ جتنی دیر میں اس سے لڑونگا میرا حرج ہو گا۔ خدا جانے پھر محبوب ملے یا نہ ملے وہ اپنے دوست کے دیکھنے میں محو رہیگا۔ جبکہ محبوب مجازی تمام جھگڑوں اور لڑائیوں کو قطع کر دیتا ہے تو جس شخص کو محبوب حقیقی کا وصل دائم اور مشاہدہ ہر وقت رہتا ہے اُس کو کسی سے لڑنے کی کہاں فرصت۔ اور اگر لڑنے بھڑنے میں وہ لگا ہوا ہے تو وہ عارف نہیں ہے مدعی ہے ؎

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند	آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

بلکہ اگر کوئی اُس سے محبوب کے سوا دوسرے کی بات بھی کرنا چاہیگا تو وہ اسکے جواب میں کہیگا ع
مائیم تحیر و خموشی + پس معنی شناس اور حق شناس کی تو یہ شان ہوتی ہے اسلئے میں کہتا ہوں
کہ اگر تم پر لفظ یتلون اٰیات اللہ اور وھم یسجدون صادق بھی آگئے تو اس سے
کیا ہوتا ہے حقیقت تلاوت و سجدہ کی حاصل ہونے کی کوشش کرو اور اُسکا طریق یہی ہے
کہ حقوق اُن دونوں عبادتوں کے ادا کرو۔ قبل اسکے کہ میں انکے حقوق بیان کروں ایک بات
اور بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مقام پر ایک سوال اور اشکال متوجہ ہوتا ہے وہ یہ ہے
کہ جن اعمال کی فضیلت بیان کیگئی ہے آیا یہ اعمال فرض ہیں یا نہیں اگر فرض نہیں
ہیں تو فرض کا ذکر بہ نسبت نفل کے اہم ہے اور ذوق لسانی اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا
ہے کہ مراد نفل ہے اِسلئے کہ اسلوب کلام اور الفاظ سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ مقصود کثرت
تلاوت و نفل ہے۔ تو کثرت تلاوت و نفل دونوں فرض نہیں ہیں۔ اور اگر کہا جاوے کہ
مراد صلوٰۃ تہجد ہے تو صلوٰۃ تہجد بھی فرض نہیں ہے۔ غرض بہر صورت نفل ہے پھر فرائض
کو چھوڑ کر نفل کی فضیلت کیوں بیان فرمائی اور اگر کہو کہ مراد فرض ہے تو میں عرض کرچکا
ہوں کہ ذوق لسانی اور قرائن اِس نے آبی ہیں۔ اِس اشکال کا جواب میری سمجھ میں
یہ آتا ہے کہ مراد تو نفل ہی ہے باقی رہی یہ بات کہ فرایض کی اہمیت اُن کے ذکر کو مقتضی
ہے یہ صحیح ہے کہ لیکن ذکر کے انواع مختلف ہیں صریحی اور لازمی۔ فرائض کی اہمیت
اس نفل کی فضیلت بیان کرنے سے اور زیادہ بڑھ گئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب
وہ لوگ نفلوں میں کوتاہی نہیں کرتے تو فرائض میں تو بطریق اولیٰ کوتاہی نہ کرینگے
پس فرائض کا ذکر گو عبارۃ النص سے نہیں ہے لیکن دلالۃ النص سے فرائض کی اہمیت
زیادہ محفوظ ہو گئی ہے۔ اور اُس زمانہ کے لوگ ایسے نہ تھے جیسے آجکل بعض ہیں کہ نوافل
کا تو اہتمام کریں اور فرائض کی پروا نہ کریں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں اپنے پیر کا اسقدر
اتباع کرتا ہوں کہ فرض نماز چاہے قضا ہو جائے مگر پیر کا تبلایا ہوا وظیفہ ناغہ نہیں ہوتا۔
اگر ایسے ہی لوگ اُسوقت بھی ہوتے تو واقعی فرائض کی اہمیت پر اس آیت کی دلالت
ظاہر نہ ہوتی۔ حاصل یہ ہے کہ اِس آیت میں مراد نفل ہے۔ پس اس تفسیر کے موافق اس
آیت میں قیام لیل یعنی تہجد کا ذکر ہوا اور تراویح کا لقب ہے قیام رمضان۔ قیام لیل تو
بعینہ محفوظ رہا۔ صرف اس میں ایک مضاف الیہ اور بڑھ گیا یعنی قیام لیلۃ رمضان پس

جبکہ اس آیت کا مدلول قیام لیل ہے تو قیام لیلہ رمضان بھی اسمیں ضرور داخل ہوگا۔ پس اب میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اس آیت سے تراویح کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور وہ بھی مدار خیریت کا ہے۔ پس اُنکو ایسا پڑھئے کہ آپکی خیریت وصلاحیت محفوظ رہے اور جو اسمیں منکرات ہیں اُن سے بچئے۔ اب مختصر سی فہرست حقوق کی بیان کرتا ہوں قرآن مجید کا ایک حق یہ ہے کہ جی لگا کر اسکو پڑھا جاوے کہ اُسپر خرّوا سجدًا وبکیا کا اثر مرتب ہوجاوے اور دوسری جگہ ارشاد ہے یخرون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بکاء اور خشوع تلاوت قرآن کے وقت ہونا چاہیئے۔ یہاں پر طالبعلموں کو ایک شبہ ہوگا وہ یہ ہے کہ رونا تو اختیاری نہیں ہے اور سالکین کو یہ شبہ ہوگا کہ جب یہ صفت ایمان والوں کی ہے اور ہمکو رونا آتا نہیں تو ہمارے اندر ایمان نہیں ہے۔ ایک دوست نے بھی مجھ کو لکھا تھا کہ جب سے میں حج کر کے آیا ہوں رونا نہیں آتا اور پہلے رونا آیا کرتا تھا۔ میں نے اُنکو جواب لکھا اور اسی سے اس شبہ مذکورہ کا بھی جواب ہوجاویگا اور وہ جواب یہ لکھا کہ رونے سے مراد آنکھوں کا رونا نہیں اسلئے کہ وہ غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری کی اللہ تکلیف نہیں دیتے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا بلکہ مراد دل کا رونا ہے پس تم کو گو آنکھوں سے رونا نہیں آتا لیکن دل کا رونا تم کو حاصل ہے۔ باقی اختیاری رونے کی عورتیں مشاق ہیں۔ کسی کے یہاں تعزیت کے لئے جائینگی اور اپنے کسی مردہ کو یاد کر کے بس رونا شروع کر دیں گی۔ اور اُنکا کوئی تازہ مرا ہوا نہ ہوگا تو یہ حکمت کرینگی کہ کپڑے سے مُنہ چھپالیں گی اور جھوٹ موٹ ہو ہو کرنے لگیں گی۔ لیکن مردوں کا رونا اختیاری نہیں ہے۔ اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ رونا نہ آوے تو رونے کی شکل بنالو۔ یہاں بھی دل کا ہی رونا مقصود ہے۔ اسلئے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ جب رونے کی کوئی شکل بنائیگا تو دل میں بھی رونا آہی جاویگا۔ پس حقتعالیٰ کے عذاب اور وعید کو دل میں حاضر کرو اور رونیکی شکل بناؤ تاکہ سختی دل کی کم ہو۔ مولانا علیہ الرحمۃ اسی رونے کی فضیلت میں فرماتے ہیں ؎

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست	اے خوشا آں دل کہ آں بریانِ اوست
در تضرع باش تا شاداں شوی	گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی

دریں ہر گریہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اور اگر رونا نہ آوے تو اس پر رونا چاہیے کہ رونا نہیں آتا۔ ایک بزرگ بہت رویا کرتے تھے۔ کسی نے کہا حضرت اتنا نہ روئیے آنکھیں جاتی رہینگی۔ اُنھوں نے کیا خوب جواب دیا ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل — کم کری تا چشم را ناید خلل ؂
گفت زاہد از دو بیروں نیست حال — چشم بیند یا نہ بیند آں جمال ؂
گر بہ بیند نور حق را چہ غم ست — در وصال حق ز دو دیدہ کے کم ست
ورنہ بیند نور حق را گو برو — ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

دیکھئے اِن بزرگ کو دونوں احتمالوں پر خواہ وصل ہو یا نہ ہو رونا ہی سوجھا۔ اگر کوئی کہے کہ وصل میں رونا کیسا اسکا جواب عارف شیرازی ؒ نے دیا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت — واندراں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست — گفت مارا جلوہ معشوق دراینکار داشت

تجلی محبوب کا مقتضی ہی یہ ہے کہ سوختہ و گداختہ رہے۔ حقتعالیٰ کے یہاں اِس رونے کی بہت بڑی قدر ہے جو قطرہ آنکھ سے نکلا دوزخ کی آگ اور وہ قطرہ جمع نہ ہوگا اور نارِ جہنم کو بجھانے کے لئے کافی ہوجائیگا اور دوزخ کہیگی جزیا مومن فان نورک اطفاء ناری یعنے اے مومن جلدی چل اسلئے کہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھادیا اور یہ آنسو عام ہے خواہ آنکھ سے ہو یا دل سے ہو چنانچہ اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مجلس وعظ میں کچھ لوگ اپنے کپڑے پھاڑنے لگے۔ عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان سے کہدو کہ دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرو کپڑوں کے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ حقتعالیٰ کی نظر تو قلوب پر ہے بلکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جب زیادہ اثر ہوتا ہے تو وہ سب گھٹ کر قلب ہی پر جمع ہوجاتا ہے اور آنکھ سے ایک قطرہ بھی نہیں نکلتا۔ پس جبکہ دل پر اثر ہو تو آنسو نہ نکلنا مضر نہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے ایک صوفی پر حالت طاری ہوئی۔ حضرت جنید ؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ پر کبھی اثر نہیں ہوتا حضرت جنید ؒ نے فرمایا وتری الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر مر السحاب یعنی دیکھیگا تو اے مخاطب پہاڑوں کو گمان کریگا اُن کو ٹھیرے ہوئے حالانکہ وہ ابر کیطرح چلتے ہونگے۔ مطلب یہ ہے کہ غایت اثر سے ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کو تم ٹھیرا ہوا جانتے ہو حالانکہ ہم بجد اثر لئے ہوئے ہیں

ہمارے مشائخ میں سے حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد۔ اینجا مرد انند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نزنند۔ بات یہ ہے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک اور بزرگ رونے کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

یارب کہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں	یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اسی اختلاف اور رنگارنگی شان وحال کی نسبت یہ شعر ہے ؎

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست	بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

غرض قرآن شریف پڑھنے کے وقت حقتعالے کے خوف یا شوق سے آنکھ سے یا دل سے رونا بڑی نعمت اور علامت اہل ایمان کی ہے۔ لیکن یہ جب ہی حاصل ہوتا ہے کہ قرآن کو بتدبر پڑھا جاوے۔ اور اگر ڈاک گاڑی بلکہ اسپیشل کیطرح پڑھا اور راستہ کے باغ وبہار کی وہ کیا سیر کریگا۔ ایک حق تو قرآن کا یہ تھا۔ دوسرا حق وہ ہے جسکی نسبت ارشاد ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا یعنی قرآن کو ٹھہرا کر پڑھنا دیکھو آپ اگر کسی حاکم سے ہمکلام ہو یا وہ حاکم تم سے باتیں کرے تو اول الفاظ دل میں سوچ لوگے پھر بہت ادب سے اُن کو آہستگی زبان سے ادا کروگے بخلاف اسکے کہ تم اپنے دوستوں سے یا نوکروں سے ہمکلام ہو اُن کے ساتھ بے تکلف جلدی جلدی بولتے ہو۔ تو قرآن پڑھنا درحقیقت حقتعالی سے باتیں کرنا ہے اور یا یوں کہو کہ حقتعالے تمہاری زبان سے باتیں کرتے ہیں۔ غرض جو کچھ بھی ہو دونوں امر ایسے ہیں کہ مقتضی ہیں غایت ادب کو۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آرم بکف	گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

اگر تم باتیں کرتے ہو تو ظاہر ہے کہ ادنی حاکم کے ساتھ جب وقار سے بولتے ہو تو احکم الحاکمین اور حاکم حقیقی سے تو نہایت ادب اور وقار سے باتیں کرنا چاہیئے اور اگر وہ تمہاری زبان سے باتیں کرتے ہیں تب تو اور بھی طمانیت سے پڑھنا چاہیئے اور شاید یہ بات تمہاری سمجھ میں اچھی طرح نہ آئی ہو اسلئے میں اسکی بقدر ضرورت شرح کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آدمی کے تمام افعال کے خالق اللہ تعالی ہیں پس کلام اور چلنا پھرنا جو کچھ یہ کرتا ہے خالق ان افعال کے اللہ تعالی ہیں اور کاسب بندہ ہے

اتنا تو ظاہر ہے مگر اس میں جب غایت غلبۂ فنا سے عبد کی طرف نسبت مستحضر نہ رہے
اُس وقت استحضار نسبت مع اللہ سے گویا وہ فعل حکماً حقتعالیٰ کا ہوگا۔ پس جس وقت یہ
قرآن پڑھے گا۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کلام فرما رہے ہیں۔ اور اُس کا ظہور اسکی زبان سے ہو رہا
ہے۔ جیسے شجرۂ موسیٰؑ سے کلام اللہ کا ظہور ہوا تھا۔ پس اِس کی زبان بمنزلہ ایک
باجہ کے ہوئی۔ پس باجہ بجانے والے کے ذمہ ہے۔ کہ وہ گت ایسی لگا دے کہ جو سچ
مچ گانیوالا ہے۔ اُس کی آواز کے ساتھ ملا دے۔ پس قرآن شریف ایسا پڑھو۔ کہ
جو گویا حق تعالیٰ کے تکلم کے موافق۔ اور اس لئے اُن کی خوشنودی کا سبب ہو۔ میں نے
کئی دوستوں کو یہ تصور بتلایا ہے۔ اور یہ الہامی ہے۔ کہ جب کلام اللہ پڑھے۔ تو یوں
سمجھے۔ کہ حق تعالیٰ پڑھ رہے ہیں۔ اور میرے بدن سے مثل باجہ کے آواز نکل رہی
ہے۔ اپنی آواز کی طرف توجہ اِس حیثیت سے کرے۔ کہ یہ مظہر ہے۔ کلام قدیم باری تعالیٰ
کا۔ اور جس قدر ہو سکے۔ اِس تصور کو بڑھائے۔ پھر دیکھئے قرآن شریف میں کیا لُطف
آتا ہے چنانچہ جس جس نے اِس پر عمل کیا۔ بہت کامیابی ہوئی۔ حاصل یہ ہے۔ کہ ترتیل
سے قرآن پڑھو۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ کہ قرآن کو صحیح کر سکتے ہیں۔ لیکن نہیں
کرتے۔ بریلی میں ایک طالب علم تھے۔ وہ من الجنۃ والناس کو من الجنات والنس پڑھا
کرتے تھے۔ غضب کی بات ہے۔ کہ زواہد ثلثہ اور صدر اوشمس بازغۃ کا تو ایک
حرف بھی نہ چھوٹے۔ اور قرآن کی ایک سطر بھی درست کر کے نہ پڑھیں۔ اور عذر یہ
کرتے ہیں۔ کہ ہم کو اب کیا آویگا۔ بڈھے طوطے بھی کہیں پڑھتے ہیں۔ صاحبو تمہاری
رائے کا اعتبار نہیں۔ قرآن کا سیکھنا فرض ہے۔ اُسکا آجانا فرض نہیں۔ تم کوشش تو کرو۔ اجب
واقفکار قاری یہ کہدیں۔ کہ تم کو نہ آویگا۔ تو تم فرض ادا کر چکے ہو۔ اسکے بعد چھوڑ دیجو۔

چو نکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش	چوں کشاید چابک و برجستہ باش

یعنی جب تم کو کسی کھونٹے سے وہ باندھیں۔ تو بندھے رہو۔ اور جب کھولیں۔ تو چالاک
رہو۔ اور کودو۔ لیکن سیکھنے سے پہلے تو ہر ایک کو چاہئے۔ کہ وہ سیکھے۔ اور کوشش کرے۔
جب ایک دو ہفتہ کے بعد اُستاد فتوٰے دیدے۔ کہ تم کو نہ آویگا۔ پھر نہ سیکھنا۔ اُس
وقت نہ سیکھنے سے تم کو گناہ نہ ہوگا۔ اور صاحبو! میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ یہ سب حیلے
اور عذر ہیں۔ کہ ہم کو نہ آویگا۔ واللہ اگر ابھی گورنمنٹ کی طرف سے حکم ہو جائے۔ کہ سب

سیکھو ورنہ سزا ہو گی۔ یا یہ حکم ہو جائے۔ کہ فی حرف صحیح ہونے پر پانچ روپیہ ملیں گے۔ تو ابھی سب سیکھ لیں۔ اور تمام عذر جاتے رہیں محنت عجیب شئے ہے۔ جانوروں پر محنت کرتے ہیں۔ وہ سدھ جاتے ہیں۔ تم تو آدمی ہو۔ تم کو نہ آنیکے کیا معنے؟ اور اگر بالفرض اگر بعد محنت اور کوشش کے تم کو نہ آوے۔ اور ناکامی ہو۔ تو یہ ناکامی کامیابی سے بڑھ کر ہے۔ اِس لئے کہ یہ ناکامیابی حق تعالےٰ کیطرف سے ہو گی ؎

گر مرادت را مذاق شکر است
بے مرادی نے مراد دلبر است

سیکھنے سے پہلے کی غلطی یہ تو تمہاری غلطی ہے۔ اور اگر سیکھ کر اور کوشش کر کے نااُمّید ہو جاؤ گے۔ تو وہ غلطی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہو گی۔ ایسی غلطی پر ہزاروں صحت قربان ہیں۔ جیسے کوئی بزرگ فرماتے ہیں ؎

بر اشہد تو خندہ زند اسہد بلال رض

بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ کہ اُن کی غلطیاں ہی پسند ہیں۔ بشرطیکہ اُنکے اختیار کو اسمیں دخل نہ ہو پس ایسے غلط خوان بہت سے صحیح خوانوں سے بھی بڑھ کر ہوں گے۔ مثنوی شریف میں حکایت ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک چرواہے پر گذر ہوا۔ کہ وہ کہتا تھا ؎

تا کجائی تا شوم من چاکرت
چارقت دوزم کنم شانہ سرت

یعنی تو کہاں ہے۔ تاکہ میں تیرا چاکر ہوؤں۔ تیری جوتیاں سیئوں۔ تیرے سر میں کنگھی کروں۔

جامہ ات دوزم سپشہائے کشم
شیر پیشت آورم اے محتشم

یعنی تیرا کپڑا سیئوں۔ تیری جوئیں نکالوں۔ تیرے لئے بکریوں کا دودھ لاؤں

ور ترا بیمارئے آید زپیش
من ترا غمخوار باشم ہمچو خویش

اور اگر تجھ کو کوئی بیماری پیش آوے۔ تو میں تیرا غمخوار ہوں گا۔ اپنے کی طرح

دستکت بوسم بمالم پایکت
وقت خواب آید بروبم جائکت

تیری دست بوسی کروں گا۔ تیرے پاؤں سہلاؤنگا۔ سونیکا وقت آویگا۔ تو تیری جگہ صاف کرونگا

گر بہ بینم خانہ ات را من دوام
روغن و شیرت بیارم صبح و شام

اگر میں تیرا گھر دیکھ لوں۔ تو تیرے واسطے دودھ و گھی صبح و شام ہمیشہ لاؤں گا۔

زین نمط بیہودہ میگفت آں شباں
گفت موسیٰ ع با کیستت اے فلاں

اِس طرز سے وہ چرواہا بیہودہ بکتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یہ باتیں تو کس سے کر رہا ہے

گفت باآنکس کہ مارا آفرید
ایں زمین وچرخ ازوآمد پدید

کہا میں اُس سے کہہ رہا ہوں۔ کہ جسنے ہمکو پیدا کیا ہے۔ یہ زمین وفلک اُس سے ظاہر ہوئے ہیں ؎

گفت موسیٰؑ ہائے خیرہ سر شدی
خود مُسلماں ناشدہ کافر شدی

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ہائے تُو تو تباہ ہوگیا۔ مسلمان نہیں رہا۔ کافر ہوگیا۔
اِس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اُسکو بہت دھمکایا۔ اور سمجھایا۔ کہ حق تعالیٰ ان سب حاجات سے پاک ہے۔ اِس کے بعد وہ چرواہا کہتا ہے ؎

گفت اے موسیٰؑ دہانم دوختی
وز پشیمانی تو جانم سوختی

کہا اے موسیٰؑ آپ نے تو میرا مُنہ سی دیا۔ اور ندامت اور پشیمانی سے میری جان پھونکدی۔
اِسکے بعد کپڑے پھاڑ کر جنگل کو چلدیا۔ اِسکے بعد موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی۔ چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

وحی آمد سوئے موسیٰؑ از خدا
بندۂ مارا چرا کردی جُدا

یعنی موسیٰؑ کی طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔ کہ ہمارے بندہ کو آپ نے جُدا کیوں کردیا؟

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

یعنی آپ ہم سے ملانے کے لئے آئے ہیں۔ نہ کہ جدائی ڈالنے کے لئے۔

مُوسیا آداب داناں دیگر اند
سوختہ جاں درد داناں دیگر اند

اے موسیٰؑ عارفین کے آداب اَور ہیں۔ اور سوختہ جان ودل کے آداب اور ہیں۔
دیکھئے شبان موسیٰؑ باوجودیکہ غلطی کر رہا تھا۔ مگر چونکہ دل محبت واخلاص سے لبریز تھے ہوئے تھا۔ اِسلئے اُس کی وہ غلطی اور بے ادبی ہی پسند آئی۔ اِسیطرح سے تمہاری غلطیاں مشق کرنے سے بھی نہ گئیں۔ تو شبانِ موسیٰؑ تو بنجاؤ گے۔ اور اگر غلطیاں جاتی رہیں۔ تو وزیر موسیٰؑ ہو گے۔ بلکہ وزیر محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ اور یہ مت کہو۔ کہ ہم تو گنوار ہیں۔ گاؤں کے ہیں۔ ہماری زبان موٹی ہے۔ بعضے گنوار بھی محنت سے عالم ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رہ کی خدمت میں ایک گوجر[1] آئے۔ اُن کی زبان سے الف بھی درست نہ نکلتا تھا۔ اَلِف کو اَلَف بفتحہ لام کہتے تھے۔ اور ایک وقت وہ آیا کہ حدیث کا درس دیتے تھے۔ نا اُمید نہ ہونا چاہئے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

ہیچ مگو مارا بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

[1] میں نے راجپوت سنا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

اور یہ یاد رکھو۔ کہ بلا محنت و مشقت کچھ نہیں ہوتا۔ اور شاذ و نادر کا اعتبار نہیں چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے۔ کہ اَن پڑھ تھے۔ ایک روز جو صبح کو اُٹھے۔ تو اچھے خاصے عالم تھے۔ چنانچہ انہوں نے عربی میں ایک خطبہ طویل پڑھا جسکی ابتدا یہ تھی الحمد للہ الذی امسیت کردیا و اصبحت بفضلہ عربیا۔ اُن پر ایک شب ہی میں خدا کا فضل ہوگیا۔ لیکن ایسے قصے شاذ و نادر ہوتے ہیں جس نے پایا ہے۔ محنت مشقت ہی سے پایا ہے۔ اور محنت سے مل جانا یہ بھی بڑا فضل ہے۔ لیکن یہاں تو طلب ہی نہیں۔ ورنہ ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

ہمارے اندر در حقیقت طلب نہیں۔ ورنہ اُن کے یہاں تو ناکامیابی بھی کامیابی ہے۔ افسوس اتنی عطا اور کوئی لینے والا نہیں۔ ایک ہفتہ بھی تو کوئی قرآن کی مشق نہیں کرلیتا۔ اگر ابھی گورنمنٹ کا حکم آوے۔ کہ بقدر ضرورت انگریزی سیکھو! ورنہ برخاست کردئیے جاؤ گے۔ تو سب ملازمین ابھی انگریزی دان بنجائیں۔ اگر اللہ میاں کے یہاں بھی یہی حکم ہوتا۔ کہ قرآن صحیح کرو۔ ورنہ روٹی بند ہوجائیگی۔ تو ابھی سب کے قرآن صحیح ہوجاتے۔ اور جو حیلے اور بہانے کرتے ہیں۔ وہ سب دہ جاتے۔ لیکن حق تعالیٰ کی تو وہ شان ہے۔ کہ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ اور دو وقتہ روٹی دیتے ہیں ؎

خدا اے راست مسلم بزرگواری و حلم
کہ جرم بیند و ناں بر قرار میدارد

حاصل یہ ہے۔ کہ قرآن کا حق یہ ہے۔ کہ قرآن کو صحیح کرنا چاہئے تیسرا حق یہ ہے۔ کہ ایسی طرح نہ پڑھو کہ جی گھبراوے۔ اور لوگ اُکتا جاویں یعنی بہت زیادہ نہ پڑھو اور نہ بہت کم پڑھو۔ اس سے بھی بعض اوقات دل تنگ ہوتا ہے۔ اور زیادہ سُننے کا اشتیاق ہوتا ہے۔ اور خوش الحانی سے پڑھو۔ چوتھا حق یہ ہے۔ کہ قرآن کی تجارت نہ کرو۔ اِسکو سُنکر لوگ گھبرائے ہوں گے۔ کہ کیا قرآن کی تجارت بھی ناجائز ہے۔ صاحبو مکتوب قرآن کی تجارت کو میں نہیں کہتا۔ وہ تو جائز ہے۔ میں ملفوظ قرآن کی تجارت کو ناجائز کہتا ہوں۔ بعض حفاظ روپیہ ٹھیرا کر پڑھتے ہیں۔ کہ دس روپیہ لینگے۔ تو پڑھینگے۔ ایسے حفاظ نے قرآن کی قدر کچھ نہ سمجھی۔ قرآن تو وہ شے ہے۔ اور اُسکی قیمت یہ ہے ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ
نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

قرآن پڑھ کر کچھ لینا ناجائز ہونیکے علاوہ بہت ہی کم ہمتی کی بات ہے۔ لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے۔ کہیں سفر میں تھے۔ چوروں نے اُنکو لوٹ لیا۔ صرف ایک لُنگی اُن کے بدن پر رہ گئی۔ کسی مسجد میں آئے۔ قرآن شریف بے انتہا عجیب پڑھتے تھے۔ ایک

رئیس کو خبر ہوئی۔ کہ ایک شخص آئے ہیں۔ اور اس حالت میں ہیں۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ اُن کو رحم آیا۔ جوڑے اور نقد روپیہ اور کھانا ہمراہ لائے۔ اور اُن سب کو ایک طرف رکھدیا۔ لیکن تھے بے عقل۔ اور تمیز نہ تھی۔ بزرگوں کے صحبت یافتہ نہ تھے۔ آکر بیٹھے۔ اور کہا۔ کہ حضرت میری درخواست ہے۔ کہ آپ مجھے کچھ قرآن سنائیے۔ انہوں نے قرآن شریف سنایا۔ اُسنے قرآن سُنکر وہ سب سامان پیش کیا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ بیشک اِس وقت مجھ کو حاجت ہے۔ اور میں ضرور لے لیتا۔ لیکن اِسوقت تو مجھ کو آیت لا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا۔ اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر آپ پہلے دیتے۔ تو لے لیتا۔ اب تو میں ہرگز نہ لوں گا۔ سبحان اللہ کیسے مخلص تھے۔ ایک اور خلوص کی حکایت یاد آئی۔ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے ایک مجمع میں وعظ فرمایا۔ وعظ فرما کر نکل رہے تھے۔ کہ ایک شخص ملا۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ حضرت میں نے وعظ سُنا ہی نہیں۔ فرمایا۔ اچھا پھر کہدوں گا۔ سنو! چنانچہ اکیلے کے سامنے وہی وعظ کہدیا۔ اللہ اکبر کس قدر خلوص ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرات جو کچھ کرتے تھے۔ محض اللہ ہی کے واسطے کرتے تھے۔ اُس میں نفس کی آمیزش نہ ہوتی تھی۔ ہم تو اپنی کہتے ہیں۔ کہ ہم سے اگر کوئی اِس طرح درخواست کرے۔ ہم تو پھر کبھی نہ کہیں۔ بلکہ اگر مجمع کم ہو۔ جب بھی دل نہیں لگتا۔ الغرض اُن بزرگ نے وہ سامان باوجود اصرار کے نہ لیا۔ یہ لوگ تھے۔ امراء اور دولتمند جن کی نظروں میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد تھی۔ اور گرد کیوں نہ ہو جس کے پاس حق تعالیٰ کی دی ہوئی اتنی بڑی دولت ہو۔ وہ سلطنت کی کیا قدر کرے پس اے حفاظ آپ اپنی قدر کیجئے۔ اور دس دس پندرہ پندرہ روپیہ پر رال نہ ٹپکائیے۔ بڑا افسوس ہے۔ کہ قرآن کو بیچا بھی۔ تو کتنے میں۔ دس روپیہ میں۔ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری بڑے ظریف تھے۔ ایک مرتبہ آپ شیعوں کی مجلس میں پہنچے۔ اور فرمانے لگے۔ کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت یزید پر۔ اللہ تعالیٰ بخشے حضرت شمر ذی الجوشن کو بڑے عالی ہمت تھے۔ شیعہ سُنکر کہنے لگے۔ کہ حضرت توبہ کیجئے! کن کافروں کی آپ مدح کر رہے ہیں۔ کہنے لگے۔ کہ بھائی کچھ ہو۔ مگر تھے بڑے عالی ہمت ایمان انہوں نے بیچا تو۔ مگر ملک شام کی سلطنت کے بدلے۔ اب تو کم ہمت بھی ہیں۔ اور بے ایمان بھی۔ کہ آدھ آدھ سیر حلوے پر ایمان بیچتے ہیں۔ شیعہ سُنکر بہت کچے ہوئے۔

ایک عربی کی مثل مشہور ہے۔ ان سرقت فاسرق الدرۃ وان زنیت فازن بالحرۃ۔
قاضی امیر احمد صاحب مرحوم تھانوی جلال آباد میں امام عیدین تھے۔ ایک مرتبہ عید کی نماز کے
بعد ایک خان صاحب نے پانچ روپیہ نذر پیش کئے۔ قاضی صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ آپ اپنے
لائق دیتے ہیں، یا میرے لائق۔ اگر آپ اپنے لائق دیتے ہیں۔ تو آپکی لیاقت اس سے
بہت زیادہ ہے۔ اور اگر میرے لائق آپ دیتے ہیں۔ تو میری لیاقت تو اتنی بھی نہیں اور
واپس فرما دیئے۔ غرض عوض بھی لیا۔ تو اتنا کم کرملنا یا دشتم۔ اے حفاظ تم تو اللہ
کے واسطے پڑھو۔ اور اپنے ثواب کو برباد نہ کرو۔ ایک مسئلہ اور ہے۔ اسمیں مجھسے غلطی ہو
چکی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ میں سمجھا کرتا تھا۔ کہ سامع کو روپیہ لینا جائز ہے۔ میں اسکو تعلیم پر
قیاس کیا کرتا تھا۔ لیکن پھر سمجھ میں آیا۔ کہ سماعت کو تعلیم میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ اس
لئے۔ کہ تعلیم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور سامع کے بتلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔
اور نیز بھولے ہوئے کو بتلانا۔ یہ نماز کی اصلاح ہے۔ اور اصلاح نماز عبادت ہے۔
اس لئے نہ قاری کو جائز ہے۔ اور نہ سامع کو۔ قواعد کلیہ سے۔ یہ دونوں فتوے دیئے ہیں۔
اگر کسی کو اس کے خلاف جزئیہ معلوم ہو۔ تو میں اُس سے بھی رجوع کرلونگا۔ علاوہ عدم
جواز کے میں نے یہ دیکھا ہے۔ کہ پڑھنے پر لینے سے حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر
جائز بھی ہوتا۔ تو اس مرض سے بچنے کے لئے بھی اس سے پرہیز ہی بہتر تھا۔ اور
تعلیم قرآن پر جو فقہاء نے فتویٰ دیدیا ہے۔ اُسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر اُس پر لینا ناجائز
ہو۔ تو تعلیم قرآن گُم ہو جائے۔ اور اُس کا باقی رکھنا ضروری ہے۔ اور تراویح میں اگر
قرآن نہ سناویں۔ تو کسی ضروری امر میں خلل نہیں پڑتا۔ بعض لوگ تاویل کرتے ہیں۔
کہ اگر روپیہ نہ دینگے۔ تو تراویح کا ترک لازم آویگا۔ یہ قیاس صحیح نہیں۔ تراویح ترک
نہ ہوں گی۔ بلکہ ختم قرآن چھوٹ جاویگا۔ اور وہ ضروری نہیں۔ بعض یہ تاویل کرتے
ہیں۔ کہ ہم اللہ کے واسطے پڑھینگے۔ تم اللہ کے واسطے دیدیجو۔ صاحبو! یہ نرے
الفاظ ہی ہیں۔ مطلب صاف یہی ہوتا ہے۔ کہ پڑھنے کی وجہ سے لیتے ہیں۔ یہ نیت
نہیں ہوتی۔ کہ اللہ کیلئے دونوں کام ہونگے۔ بلکہ یہ محض الفاظ اصطلاحی ہو گئے
ہیں۔ یہ الفاظ بولکر ان کے معنے موضوع لہ مراد نہیں لیتے۔ بلکہ اجارہ ہی مراد لیتے
ہیں۔ جیسے ناکروہ بولکر مکروہ۔ اور مخلص سے خالص مراد لیتے ہیں۔ اور علامت

اِس کی یہ ہے۔ کہ اگر اس کہنے کے بعد حافظ جی کو یہ معلوم ہو جاوے۔ کہ یہ لوگ کچھ نہ دیں گے۔
تو اُسی وقت بھاگ جاوینگے۔ یا اگر ختم پر کچھ نہ دیں۔ تو پھر دیکھئے کیا مزہ آتا ہے۔ خوب
لڑائی ہو۔ یا حافظ جی اگر کچھ مہذب ہوئے۔ تو لڑائی تو نہ ہو گی۔ لیکن دل میں تو یہ ضرور سمجھینگے۔ کہ
ان لوگوں نے حق تلفی کی۔ غرض کہ کچھ بھی مت لو۔ اور منجملہ منکرات کے مٹھائی تقسیم
کرنا ہے۔ اسکو چونکہ لوگ ضروری سمجھنے لگے ہیں۔ اِسلئے اِسکو بھی چھوڑنا چاہئے۔
اگر تم کو قرآن شریف ختم ہونے کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ گھر جاکر۔ اور مٹھائی منگا کر۔ سب
کے یہاں حصے لگا کر بھیجدو۔ مسجد میں تقسیم نہ کرو۔ اور ایسے ہی خرچ کرنیوالے ہو۔ تو
اناج تقسیم کرو۔ روپیہ تقسیم کرو۔ کوئی بکرا گائے ذبح کرکے تقسیم کردو۔ مٹھائی ہونا فرض
نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب سورۂ بقر ختم ہوئی۔ تو اُنہوں نے
ایک اونٹنی ذبح کی تھی۔ مسجد میں تقسیم کرنے سے بڑی بے لطفی اور مسجد کی بے ادبی
ہوتی ہے۔ اور بڑا شوروغل ہوتا ہے۔ لکھنؤ میں ایک ہمارے دوست تھے۔ وہ کبھی
مجلس مولد کیا کرتے تھے۔ مگر منکرات سے خالی۔ گو ہم مفاسد عوام کے سبب اسکو بھی
پسند نہیں کرتے۔ غرض وہ یہ عمل کرتے۔ اور جس جس کو بلانا ہو۔ فہرست کے ساتھ مٹھائی
بھیجدیتے تھے۔ اب جس کا جی چاہے آوے۔ جسکا جی چاہے نہ آوے۔ اور نیز اب
جو کوئی آویگا۔ تو خلوص سے آویگا۔ مٹھائی کے لالچ میں نہ آویگا۔ اور ختم بیان پر بیس پچیس
روپے کے پیسے غربا و مساکین کو تقسیم کردیتے۔ اور پھر کچھ مٹھائی ہی ہونا ضروری
نہیں۔ ہمنے ایک مرتبہ اپنے ختم قرآن کے شکریہ میں کباب تقسیم کئے تھے۔ اور تقسیم کا
وقت بھی بدل دیا۔ افطار کے وقت تقسیم کردیئے۔ ایک قاری صاحب تھے۔ وہ گوشت
روٹی کی دعوت کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ اِن مولویوں نے سب خرچ بند کردیئے
صاحبو! خرچ کو کون بند کرتا ہے۔ میں نے تو بہت سی صورتیں خرچ کی بتلادی ہیں۔
مٹھائی کو جو منع کیا جاتا ہے۔ سو منکرات کی وجہ سے روکا جاتا ہے۔ منجملہ منکرات کے
یہ بھی ہے۔ کہ اُسکا التزام ہوتا ہے۔ کہ کوئی آدمی محروم نہ جاوے۔ ورنہ بڑی بدنامی
ہو گی۔ عرب کے لوگ خوب ہیں۔ جہانتک شئے تقسیم ہوسکتی ہے کرتے ہیں۔ ورنہ کہدیتے
ہیں۔ کہ بس خلاص۔ وہاں اُسکی پرواہ نہیں ہے۔ کہ بدنامی ہو گی۔ اور اس مٹھائی کی
بدولت کیا ہوتا ہے۔ کبھی ایک صاحب امام صاحب کے پاس آتے ہیں۔ کہ حافظ جی کچھ

عرض کرتا ہے۔ آہستہ سے کہا۔ کہ بازار آدمی گیا ہے مٹھائی کے لئے۔ ذرا تھام تھام کر پڑھیو! اب حافظ صاحب اور دنوں میں تو آدھ گھنٹے میں دو پارہ پڑھتے تھے۔ آج خوب کھینچ کھینچ کر اور آواز بنا بنا کر پڑھتے ہیں جب دیکھا۔ کہ آ گیا پھر جلدی جلدی پڑھ کر ختم کر دیا۔ ایک سب سے بڑھ کر خرابی یہ ہے۔ کہ مٹھائی کیلئے چندہ ہوتا ہے۔ اور وجیہ آدمی وصول کرنے والے ہوتے ہیں۔ جو اپنی وجاہت سے غربا کو دبا کر وصول کرتے ہیں۔ اگر کسی نے بہر دیئے۔ تو کہتے ہیں۔ کہ میاں تم چار ہی آنہ دیتے ہو۔ تم سے تو ایک روپیہ لینگے۔ وہ بیچارا شرما جاتا ہے۔ جب اس مٹھائی کے اندر یہ خرابیاں ہیں۔ تو بتلائیے! کہاں تک صبر کیا جائے۔ کیوں نہ روکا جائے سہ

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است ۔ اگر خاموش بنشینم گناہ است

غرض یہ مٹھائی کیا ہے۔ مجذوب کا لنگوٹا ہے۔ جسکی وجہ سے بہت سے منکرات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک مجذوب صاحب برہنہ رہا کرتے تھے۔ معتقدوں نے عرض کیا۔ کہ حضور آپ ننگے برے معلوم ہوتے ہیں۔ کم از کم لنگوٹا ہی باندھ لیجئے! کہنے سننے سے انہوں نے لنگوٹا باندھ لیا۔ اب جو کچھ کھاتے پیتے۔ چونکہ ہوش تو درست نہ تھے۔ وہ لنگوٹے پر بھی گر جاتا۔ اور وہ چکنا ہو جاتا۔ اسکو چوہے کاٹنے لگے۔ چوہوں کو دفع کرنے کیلئے ایک بلی پالی گئی۔ اس نے یہ خرابی کی۔ کہ جو کچھ شاہ صاحب کے لئے دودھ وغیرہ رکھا ہوتا۔ وہ کھا جاتی اسلئے حفاظت کیواسطے ایک کتا رکھا گیا۔ کتا بھی کچھ نقصان کرنے لگا۔ تو ان سب کی نگرانی کے لئے ایک آدمی رکھا گیا۔ وہ آدمی آوارہ سا تھا۔ ادھر ادھر جاتا تھا۔ یہ تجویز ہوا۔ کہ اسکا نکاح کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اسکا نکاح کر دیا گیا۔ اس کے کئی بچے ہو گئے۔ ایک روز مجذوب صاحب جو افاقہ کی حالت میں آئے۔ تو دیکھا بلی ہے۔ کتا ہے۔ مرد اور عورت بہت بکھیڑا جمع ہے۔ پوچھا۔ کہ یہ کیا ہے۔ سارا قصہ سنایا۔ مجذوب صاحب نے کہا۔ کہ آہا یہ سب اس لنگوٹے کی وجہ سے ہوا۔ جاؤ ہم لنگوٹا نہیں رکھتے۔ اور یہ کہہ کر لنگوٹا کھول کر پھینک دیا۔ تو صاحبو! جس مٹھائی کی وجہ سے اسقدر منکرات لازم آئیں۔ اسکو ترک کر دینا چاہیئے۔ ختم کے روز ایک اور خرابی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اس دن حافظ جی کا مصلا کیا ہوتا ہے۔ پنساری کی دکان ہوتی ہے۔ کہیں اجوائن کی پڑیاں رکھی ہیں۔ کہیں سیاہ مرچیں۔ کوئی ان صاحبوں سے پوچھے۔ کہ ان حافظ صاحب نے

قرآن تمہاری اجوائن ہی کے لئے پڑھا تھا۔ یاد رکھو کہ اجوائن پر دم کرانا یہ دنیا کا کام ہے۔ دین کے کام کی غایت دنیا کو بنانا بہت نازیبا ہے۔ اور تعویذ و نقش لکھنا اس کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ وہ خود دُنیا ہی کا کام ہے تو اسکی غایت دُنیا ہونا مضایقہ نہیں۔ وہ تو ایسا ہے جیسے حکیم جی کا نسخے لکھنا عبادت نہیں ہے۔ اُسپر اگر اجرت بھی لے تو کچھ حرج نہیں۔ اور قراءۃ قرآن عبادت ہے۔ اُسکی غایت اور ثمرہ صرف آخرت ہیں ملیگا۔ اسکی صریح دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ یعنی قرآن پڑھو اور اسکے عوض میں کھاؤ نہیں۔ ایک حدیث یہ اور ایک دوسری حدیث شریف میں ایک اور قصہ آیا ہے وہ یہ ہے کہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم سفر میں تھے ایک گاؤں میں گذر ہوا اُن گاؤں والوں نے اُن کو کھانا تک نہ کھلایا۔ اتفاقاً وہاں ایک شخص کے سانپ نے کاٹ لیا۔ ایک شخص اُن کے پاس آیا اور پوچھا افیکم راق یعنی کیا تمہارے میں کوئی منتر پڑھنے والا ہے۔ ایک صحابی تشریف لے گئے اور یہ کہا کہ ہم جب دم کرینگے جبکہ ہم کو سو بکریاں دو۔ انہوں نے وعدہ کرلیا۔ اُنہوں نے سورہ فاتحہ پڑھکر دم کردیا۔ سبحان اللہ اُن حضرات کی کیا پاکیزہ زبان تھی فوراً شفا ہوگئی۔ ایسا ہوگیا جیسے رسّی میں سے کھولدیتے ہیں اُس شخص نے حسبِ وعدہ سو بکریاں دیں۔ وہ لیکر اپنے ساتھیوں میں آئے۔ بعض نے کہا کہ لینا اِن کا حلال ہے بعض نے کہا حرام۔ جب حضورؐ کے یہاں حاضر ہوئے تو اسکا استفسار کیا گیا۔ فرمایا ان احق ما اخذ تم علیہ کتاب اللہ یعنی جس شئے پر تم اُجرت لیتے ہو اُس میں سب سے احق کتاب اللہ ہے اور بلا اندیشہ کھاؤ بلکہ میرا حصہ بھی لگاؤ۔ اب بظاہر اس حدیث میں اور حدیث سابق میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن فی الواقع کچھ بھی تعارض نہیں۔ اِس قصہ میں تو قرآن کو جھاڑ پھونک کے طور پر پڑھا گیا ہے اور اِسطور سے پڑھنا عبادت نہیں ہے اِس لئے اُسپر معاوضہ لینا جائز ہے اور اقرؤا القرآن لا تاکلوا بہ میں قراءۃ قرآن سے مراد قراءۃ بطور عبادت ہے۔ اِسلئے اُسپر معاوضہ لینا حرام اور دین کو دُنیا سے بدلنا ہے اسیطرح اجوائن پر قرآن کو دم کرانا یہ دین کی غایت دنیا کو بنانا ہے اور بہت بے ادبی ہے اور قرآن کو اُس کے مرتبہ سے گھٹانا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ناجائز ہے لیکن

پیٹ بھر کر بے ادبی ہے۔ صاحبو یہ قرآن تو وہ ہے جسکی نسبت ارشاد ہے ان تخالط بلحمی ودمی وعظمی اے اللہ قرآن کو آپ میرے گوشت۔ خون اور ہڈیوں میں خلط کر دیجئے۔ یعنی میرے تمام جسم کو قرآن سے متاثر کر دیجئے۔ یہ ہے قرآن کی غایت۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تو نیا مسئلہ ہے۔ صاحبو یہ نیا نہیں پرانی بات ہے اگر نئی ہے تو بتلاؤ یا کسی تاریخ میں دکھلاؤ کہ صحابہؓ نے قرآن کو عبادت کے طور پر ختم کر کے اجواین پر دم کیا ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سے منکرات ہیں اسوقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ نماز کے حقوق اول بیان ہو چکے ہیں۔ یہ قرآن کے حقوق ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حقوق کو پوری طرح ادا کرنا چاہیئے۔ جب حقوق ادا کئے جاوینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ مصالح اور حکمتیں کہ جن کے لئے یہ عبادتیں موضوع ہوئی ہیں ان پر مرتب ہونگی۔ اور اگر حقوق ادا نہ کئے تو وہ خاصیتیں ظاہر نہ ہونگی۔ مجھ کو بس اسیقدر بیان کرنا تھا۔ اس سے پہلے حقوق صوم بیان ہو چکے ہیں جو کہ فرض ہے اور یہ سنت کے حقوق ہو گئے۔ باقی ایک مضمون اور بیان کرنیوالا تھا وہ یہ ہے کہ ایک خاصیت تو روزہ اور نماز کی اُن کی صورت نوعیہ کے اعتبار سے ہے اُس میں تخصیص فرض اور سُنت کی نہیں ہے دونوں کو عام ہے وہ تو بیان ہو گئی۔ اور ایک خاصیت اُن کی فرض اور سُنت ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی نماز اور روزہ فرض کی خاصیت جدا ہے اور نماز اور روزہ سنت کی خاصیت جدا اور یہ خواص قرب فرائض و قرب نوافل اصطلاح میں کہلاتے ہیں لیکن چونکہ وقت نہیں رہا اس لئے اگر کسی موقعہ پر یاد رہا تو کیا عجب ہے کہ بیان ہو جائے ورنہ جس کی ضرورت تھی وہ مضمون بیان ہو گیا

ہے۔ اب اللہ تعالےٰ سے دُعا

کیجئے کہ توفیق عطا فرماویں فقط

آمین

التہذیب نمبر (۴)

این	متیٰ	کم	کیف	لم	ماذا	من ای شان	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ نافع ہے	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۱۰ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ	۱ گھنٹہ ۳۰ منٹ	بیٹھ کر	.	اعتکاف کی حکمتیں اور فضیلت	عموماً	محمد عبداللہ علی گنگوہی	۵۰۰	.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ فَاْوٗا اِلَی الْکَھْفِ یَنْشُرْ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ وَیُھَیِّئْ لَکُمْ مِّنْ اَمْرِکُمْ مِّرْفَقًا - میں نے اس سے پہلے تین جمعوں میں مبسوط طور سے بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حکم و مصالح کے لئے اس ماہ مبارک میں روزہ اور قیام لیل یہ دو عبادتیں مشروع فرمائی ہیں۔ اور ان حکم و مصالح کو بھی مختصرا بیان کیا تھا اور یہ بات بھی بتلائی تھی کہ حقیقت ان عبادات کی مجاہدہ اور بعض امراض باطنیہ کا معالجہ ہے کہ جس میں بعض امراض کے معالجہ میں قیام لیل کو دخل ہے۔ اور بعض میں روزہ کو دخل ہے۔ اور یہ بھی بتلایا تھا کہ وہ حکم و مصالح جب مرتب ہوتے

ہیں کہ جبکہ حقوق اُن کے ادا کئے جاویں اور اُن حقوق کو بھی بیان کیا تھا اور تمہید میں یہ بھی بیان کیا تھا کہ اِن مجاہدات کی تکمیل کے لئے اور اُن پر آثار مرتب ہونے کے لئے اکثر عادتاً ضرورت ہوتی ہے۔ ایک خاص طریق کی اور وہ طریق خلوت ہے اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ وہ آثار کیونکر مرتب ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ اُس خلوت کا طریقہ اور دستور العمل بھی شریعت نے مقرر فرمایا ہے جسکا لقب اصطلاح شریعت میں اعتکاف ہے۔ اعتکاف کے سوا اور سب مضامین تو مفصلاً بیان ہو چکے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس مکمل مجاہدات کو جسکا لقب اعتکاف ہے مفصلاً بیان کر دیا جائے اور ہر چند کہ ترتیب کا مقتضی یہ تھا کہ یہ مضمون اِس جمعہ سے پہلے بیان کیا جاتا اسلئے کہ اعتکاف مسنون کا وقت ۲۰ تاریخ کی شام سے ہے اور آج ۲۱ ہے لیکن اب بھی غیر مناسب نہیں ہے اسلئے کہ ابھی صرف ایک ہی شب گذری ہے جنہوں نے اعتکاف شروع کر دیا ہے اُن کو تو عدم تقدم بیان کا ظاہر ہے کہ مضر نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ آیا مفید بھی ہے سو اس حیثیت سے اُن کو یہ مضمون مفید بھی ہے کہ گو اُنہوں نے اعتکاف شروع کر دیا ہے لیکن اس کی حقیقت سے آگاہی نہیں اسکو سنکر اُسکی حقیقت منکشف ہو کر زیادتی بصیرت حاصل ہوگی اور اس سے زیادہ خلوص ہوگا۔ اور جنہوں نے اعتکاف نہیں کیا ہے اُن کو البتہ عدم تقدم کے مضر ہونیکا احتمال ہے لیکن مضر اس لئے نہیں کہ انکو اگر دس دن نہیں ملے تو ایکدن کم تو مل سکتا ہے بلکہ حقتعالیٰ کے یہاں اگر مقبول ہو جائے تو ایکدن بھی کافی ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گرچہ کرتے ہیں بہت سی نالہ و فریاد ہم	بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہونچے وہاں

نیز ایک تدارک اسکا یوں ہو سکتا ہے کہ کوئی عبادت غیر فریضہ اگر فوت ہو جائے اور اُسپر قلق اور افسوس ہو تو حقتعالیٰ اُسپر بھی اُتنا ہی ثواب عطا فرما دیتے ہیں کہ جسقدر اُس عبادت کے کرنے سے ملتا۔ بلکہ بعض بزرگوں سے تو بعض باوقعت عبادتوں کی نسبت ایسے قصے منقول ہیں کہ اُنہوں نے دوسروں کے تاسف اور حسرت کو اپنی عبادت پر ترجیح دی ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے۔ ایک شخص ملا اور اُسنے پوچھا کہ جماعت ہو چکی

حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ ہو چکی۔ اُسنے ایک آہ سرد کھینچی۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ تم اپنی آہ مجھ کو دیدو اور میری جماعت کا اجر تم لیلو۔ وہ شخص عارف تھا جیسا عنقریب اُس کے جواب سے معلوم ہوگا۔ لیکن حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے باوجود اس کے کہ بڑے عارف کامل تھے اُس شخص کو پہچانا نہیں۔ اور یہ نہ پہچاننا کوئی عجیب بات نہیں۔ اگرچہ مشہور تو یہ ہے کہ ولی را ولی می شناسد مگر یہ کلیتہً صحیح نہیں۔ ہاں ولی را نبی می شناسد یہ صحیح ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نسبتیں مختلف ہوتی ہیں ہر ایک ولی کی نسبت کا رنگ جُدا ہوتا ہے۔ اسپر ایک اور حکایت یاد آگئی حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ میں سب اولیاء اللہ کو پہچانتا ہوں لیکن ایک مرتبہ ایک مجمع تھا وہاں حدیثوں کا تذکرہ ہو رہا تھا اور وہاں ایک شخص علیحدہ نماز پڑھتا تھا میں نے اُس سے کہا کہ بھائی تم اِس مجمع میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔ وہ شخص صاحب حال تھے اُنہوں نے جو جواب دیا وہ گو بظاہر قواعد شرعیہ پر منطبق نہیں ہوتا مگر واقع میں خلاف نہیں۔ جواب یہ دیا کہ بتلاؤ کہ یہ لوگ کس سے روایت حدیث کی بیان کرتے ہیں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ سفیان اور اوزاعی وغیرہما سے کہا کہ جو خود اللہ تعالیٰ سے حدیث بیان کرے اسکو کیا ضرورت ہے کہ سفیان اور اوزاعی سے بیان کرے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ تم ایسے ہو کہا دلیل اس کی یہ ہے کہ میں تم کو پہچانتا ہوں اور تم مجھ کو نہیں پہچانتے تم خضر ہو اور تم تو بتلاؤ کہ میں کون ہوں۔ خضر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُس روز مجھ کو معلوم ہوا کہ بعض اہل ولایت کو میں بھی نہیں پہچانتا۔ سچ ہے اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوائی ایسے حضرات سے ارشاد اور تلقین بھی بہت کم ہوتا ہے مگر اُن کو اس کی کچھ پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ ہم سے کسی کو نفع نہیں۔ حضرت احمد جامؒ اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار	دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

اور اس جواب کا واقع میں خلاف قواعد نہ ہونا اِسطرح سے ہے کہ وہ حدیثیں مضامین ضروریہ کی نہ ہونگی یا اُن کو پہلے سے معلوم ہونگی۔ اور جس حالت میں وہ

مشغول تھے وہ بجز وقت ضروری ہوگا۔ اُس ضروری کو حدیث من اللہ سے تعبیر فرما کر یہ جواب دیا۔ غرض حضرت ابراہیم بن ادہم اتنے بڑے تو عارف کامل لیکن اُس شخص کو نہ پہچانا۔ اسیطرح حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا ایک مسجد میں جو کہ ایک ویرانہ میں تھی گذر ہوا۔ منتظر تھے کہ کوئی آجاوے تو جماعت سے نماز پڑھ لیں لیکن وہاں ویرانہ تھا اسلئے اُمید نہ تھی کہ کوئی یہاں آئیگا مگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی مراد پوری کرتے ہیں می دہد یزداں مراد متقی۔ اسپر ایک حکایت اور یاد آگئی ایک بزرگ تھے جماعت کے بڑے پابند تھے سفر میں حضر میں کبھی اُنکی جماعت فوت نہ ہوتی تھی۔ اور اگر سفر کرتے تھے تو ایسی طرح کرتے تھے کہ نماز کے وقت کسی مسجد میں جا پہنچیں۔ ایک مرتبہ سفر میں تھے اتفاقاً اُس روز نماز کا وقت راستہ میں آگیا گاڑیبان ہندو تھا اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ آج میری جماعت فوت ہوتی ہے غیب سے کوئی سبب میری جماعت کا کر دیجے ورنہ مجھ کو سخت قلق ہوگا کہ مجھ سے برداشت نہ ہوسکیگا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے نیک بندوں کی مراد پوری فرمایا کرتے ہیں۔ گاڑیبان آیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے مسلمان کر لیجئے فرمایا تو کیوں مسلمان ہوتا ہے کہا کہ دفعتہً میرے جی میں آگیا۔ اُن بزرگ نے اُسکو غسل دلایا اور کلمہ شہادت پڑھایا اور کہا کہ آؤ میرے برابر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ الحاصل حضرت سلطان جی رح کو بھی آرزو ہوئی کہ جماعت سے نماز پڑھوں اتفاق سے ایک لکڑہارا موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آیا اور السلام علیکم کہا سلطان جی نے فرمایا کہ میاں وضو کر لو۔ کہنے لگا اے نظام الدین کیا مسلمان بھی بے وضو رہا کرتا ہے۔ الوضوء سلاح المومن یہ تو مسلمان کی ادنیٰ بات ہے کہ باوضو رہے۔ حضرت بہت حیران ہوئے کہ یہ کون ہے کہ جو مجھ کو جانتا ہے۔ اور میں نہیں جانتا۔ حضرت نے نظر بصیرت سے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ بڑا صاحب مقام شخص ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ ولی کو ولی ضرور پہچانے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہم نے اُس آہ کرنے والے کو نہ پہچانا اُسنے جواب دیا کہ میاں جاؤ کسی اور کو بہکانا۔ میں ایسا مبادلہ نہیں کیا کرتا۔ لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ حقیقت میں مبادلہ مقصود تھا یا مبادلہ کرنے سے مبادلہ ہو جاتا بلکہ مقصود اس کہنے سے اسکی اصلاح تھے

شرف کا اظہار تھا اسلئے کہ مقصود تمام اعمال سے اپنے اور اپنے اعمال پر سے نظر کا اٹھ جانا اور اپنا فقر اور عجز کا پیش نظر ہو جانا ہے تو اُس شخص کو اُسوقت یہ صفت حاصل تھی اس لئے اُس کی تمنا کی لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب مُردہ کو یا زندہ کو دیدے جسطرح مُردہ کو ثواب پہونچتا ہے اسیطرح زندہ کو بھی پہونچ جاتا ہے اور اُسکی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں قصہ وارد ہوا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس چند شخص مقام ابلہ کے آئے۔ حضرت ابوہریرہ نے پوچھا کہ تمہارے یہاں ایک مسجد عشار ہے کوئی ایسا ہے جو وہاں جاکر دو رکعت پڑھے اور یوں کہدے ھذہ لابی ھریرۃ یعنی یہ دو رکعتیں ابوہریرۃ کے لئے ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابی کا غیر مدرک بالقیاس قول حکماً مرفوع ہوتا ہے۔ پس حضرت ابوہریرہ کا یہ فرمانا مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ پس زندہ کو بھی ثواب دینے سے ملجاتا ہے۔ القصہ اُس شخص نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے کہا کہ میاں جاؤ کسی بیوقوف کو بہکانا۔ میری آہ کا وہ ثواب ہے کہ میں تمام جہان کے عوض میں بھی نہ بدلوں۔ مگر یاد رکھو وہ عارف تھا اُسکو اپنی آہ کا ثواب مکشوف ہوا ہو گا اس لئے کوئی ذہین آدمی یہ استنباط نہ کرے کہ یہ تو بہت سہل نسخہ بتلا دیا بس نماز روزہ کی جگہ آہ ہی کر لیا کرینگے اسلئے کہ یہ تو اُس شخص کا حال تھا کہ باوجود کوشش کے نیک عمل اُس سے فوت ہو گیا ہو۔ بہر حال اگر ایک دن فوت ہو گیا ہے تو اعتکاف کی فضیلت سُنکر جس شخص کو ایک دن کے فوت ہونے پر حسرت ہو گی اُسکا تدارک اس طور سے ہو جاویگا۔ پس یہ مضمون دونوں فریق کے لئے نافع ہے۔ اب مقصود شروع ہوتا ہے۔ اعتکاف کی حقیقت تو میری تقریر سابق سے معلوم ہو گئی ہو گی کہ حقیقت اُسکی خلوت ہے لیکن مطلق خلوت نہیں ہے، بلکہ خاص خاص حکمتوں اور خاص خاص قیود و شروط کے ساتھ بھی امتیاز ہے۔ اس کو حکماء و جوگیہ کی خلوتوں سے یہ اعمال اُن کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں لیکن ہمارے یہاں مکمل ہیں اور اُن کے یہاں ناتمام اور غیر مکمل ہیں۔ چنانچہ پہلے اس مضمون کو بھی بیان کیا گیا ہے جسطور سے ہمارے یہاں مقرر کیا گیا ہے حکماء کا ذہن وہاں کیسے پہونچ سکتا ہے۔ میرے چھوٹے بھائی نے ایک ملحد کو خوب جواب

دیا تھا اُس نے کہا تھا کہ ہمارا دین معقول ہے - اُس کے سب مسائل عقل کے موافق سمجھ میں آتے ہیں اور تمہارے مذہب کے بہت سے مسائل عقل سے سمجھ میں نہیں آتے بھائی نے کہا کہ یہی دلیل ہے اِسبات کی کہ ہمارا مذہب سچا ہے جبکہ ہمارے نوکروں کو ہمارے خانگی اسرار تک رسائی نہیں اور اُنکی عقل میں نہیں آتے حالانکہ اُن کو ہم سے نسبت ہے کہ وہ اور ہم حقیقت واحدہ میں شریک ہیں تو بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے اسرار پر کیسے مطلع ہو سکتا ہے - آسمانی اور الٰہی مذہب کی علامت ہی یہ ہے کہ اُس کی کوئی بات تو سمجھ میں آوے اور کوئی نہ آوے - اور اگر ہر بات سمجھ میں آجاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے جیسے آدمیوں کا بنایا ہوا ہے کہ اُن کے اسرار تک ہماری رسائی بھی ہو سکتی ہے - پس اللہ تعالیٰ کی وضع کی برابری کسی حکیم و فلسفی کی وضع کیسے کر سکتی ہے - غرض وہ لوگ بھی مجاہدات کی اعانت کے لئے خلوت اختیار رکھتے تھے اور حکمت اسمیں یہ ہے کہ خلوت میں جمعیت اور یکسوئی ہوتی ہے اور اِسی پر مدار ہے تمام مجاہدات کے ثمرات کا اور خلوت میں یکسوئی اِسلئے ہوتی ہے کہ پریشانی قلب کے اسباب مختلف ہیں بعض آفاقی ہیں بعض انفسی ہیں یا یوں کہو کہ بعض خارجی ہیں بعض داخلی یعنی بعضے اسباب تو ایسے ہیں کہ اِس شخص کے اندر وہ نہیں ہیں بلکہ خارج سے اُسکو لاحق ہوتے ہیں اور بعض اسباب ایسے ہیں کہ خود اسکے نفس کے اندر ہیں لیکن منشاء اُنکا بھی کوئی امر خارجی ہی ہے اور خلوت میں سب قطع ہو جاتے ہیں - اور جو نفس میں باقی بھی رہتے ہیں وہ بھی خارج ہی سے حاصل شدہ ہوتے ہیں - دیکھئے مجمع میں جب آدمی ہے تو ہر قسم کی صورتیں اُسکو نظر آتی ہیں اور ہر قسم کی باتیں سُننے میں آتی ہیں کوئی ناگوار بات معلوم ہوتی ہے اور کوئی گوارا ہوتی ہے - بعض اوقات سخت سخت پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اور خلوت میں یہ سب کم ہو جاتے ہیں اِسیواسطے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بزرگے دیدم اندر کہسارے	قناعت کردہ از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی	کہ بارے بندے از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویاں لغزند	چوں گل بسیار شد پیلاں بلغزند

بڑی بڑی آفتیں اور بڑے بڑے واقعات مجمع میں بیٹھنے سے پیش آجاتے ہیں تو پریشانی کے تمام اسباب خارج ہی سے آتے ہیں باقی رہی یہ بات کہ کوئی کہے کہ خلوت میں بھی تو پریشانی ہوتی ہے اس لئے کہ ذہن میں حسینوں کی مثلاً صورتیں ہیں یا کسی اور شئے کی صورت ہے وہ قلب کو پریشان کرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ صورتیں بھی خارج ہی سے آئی ہیں اسلئے کہ اُن حسینوں کو دیکھا ہے اسلئے پریشانی ہوتی ہوتی ہے۔ اور اگر خلوت میں رہتا اور نہ دیکھتا تو ہرگز پریشانی نہ ہوتی پس خلوت میں بیٹھ کر جو صورتیں پریشان کرتی ہیں وہ بحیثیت ذہن میں ہونے کے پریشان کن نہیں ہیں بلکہ بحیثیت اس کے کہ انہا استفادۃ عن الخارج باعث تشتت ہوتی ہیں ورنہ اگر بغیر کسی کو دیکھے ہوئے خود ذہن کسی حسین کی صورت تراشے تو ہم دعوی کرتے ہیں کہ خواہ احسن سے احسن صورت کا اختراع کرے ہرگز وہ قلب کو پریشان نہ کریگی۔ پس یہ آفت لگائی ہوئی صورت خارجیہ ہی کی ہے پس پریشانی باطنی ہمیشہ سبب ظاہری کا مسبب ہوتی ہے اور خلوت میں چونکہ وہ اسباب قطع ہو جاتے ہیں اسلئے وہی ذخیرہ رہ جاتا ہے جو پہلے سے قلب میں ہوتا ہے آئندہ کو آمدنی بند ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ بقیہ بھی نکل جاتا ہے۔ چنانچہ جسوقت خلوت میں بیٹھا ہوا یہ کسی صورت کو سوچ رہا تھا تو اسوقت اُسکا تصور ضعیف تھا اگر عین تصور کے وقت وہ ہی حسین وہاں کو گذر جائے تو ایک بجلی سی دل پر گریگی اور وہ پریشانی اور زیادہ ترقی پذیر ہوگی۔ اور اگر اُس سے بھاگے اور اپنے پاس نہ آنے دے قصداً خیال کو نہ لاوے اور اگر خیال خود آوے تو فوراً دوسرے خیال کو غالب کردے تو چند روز اس طریق پر عمل کرنے سے وہ خیال خود ضعیف ہو کر قلب سے نکلجائے گا اور پریشانی جاتی رہیگی۔ یہ جو لوگ مدتوں پریشان رہتے ہیں اپنے ہاتھوں رہتے ہیں ورنہ وہ صورت تو خود بخود زائل ہو جاتی ہے۔ خود بیٹھ کر سوچتے ہیں اور اُس سے مزے لیتے ہیں اور ملنا بولنا دیکھنا چھوڑتے نہیں اسلئے یہ بلا اور زیادہ لازم ہو جاتی ہے۔ شیخ رح نے جو بوستاں میں باب عشق لکھا ہے اُسکی نسبت وہ لکھتے ہیں ؎

باب سوم عشق است مستی و شور		نہ عشقے کہ بر خود نہ بندند بزور	

یعنی تیسرا باب عشق حقیقی کے بیان میں ہے - وہ عشق مراد نہیں کہ جسکو زبردستی اپنے اوپر لپیٹ لیں - اس سے خود معلوم ہو گیا کہ عشق مجازی کو لوگ اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لادتے ہیں خود بخود نہیں ہوتا اور جو بلاقصد ہو بھی جاتا ہے تو اسکو اسی حد پر قائم رکھکر اُسکے دفع کی فکر نہیں کرتے بلکہ محبوب کے ملنے اور بولنے اور دیکھنے کی تمنائیں کرتے ہیں ایسے ہی عشق کی نسبت کوئی حکیم فرماتے ہیں ؎

این نہ عشق است اینکہ در مردم بود	این فساد از خوردن گندم بود

اگر دفع کرنا چاہتے تو دفع ہو سکتا تھا اسکی ایسی مثال ہے جیسے تمباکو کہ ایک مرتبہ کھایا طبیعت پریشان ہوتی سر چکرایا بیہوش ہو گئے اب مناسب یہ تھا کہ پھر اسکے پاس نہ جاتے لیکن پھر کھاتے ہیں حتی کہ رفتہ رفتہ ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ پھر چھوٹتی نہیں اسیطرح افیون اور شراب کی عادت ہے - بعضوں کو جوتے کھانے میں مزہ آتا ہے کہ بغیر جوتے لگے اُن کو تسلی نہیں ہوتی - ایسے لوگ مصالحہ طلب کہلاتے ہیں اپنا اپنا مزہ ہے کسی کو کہیں میں مزہ آتا ہے کسی کو کہیں میں ہم تو اسکو بے حسی سے تعبیر کرینگے جیسے ایک غیر ملکی گنوار ہندوستان کی سیر کے لئے آیا - ایک حلوائی کی دوکان پر پہنچا اور بغیر اجازت کھانا شروع کیا حلوائی نے پولیس کو اطلاع کی - پولیس والوں نے یہ سزا تجویز کی کہ اسکا منہ کالا کرکے اور گدھے پر سوار کرکے اسکو تمام شہر میں گھمایا جاوے اور پیچھے پیچھے لڑکے تالیاں بجاویں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - جب یہ اپنے ملک پہونچے تو اہل وطن نے پوچھا آغا ہندوستان رفتہ بودی چہ طور یافتی - کہا ہندوستان خوب ملک ہست حلوا خوردن مفت است سواری خر مفت است فوج طفلاں مفت است ڈم ڈم مفت است ہندوستان خوب ملک است - تو جیسے اِن آغا صاحب کو اپنی رسوائی اور بے آبروئی کی حس نہیں ہوئی - اسیطرح لوگوں کو معاصی میں مزہ آتا ہے اور جو اُسمیں کدورت و پریشانی ہے اُسکا ادراک نہیں ہوتا بہر حال اس عشق مجازی میں یہ صفت ہے کہ یہ سریع الزوال ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی مقوی اسکو نہ پہونچے - اسکی ایسی مثال ہے جیسے سلیٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ خود بخود مٹ جاتا ہے - اسیطرح ذہن میں جو صورت آجاتی ہے اگر اسکو جمایا نہ جاوے تو وہ خود بخود محو ہو جاویگی - ہاں اگر چاقو سے سلیٹ پر حرف لکھ دے

تو اُن کا زائل ہونا واقعی مشکل ہو۔ اسیطرح اگر مراقبہ کر کر کے اُس صورت کو جما یا جاوے تو اسکا زوال مشکل ہے بلکہ نہیں نکلتی حتی کہ مرنے کے وقت بھی نہیں جاتی۔ ایک شخص کسی امرد پر عاشق تھا اور وہ اُس سے ملتا نہیں تھا۔ رنج فراق میں گھل گھلکر مرنے کے قریب ہوگیا اور مایوسی کی نوبت پہونچگئی اور نزع کا وقت آگیا۔ کسی نے جاکر اسکو خبر کی کہ ظالم اُسکی یہ کیفیت ہے ذرا چلکر اسکو دیکھ تو لے اُسکو خیال آگیا چنانچہ ملنے کیلئے چلا اسکو کسی نے دوڑ کر خبر کی کہ تمہارا محبوب آرہا ہے یا تو یہ حالت تھی کہ مر رہا تھا اور دم توڑ رہا تھا اور یا ایسی طاقت آئی کہ اُٹھ بیٹھا اور اُس لڑکے کا تھوڑی دُور چلکر خیال بدلگیا اور کہا کہ میں تو بدنام ہونا نہیں چاہتا یہ کہکر واپس ہوگیا۔ عاشق کو اس کی خبر پہنچی سُنتے ہی فوراً گر گیا اور جانکنی شروع ہوگئی۔ لوگوں نے کہا کہ تو کلمہ پڑھ لے۔ بجائے کلمہ کے یہ شعر پڑھا ؎

رضاک اشھی الی فوادی	من رحمۃ الخالق الجلیل

یعنے اے محبوب تیری رضامندی میرے دل کو خالق جلیل کی رحمت سے زیادہ مرغوب ہے اور اسی پر دم نکلگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کمبخت نے ایمان بھی کھویا اور محبوب بھی نہ ملا۔ حضرت یہ بڑی آفت کی پُڑیا ہے۔ قلب میں جب رچ جاتی ہے تو اس سے جو کچھ بھی آفتیں آویں کم ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ حقتعالیٰ کو غیرت آتی ہے کہ میرا چاہنے والا میرا پیدا کیا ہوا دوسرے کیطرف مائل ہوا اسلیئے سب نعمتیں سلب ہوجاتی ہیں حتی کہ بعض اوقات کفر پر خاتمہ ہوتا ہے جیسے اس شخص کی کیفیت ہوئی۔ کانپور میں ایک بزرگ تھے وہ بیان کرتے تھے کہ میں جوانی کی عمر میں لکھنؤ میں ایک دفعہ ناچ میں چلا گیا وہاں ایک بازاری عورت پر جو نظر پڑی بس دل ہاتھ سے نکلگیا اور اسقدر فریفتگی کا غلبہ ہوا کہ بیوی بچوں کو چھوڑ اُسکے پیچھے ہو لئے اور میں ایک بزرگ کی خدمت میں بھی جایا کرتا تھا۔ صاحبو! بزرگوں سے علاقہ قطع نہ کرو اُن کو لگے لپٹے رہو۔ یہ عجیب کیمیا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے پاس جانیسے ڈر لگتا ہے اِن سے کوئی پوچھے کہ ڈر کس بات کا لگتا ہے وہ کسی کو ملتے ہیں۔ یا بھیڑئے ہیں پھاڑ کھاوینگے بیش برین نیست کہ تمہاری کسی بدتمیزی پر برا بھلا کہہ لینگے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے کو بڑا اور شاندار جانتے ہو میاں ہماری تمہاری شان ہی کیا ہے۔ عقیدت اور محبت کی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہیں سب گوارا کرو بلکہ اگر مار بھی بیٹھیں اسکو

بھی جھیل جاوے ڈریگا ہمیشہ وہ شخص جو اپنے کو شانداز سمجھتا ہوگا اور یہی سم قاتل ہے
اور جو ساری باتوں پر آمادہ ہو اُسکو کس بات کا ڈر ہوگا۔ نہ ڈرے نہ شرماوے ایسی ہی
بے شرم کی نسبت کسی نے کہا ہے جس نے کی شرم اُسکے پھوٹے کرم۔ غرض انکو
چھوڑو مت۔ الحاصل اُس شخص کی خوبی یہ تھی کہ اُس روز بھی اُن بزرگ کی خدمت
میں حاضر ہوا اور بار بار چاہتا تھا کہ اپنا دکھ ان سے کہوں لیکن زبان نہ اٹھتی
تھی اُن بزرگ کو اسکا انکشاف ہوا اُنہوں نے خود فرمایا کہ ہماری طرف متوجہ ہو جاؤ
چنانچہ وہ متوجہ ہو گیا پہلے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُس بازاری عورت کا پُتلا
میرے اندر اتر گیا ہے اُس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اُن بزرگ نے اسکا سر کاٹ کر اور
نکالکر پھینکدیا۔ اسکے بعد ہاتھ پھینکدئے اسیطرح اُسکا ایک ایک جزو نکالدیا
اور قلب بالکل آئینہ کیطرح ہو گیا یہ بھی ایک تدبیر اس مرض کے زوال کی ہے۔ اسکے
علاوہ اور تدبیریں بھی ہیں۔ ذکر اللہ کی کثرت بھی نہایت بہتر تدبیر ہے اور میں تو
اس کی بہت آسان تدبیر یہ بتلایا کرتا ہوں کہ اگر ذکر نہ ہو سکے تو یوں کرو کہ جس طرح
اس حسین کو دیکھا ہے ایسے ہی کسی بہت بُرے بدشکل کو بھی دیکھو اور اُس کا
تصور کرو انشاء اللہ تعالیٰ جاتا رہیگا اور راز اسمیں یہ ہے کہ یہ فلسفی مسئلہ ہے کہ جب
آدمی ایک خیال قلب میں جما لیتا ہے تو وہ خیال ماضی کا دافع ہو جاتا ہے۔ باقی
رہی یہ بات کہ ماضی اگر گیا تو مستقبل آیا۔ فائدہ کیا ہوا۔ بات یہ ہے کہ وہ مستقبل چونکہ
کسی حسین کا تصور نہیں بلکہ بدشکل کا ہے اور بطریق معالجہ ہے اسلئے وہ تصور راسخ نہ
ہوگا۔ دوسرے کو دفع کر کے خود بھی دفع ہو جاویگا۔ اور یہی حکمت ہی تصور شیخ میں
کہ اس سے اور خیالات زائل ہو جاتے ہیں اسلئے کہ شیخ خود محبوب ہوتا ہے اور محبوب
کی شکل کا تصور بھی آسان ہوتا ہے۔ بعض لوگ لڑکوں اور عورتوں کے تصور سے
خطرات کا علاج کرتے ہیں یہ سخت غلطی اور دھوکہ ہے۔ یہ تو مرض کو اور بڑھانا
ہے اور وجہ اس دھوکہ کی یہ ہوتی ہے کہ حسن پرستی میں ان لوگوں کو ایک مزہ آتا ہے
اور جب وہ کوئی طاعت کرتے ہیں مثلاً نماز پڑھتے ہیں تو اُسحالت میں بھی ایک لطف
آتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ نماز میں ہمکو مزہ آرہا ہے۔ حالانکہ وہ نماز کی حلاوت نہیں ہے وہ اس
حُسن پرستی کی طبعی لذت ہے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ ایک روز ایک طوائف گا رہی تھی

اُسی حالت میں نماز کا وقت آگیا۔ اُس روز نماز میں ایسا مزہ آیا ہے کہ کبھی نہ آیا تھا بہت حضور قلب میسر ہُوا۔ تو یہ حضور قلب نہیں حضور کلب ہے بلکہ حضور کلبہ۔ جس نماز میں کُتیا کا تصور ہو وہ کیا نماز ہوئی۔ کُتیا پر ایک حکایت یاد آئی ہم سبعہ معلقہ پڑھتے تھے اُسمیں شعر ہے لخولۃ اطلاول ببرقۃ تھمد۔ جب اُسکا امتحان ہوا تو ہماری جماعت میں سے ایک طالبعلم نے اُسکا یہ ترجمہ کیا۔ کُتیا کے لئے مقام برقہ ثہمد میں نشانِ دار ہیں اُستاد نے تعجب سے اِس ترجمہ کی وجہ پوچھی تو آپنے فرمایا کہ خولہ کے نیچے محشی نے یہ لکھ دیا تھا امراۃ من بنی کلب۔ بھلے مانس نے بنی کلب سے کتے کی اولاد مراد لی بہر حال کُتا ہو یا کُتیا ہو نہ نماز کے اندر اور نہ خارج میں کسی طرح تصور نہ کرے بعض لوگ امردوں کے گھورنے کو قرب الٰہی میں موثر سمجھتے ہیں استغفر اللہ یہی لوگ ہیں جنھوں نے طریق کو بدنام کیا ہے۔ شہوۃ پرستی کا نام قرب کہا ہے۔ بعضے لوگ اِن گھورنے والوں کا علاج بھی کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا فخر نظامیؒ بڑے حسین جمیل نوجوان تھے اور ابتدا ہی سے حقتعالیٰ نے دولت نسبت باطنی سے اُن کو مشرف فرمایا تھا دہلی میں تشریف لائے غل مچگیا کہ ایک بڑا حسین لڑکا آیا ہے۔ بہت سے شہدے گھورنے کے لئے آئے۔ مولانا جامع مسجد سے نماز پڑھکر اُتر رہے تھے کہ ایک جماعت کی جماعت سامنے آئی۔ حضرت کو منکشف ہوا کہ یہ مجھ کو گھورنے آئے ہیں۔ ایک نظر اُٹھا کر دیکھا سب گر گئے۔ فرمانے لگے کہ آؤ گھورو گھورتے کیوں نہیں۔ سب سے زیادہ خداوندی قلعہ اِس سے بچاؤ کا داڑھی ہے کہ جب داڑھی نکل آتی ہے سب آفتوں سے حفاظت ہو جاتی ہے لیکن ہمارے نوجوان اس قلعہ کو بھی ڈہاتے ہیں یعنی داڑھی کا صفایا کراتے ہیں۔ اوّل اوّل تو اِسلئے منڈاتے ہیں کہ حسن محفوظ رہے اور پھر عادت ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی ناصح نصیحت کرتا ہے تو کہتے ہیں ؎

عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مومن	آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

اور بعضے اہل یورپ کی تقلید کرتے ہیں۔ سُنا ہے کہ انگلستان میں داڑھی رکھنے کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر داڑھی کا رکھنا طے ہوا تو اُنکے فیشن پرستو تم کو بھی اُسوقت رکھنا پڑیگی۔ لیکن افسوس اِس بات کا ہوگا کہ خدا و رسول کے کہنے سے تو نہ رکھی ہاں غیر قوموں کی تقلید سے رکھو گے۔ غرض یہ ایک خداوندی قلعہ ہے اور نیز حُسن کی حفاظت

مُنڈلانے میں نہیں ہے بلکہ مرد کا حُسن تو داڑھی ہی ہے۔ الغرض اس قسم کی آفتیں مجمع میں پیش آجاتی ہیں۔ بہرحال جو سبب ہی قلب کا پریشان کرنیوالا ہے اُسکا مرجع خارج ہے خلوت کے اندر ان سب آفتوں سے حفاظت رہتی ہے جو پچھلی پریشانی ہے وہ کمزور ہوکر چند روز میں ختم ہوجاتی رہیگی اور آیندہ کو کوئی سبب پریشانی کا نہیں ہے اسلئے قلب بالکل صاف ہوکر آئینہ کیطرح ہوجائیگا اور اُسمیں استعداد پیدا ہوگی۔ فیوض باطنیہ کے حاصل کرنے کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

قعر چہ بگزید ہر کو عاقلست	زانکہ در خلوت صفاہائے دلست

یہ صورت ہے خلوت کے معین ہونے کی مولانا دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ؎

چشم بند و لب ببند و گوش بند	گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

بعض لوگوں نے غلو کیا ہے کہ اس شعر سے حبس دم کا شغل استنباط کیا ہے کہ اُس شغل میں آنکھیں اور کان بند کر لیتے ہیں حاشا وکلا مولانا کی یہ مراد نہیں ہے گو خود شغل قابل انکار نہیں لیکن شعر کا مطلب یہ ہے کہ آنکھیں بند کرلو معاصی اور فضولیات سے جیسا حضور کو خطاب ہے۔ لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ مائل مت ہو بلکہ یہ ارشاد ہے کہ کفار کے متاع کیطرف آنکھ اٹھاکر بھی مت دیکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضول نگاہ بھی بچنے کے قابل ہے۔ مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند۔ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد صاحب بڑے بزرگ تھے ہر وقت نگاہ نیچی رکھتے تھے اپنے پاس آنیوالوں کو بھی نظر اُٹھاکر نہ دیکھتے تھے لوگوں نے اسکا سبب پوچھا فرمایا کہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جنکو میں پہچانتا ہوں اور ایک وہ جنکو نہیں پہچانتا۔ جنکو پہچانتا ہوں آواز سے بھی پہچان لیتا ہوں اور جن کو نہیں پہچانتا دیکھنے سے بھی نہیں پہچانتا پس فضول کیوں دیکھوں یہ حضرات جسطرح مال میں اسراف نہیں کرتے افعال میں بھی اسراف نہیں کرتے اپنے افعال کو منضبط رکھتے ہیں یہ معنی ہیں چشم بند کے اور گوش بند کے یہ معنی ہیں کہ کانوں کو بھی معاصی اور فضولیات سننے سے روکو۔ اس مقام میں سماع کے متعلق سمجھو کہ اسمیں بعض عذر کرتے ہیں کہ جب گناہ نہیں ہے تو حرج کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سلمنا گناہ نہیں ہے لیکن کوئی نفع بھی اس کے اندر نہیں بتلا سکتا بہت سے بہت کوئی بڑی عرق ریزی سے مضر نہ ہونا ثابت کریگا لیکن نافع ہونا تو کوئی ثابت ہی نہیں کرسکتا اور بڑی صاف دلیل اسکے نافع نہ ہونے کی یہ ہے کہ کسی شیخ نے باوجود صاحب سماع ہونے کے اپنے مریدوں

کو اسکی تعلیم نہیں دی کہیں کتب تصوف میں اور بزرگوں کے ملفوظات میں اسکا نشان نہیں کہ کسی شیخ نے اپنے مرید کو یہ کہا ہو کہ گانا سنا کرو۔ پس جو شئے ایسی ہو کہ اسمیں نہ نفع ہو نہ نقصان وہ فضول ہے اور فضول کا چھوڑنا ہمارے اسلام کی تعلیم ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ اور حقتعالی ارشاد فرماتے ہیں والذین ہم عن اللغو معرضون اور یہ گفتگو تنزلاً ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مضر ہے اسکا اثر قلب پر اچھا نہیں ہوتا اور اسکا امتحان یہ ہے کہ جو شخص گانا سنتا ہو وہ چار ماہ کے لئے اللہ کا نام لے اور نفلیں پڑھے اور قرآن پڑھے اور سننے اور گانے کو یکلخت ترک کردے۔ اس کے بعد اپنی پہلی حالت اور اس وقت کی حالت کا اندازہ کرے کہ آیا اسوقت نماز اور قرآن اور ذکر میں جی زیادہ لگتا تھا یا اب زیادہ لگتا ہے۔ واللہ گانا سننے کے زمانہ میں وہ اپنی حالت یہ پائیگا کہ اسکو بجز گانے کے نہ قرآن میں نہ ذکر میں نہ نماز میں کہیں میں لطف نہ آتا تھا اور اب ہر شئے میں حلاوت محسوس ہوگی۔ ایسی ہی گانا سننے کی نسبت حدیث میں آیا ہے الغناء ینبت النفاق فی القلب او کما قال یعنی راگ قلب میں نفاق کو اگاتا ہے اور قلب کا ضرر وہ چیز ہے جسکی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

بردل سالک ہزاراں غم بود	گر زباغ دل خلالے کم بود

حالانکہ یہ کمی جسکو مولانا فرمارہے ہیں کوئی شرعی اور معتدبہ کمی نہیں بلکہ خیالی اور وہمی کمی ہے یعنی واردات کے بند ہوجانے اور قبض کے پیش آجانے کے سبب جو کمی ہوجاتی ہے اس کمی پر فرمارہے ہیں کہ ہزاروں غم قلب پر مستولی ہوجاتے ہیں بلکہ یہ غم یہاں تک ہوا ہے کہ بعضوں نے خودکشی کرلی ہے اور نماز اور قرآن میں جی نہ لگنا تو بڑا بھاری خسارہ ہے۔ اللہ کے نام میں کسی کو لطف نہ آوے اس سے زیادہ کون خسارہ میں ہوگا یہ تو وہ نام ہے ؎

اللہ اللہ ایں چہ شیرین است نام	شیر و شکر می شود جانم تمام

اور یہ تو انکا حال ہے جنکو ناتمام لطف ہے اور جنکو پورا[ع] ادراک ہے وہ تو یوں کہتے ہیں کہ افسوس سلاطین اس دولت سے محروم ہیں۔ شب و روز سلاسل و اغلال کے

ع یعنی بقدر اپنی استعداد کے پورا ورنہ پورا تو کسی کو نہ ہوا نہ ہو ۱۲ جامع

اندر مقید ہیں مگر خبر نہیں حس نہیں۔ اے اہلِ تنعم یہ سامان دنیا کا اُس غیر ملکی کا حلوا ہے اور سواری خر ہے ؎

فسوف تری اذا انکشف الغبار	افرس تحت رجلک ام حمار

جیسے اُس گنوار کو اُس حلوے اور گدھے کی سواری میں مزہ آرہا تھا اہل حقیقت کے نزدیک ہماری یہی حالت ہے ہم پریشانی میں ہیں اور اُسکی حس نہیں ولا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الدنیا سچ ہے یہ دُنیا کا مال اور اولاد دُنیا ہی میں اہلِ دُنیا کو وبال جان ہی۔ ہر وقت ایک پریشانی میں مبتلا ہیں کوئی لڑکا مر نہ جاوے کوئی بیمار نہ ہو جائے۔ مال کو کوئی چور نہ لیجائے۔ فلاں مجھ سے بڑھ نہ جائے لباس ہمارا ایسا ہو خوراک اس قسم کی ہو غرض شب و روز اسی دُھن اور خیالات میں گذر جاتے ہیں اور عمریں ختم ہو جاتی ہیں اور اہل اللہ کو وہ دولت حاصل ہے کہ جسکی نسبت وہ کہتے ہیں کہ اگر سلاطین کو ہماری دولت کی خبر ہو جائے تو تلواریں کھینچکر ہمپر چڑھ آویں۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ کے لئے بادشاہ سنجر نے چاہا تھا کہ کوئی گاؤں وقف کر دے حضرت نے اس درخواست کے جواب میں لکھا ؎

چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد	در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب	من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

یہ وہ ملک ہے ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی	کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

یہاں شبہ ہوتا ہے کہ کیا ہم سلیمان علیہ السلام سے بڑھ جائینگے جواب یہ ہے کہ مراد یہ ہے ملک سلیمانی کہ با ما باشد یعنی ملک سلیمان اگر ہم کو ملجاوے تو وہ کچھ نہیں اب شبہ تفضیل کا سلیمان علیہ السلام پر جاتا رہا۔ انکو اس سلطنت کی اطلاع نہیں ہے حجاب میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ ان حضرات کو کہتے ہیں کہ بچارے ترقی سے محروم ہیں اُن کو رفتار زمانہ کی خبر نہیں۔ پست خیال ہیں۔ جی ہاں آپ بلند خیال ہیں۔ یاد رکھو جسقدر اوپر چڑھوگے اسیقدر نیچے گروگے۔ قطب کی لاٹھ سے گروگے اور زیادہ چوٹ کھاؤگے وہ تو انکو تنزل میں اور اپنے کو ترقی میں سمجھ رہے ہیں اور وہ انکو کھلی آنکھوں نظر حقیقت سے

دیکھ رہے ہیں کہ یہی نیچے کو جارہے ہیں۔ اُنکی ایسی مثال ہی جیسے کوئی شخص منارہ پر چڑھ رہا ہو اور کوئی شخص آئینہ لیکر دیکھے تو اسکو منارہ اُلٹا نظر آئیگا اور یہ معلوم ہوگا کہ یہ شخص منارہ سے نیچے کو اُتر رہا ہے۔ ایسے ہی لوگ اہل اللہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ درحقیقت اوپر کو جارہے ہیں مگر اُنکی آنکھ پر چونکہ غلط بین عینک لگی ہوئی ہے اسلئے یہ ان کو اُترتا ہوا دیکھتے ہیں جسکو یہ لوگ ترقی یافتہ سمجھتے ہیں اہل اللہ اُسکو پستی میں جاتا ہوا دیکھتے ہیں۔ جو کنوے میں گر رہا ہے یہ اسکو اُوپر جاتا ہوا دیکھتے ہیں اسلئے کہ نظر حقیقت بین نہیں ہے اور ہونا مشکل ہے اسلئے کہ جس مینڈک نے اول سے چہ بچہ میں پرورش پائی ہو وہ سمندر کو کیا جانیگا۔ یہ تو ہمیشہ سے دُنیا کے چوڑے اور کیچڑ میں پھنس رہے ہیں دین کی مار مصیبت کی اُنکو کیا خبر ہے جو ہمیشہ پریشانی ہی میں رہا ہو جسکی عمر ہمیشہ ظلمت ہی میں گذری ہو اسکو جمعیت اور نور کی حقیقت سے کیسے آگاہی ہو ؎

تو نہ دیدی گہ سلیماں را		چہ شناسی زبان مرغاں را	

غرض وہ اُنکو تنزل میں دیکھتے ہیں اور یہ اُنکو حقیقت نظر آرہی ہی اسلئے بادشاہوں پر اُنکو رحم آتا ہے کہ یہ بچارے کس خرافات میں پڑے ہیں اور اصلی دولت سے بیخبر ہیں اور وہ اُن کو پست خیال بتلاتے ہیں۔ غرض جبکہ قلبی دولت ایسی شئے ہے تو اُسمیں تھوڑی سی کمی بھی اگر یہ حضرات دیکھتے ہیں تو اُنکی جان تک نوبت پہونچ جاتی ہے چہ جائیکہ بڑی کمی ہو وہ تو بہت ہی فکر کی بات ہے۔ اور جس بات سے وہ کمی پیدا ہوتی ہو وہ بہت احتراز کے قابل ہے۔ پس سماع میں یہ ضرر ظاہر ہے۔ بعض دفعہ یہ دہوکا ہوتا ہے کہ سماع سے ہمکو جمعیت قلب ہوتی ہے میں بتلاتا ہوں کہ وہ جمعیت کیسی ہوتی ہے جناب من وہ جمعیت ایسی ہوتی ہے جیسے شطرنج باز کو شطرنج میں ہوتی ہی کہ بجز شطرنج کے کسی شئے میں دل نہیں لگتا۔ شطرنج ہی میں سب خیالات آکر جمع ہوجاتے ہیں۔ اسیطرح صاحب سماع کو گانے میں جمعیت ہوتی ہے کہ تمامتر توجہ اُنکی اُسمیں مصروف ہوتی ہے اسکو وہ جمعیت سمجھتے ہیں جمعیت مطلوبہ تو وہ ہے کہ ذکر اللہ میں جمعیت ہو غرض اس سے بھی کان کو روکنا چاہئے یہ معنی ہیں گوش بند کے اور لب بند کے بھی یہی معنی ہیں کہ معاصی اور فضولیات سے لب بند کرو۔ یہ معنی ہیں مولانا کے اس شعر کے جس دم اسکا مدلول نہیں اسلئے کہ حبس دم کوئی ایسی شئے نہیں کہ ایسی جلیل القدر کتاب

میں اسکا ذکر کرتے مثنوی شریف اس رتبہ کی کتاب ہے کہ جسکی نسبت مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

مثنوی مولوی معنوی	ہست قرآن در زبان پہلوی

لیکن اسکا نفع اُسی شخص کے لئے ہے جسکا فہم سلیم ہو ورنہ یہ کتاب مومن سے کافر بنا دینے والی ہے اور اگر فہم درست ہو تو کافر سے مومن بنا دینے والی بھی ہی ہے۔ لوگ برا کرتے ہیں کہ جسکو دیکھو مثنوی لئے بیٹھا ہے۔ ہر شخص کو یہ مفید نہیں ہے۔ غرض مولانا کی تعلیم کے یہ معنی نہیں ہیں معنی یہ ہیں جو میں نے عرض کئے۔ حاصل یہ ہے کہ خلوت میں اسباب مشوشہ للقلب جب کم ہو جگے تو حضور قلب میسر ہوگا۔ قلب کا انجلا ہوگا خدا تعالیٰ کی معرفت اور خشیت پیدا ہوگی۔ نور حق سے مولانا کے شعر میں یہی مراد ہے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی روشنی لالٹین کی نظر آنے لگیگی۔ نور کے معنے اصل میں ظاہر بنفسہ اور مظہر غیرہ ہیں پس نور سے مراد قوت ادراکیہ ہے چنانچہ اسکا خاصہ ہے کہ اُس سے حقایق کماہی کا قلب کو ادراک ہوتا ہے اور خود اسکا ظاہر ہونا ظاہر ہی ہے۔ غرض یہ فائدہ ہے خلوت میں کہ خلوت مجاہدات کی معین ہے۔ اِس تمام تر تقریر سے خلوت کا درجہ اور فضل معلوم ہوا کہ وہ معین مقصود ہے۔ خود فی نفسہ عبادت نہیں ہے اسکا درجہ معلوم ہونے سے دو قسم کی غلطیاں رفع ہوتی ہیں وہ یہ ہے کہ بعض تو اُن میں تفریط کرتے ہیں کہ اسکا قصد ہی نہیں کرتے ہیں وہ بھی غلطی میں ہیں کہ اُسکے منافع سے محروم ہیں اور بعض افراط اور غلو کرتے ہیں کہ اُسکو مقصود سمجھتے ہیں اور ہر وقت خلوت ہی میں رہتے ہیں۔ جو چیزیں اُن پر واجب یا مستحب ہیں اُن کو بھی ادا نہیں کرتے۔ جنازہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتے کسی کو نفع نہیں پہونچاتے۔ اگر کوئی مسئلہ پوچھنے آتا ہے ٹالدیتے ہیں اور بعضے اسقدر غلو کرتے ہیں کہ گناہ کا ارتکاب بھی اُن سے ہو جاتا ہے کوئی جاہل درویش کسی مسجد میں مراقب تھے۔ ایک مسافر کی کمبختی آئی بیچارا ہارا تھکا آکر وہاں سو رہا۔ خراٹے کی آواز سے بزرگ صاحب کے مراقبہ اور جمعیت میں فرق پڑا۔ اُسکو اُٹھایا کہ جاگو ہمارے مراقبہ میں فرق آتا ہے وہ اُٹھ بیٹھا تھکا ہوا بہت تھا پھر سو رہا اور خراٹے لینے لگا پھر آئے پھر اُٹھایا کہ ہماری نماز میں فرق آتا ہے۔ وہ پھر سو رہا

ؑ حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ بھی اِس کتاب کے دیکھنے سے عموماً منع فرمایا کرتے تھے بعضے خاص ہی خاص لوگوں کو اجازت دی ہے ۔ جامع

اس کے بعد پھر اُن بزرگ سے نہ رہا گیا۔ چھرے سے ذبح کرکے اُسکا کام تمام کردیا اور خوب جی لگاکر عبادت میں مشغول ہوگئے۔ صبح کو نمازی آئے دیکھا تو تمام مسجد میں خون بہ رہا ہے پوچھا کہ اسکو کس نے مارا۔ میانصاحب نے فرمایا کہ ہمنے مارا ہماری نماز میں خلل ڈالتا تھا۔ اللہ بچاوے ایسی جمعیت سے۔ ایک اور ایسے ہی کسی صاحب کا قصہ ہے کہ جنگل میں خلوت نشین تھا کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہاں ڈر نہیں لگتا۔ کہنے لگے کہ ڈر کاہے کا ہے اُسنے کہا کہ یہاں بھیڑئیے شیر وغیرہ ہیں۔ کہنے لگے میں مخلوق سے تو کیا ڈرتا میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں (توبہ توبہ)۔ ایسی خلوت اور جمعیت قلب کس کام کی ہے غرض یہ خلوت کے اندر غلو ہے اسلئے ضروری ہے کہ اسکا درجہ بیان کردیا جائے۔ پس یاد رکھو کہ یہ مقدمہ مقصود ہے خود مقصود نہیں جیسے اگبوٹ میں بیٹھ کر مکہ معظمہ جاتے ہیں تو اگبوٹ کا سفر عبادت نہیں ہاں وسیلہ عبادت ہے۔ پس وسیلہ اور مقدمہ کو مقصود نہ سمجھنا چاہئے۔ مثلاً جب اگبوٹ جدہ پہونچے اور کہا جاوے کہ اترو تو انکار کرے کہ نہ صاحب میں تو اترتا نہیں اسمیں بیٹھنے سے تو مکہ پہونچتے ہیں یہ تو عبادت ہے تم اتارتے ہو اُسکو یہی کہا جاویگا ارے ظالم یہ تو سن لیا لیکن یہ بھی تو نے سنا کہ وسیلہ اور مقدمہ سے بقدر ضرورت کام لیا جاتا ہے ورنہ وہی مقصود ہو جاتا ہے۔ یہی ناتمام علم نیم ملا خطرہ ایمان کا مصداق ہے جیسے عالمگیر کیوقت میں ایک فاحشہ عورت تھی اُس نے کئی شوہر کر رکھے تھے اور ایک کی دوسرے کو خبر تھی کسی نے عالمگیر کو خبر دی عالمگیر نے اُسکو گرفتار کرنے کا حکم دیدیا وہ بہت گھبرائی اور کسی آزاد طالبعلم سے پوچھا کہ مولویصاحب کوئی حیلہ تبلاؤ کہا کچھ دلواؤ تو تبلائیں۔ چنانچہ کچھ روپیہ ٹھیرا۔ کہا یوں کہیو کہ ایک مولویصاحب وعظ میں فرمارہے تھے کہ لوگ ناحق زنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو چار چار نکاح حلال کئے ہیں ارے کمبختو جب ایک چھوڑ چار چار جائز ہیں تو کیوں زنا کرتے ہو حضرت جی یہ میں نے سُنا تھا اسلئے مجھے جرأت ہوئی۔ عالمگیر نے کہا کہ یہ تو تو نے سُنا لیکن یہ بھی سُنا کہ کس کو جائز ہیں اری بیحیا مرد کو چار نکاح جائز ہیں۔ ایسے ہی ان حضرت نے یہ تو سن لیا کہ اگبوٹ میں سوار ہونا عبادت ہے لیکن یہ تحقیق نکیا۔ کہ عبادت مقصودہ ہے یا غیر مقصودہ اسیطرح خلوت بھی مقدمہ اور وسیلہ ہے عبادت کا

بعض لوگ خلوت کو جلوۃ پر ترجیح دیتے ہیں۔ مولانا رومی نے اسکی نسبت عجیب بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں اے عزیز تو جو خلوت کو جلوت پر مطلقاً ترجیح دیتا ہے یہ تیری ناشکری ہے اسلئے کہ یہ فضیلتیں خلوت کی تجھ کو جلوت ہی کی بدولت تو معلوم ہوئی ہیں اور صحبت ہی کیوجہ سے خلوت کے برکات معلوم ہوئے ہیں اور اگر تمام عمر خلوت ہی میں رہتا تو خلوت کی حقیقت اور اسکے فضائل اور نیز دیگر تمام کمالات سے محروم رہتا آج تو اس جلوت کو مٹارہا ہے اور خلوت کو اسپر فضیلت دیتا ہے۔ تیری ایسی ہی مثال ہے ع

یکے بر سر شاخ و بن می برید + واللہ بڑی لاجواب بات ہے یہ ہے حقیقت میں معقول اور یہ ہے فلسفہ۔ سبحان اللہ کیا سمجھے ہیں اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ اصل مقصود جلوت ہے اسلئے کہ انسان مدنی الطبع ہے اسکی طبیعت کا اقتضاء ہے کہ اپنے بنی نوع سے ملکر رہے یہ تو فطری اور فلسفی دلیل ہے اور شرعی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں ہمارے لئے مقرر فرمائی ہیں اُن میں سے اکثر میں اجتماع کیضرورت ہے دیکھو نماز کہ جو بہت بڑی عبادت ہے اُسکی نسبت ارشاد ہے وارکعوا مع الراکعین اور حدیثوں میں حلق ذکر کی بڑی فضیلت آئی ہے کہ ایسے مجمع میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں تقویت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جتنے اسباب ہیں وہ سب اجتماع ہی پر موقوف ہیں۔ حج ہے اُسمیں اجتماع کیضرورت ہے اور حدیثوں میں صحبت نیک کی بہت فضیلت آئی ہے غرض فطرت سے شریعت سے جلوت او اجتماع کا مقصود ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اس اجتماع اور جلوت کا معین خلوت ہی۔ اس اجتماع کی اہلیت خلوت ہی سے پیدا ہوتی ہے اسکو ایک مثال کے ضمن میں سمجھئے اور اُس سے یہ بھی معلوم ہوجاویگا کہ ہم کو اپنے دنیوی مقاصد میں بھی خلوت کیضرورت معین ہونیکے درجہ میں ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ہے اُس کے نقطۂ خیال میں تحصیلداری مطلوب ہے اب دیکھئے اُس کی غایت کیا ہے غایت اُسکی یہ ہے ایک کمرہ میں بیٹھنا اور مقدمات فیصل کرنا دیکھئے تحصیلداری ایک ایسا منصب ہوا جو اجتماع کو مقتضی ہے لیکن اہلیت اس منصب کی خلوت ہی سے آویگی اسلئے کہ خلوت میں بیٹھکر قانون یاد کریگا اور جن کتابوں میں امتحان ہوگا اُنکو بیٹھکر رٹیگا پس یہ خلوت اُس جلوت کے اہل بننے کے لئے ہوئی اور لیجئے طبیب جو مریض کو مسہل دیتا ہے تو کہدیتا ہے کہ تنہا رہنا باتیں کسی سے نہ کرنا اور یہ تصور کرنا

کہ اب دست آتے ہیں غایت اسکی یہ ہو کہ تندرست ہوکر پھر چل پھر کر رہینگے لیکن وہ اس اجتماع کا اہل نہ رہا تھا اسلئے ضرورت ہوگئی خلوت کی۔ غرض خلوت کی ہر کام میں ضرورت ہو آج اگر کوئی اہل تصوف پر اعتراض کرے کہ وہ خشک دماغ ہی معلوم ہوتا ہے اُسکو عقل نہیں ارے صاحب طبیب نے جو تمکو ایک ادنیٰ اور خسیس مقصود یعنی دست آنے کے لئے خلوت کی تعلیم کی تھی اُسپر تو تمنے اعتراض نکیا اور جسکا مقصود اعلیٰ درجہ کا ہو کہ اُس سے بڑھکر کوئی مقصود نہیں اُس پر اعتراض کرتے ہو تُف برین عقل و دانش جیسے طبیب نے دستوں کے لئے خلوت اور تصور دستوں کا تبلایا ہے ایسا ہی اُن سالکین کو بھی ماسوی اللہ کے دفع کے واسطے مسہل دیا گیا ہے اور وہ اس تصور میں بیٹھے ہیں کہ اب محبوب جلوہ گر ہو اور اب جلوہ گر ہو ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی | شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

یہ ہے درجہ خلوت کا کہ جس سے اسکی ضرورت ثابت ہوگئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ لذاتہا مقصود نہیں لغیرہا ضروری ہو اس آیت میں اسی کا ذکر ہو ارشاد ہے واذ اعتزلتموھم وما یعبدون الخ یہ قصہ اصحاب کہف کا ہو میں مفصل قصہ انکا نہ بیان کرونگا۔ قرآن مجید میں بقدر ضرورت ہی ہو۔ اکثر واعظین قصے ہی بیان کرتے ہیں ہمارے بزرگوں کا مشرب تو موافق مذاق قرآن یہ ہو ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم | از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

اور چونکہ اسوقت جو مجھ کو مقصود ہو وہ پورے مجمل قصہ پر بھی موقوف نہیں اسلئے میں صرف اتنا قصہ بیان کرونگا جو فقط اس آیت کے حل کرنے کے لئے کافی ہو بعض کو قصے ہی مقصود ہوا کرتے ہیں اور جو حقیقت شناس ہیں وہ اس سے گھبراتے ہیں اصحاب کہف ایک مشہور جماعت کا لقب ہو یہ سات آدمی تھے ایک کافر بادشاہ کے زمانہ میں وہ بادشاہ بتوں کو سجدہ کرایا کرتا تھا ان سات کو اللہ تعالیٰ نے خود بخود ہدایت کی اور توحید اُن کے دل میں گھر کر گئی اب اُن کو پریشانی ہوئی کہ اگر ہم یہاں رہتے ہیں تو بادشاہ ہم سے شرک کرائیگا۔ اور مقابلہ کریں تو کیسے کر سکتے ہیں سات آدمی ایک سلطنت کا کسطرح مقابلہ کریں ایسی صورت میں آدمی اپنی جان اور ایمان مخفی ہوجانے اور بھاگ جانے ہی سے بچا سکتا ہے۔ ہاں شاذ و نادر اتفاق سے ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ کسی حکمت عملی سے حق بھی ظاہر ہوجائے اور جان و ایمان بھی بچ جائے۔ اکبر بادشاہ کے یہاں ایک مرتبہ بہت سے بد دین جمع ہوگئے تھے آپس میں صلاح ہوئی کہ ملا دو پیازہ کو زک پہونچانا چاہیئے بادشاہ

بنی بنے اور کوئی ابوبکر کوئی عمر اسیطرح ہر ایک نے ایک ایک صحابی کا نام لیا کہ میں فلاں بنتا ہوں اور یہ فلاں بنتا ہے۔ ملا دو پیازہ کا نمبر آیا یہ حیران تھا کہ اگر کسی کا نام لیتے ہیں تو اس مجمع باطل کی شرکت ہوتی ہے اور اگر نہیں لیتے اور اس مجمع پر انکار کریں تو بادشاہ کی مخالفت ہوتی ہے لیکن ایک بات سوجھ گئی کہنے لگے کہ میں تمہارا ابوجہل بنونگا اور تم سب پر لعنت کیا کرونگا۔ کیا خوبصورتی سے اپنا ایمان اور جان بچائی لیکن ہر جگہ تو ملا دو پیازہ جیسے ذہین ہوتے نہیں اور نہ ہر وقت اس قسم کی باتیں چل سکتی ہیں۔ اسلئے ان حضرات نے اسی میں سلامتی سمجھی کہ سب خفیہ طور سے رہو چنانچہ چند روز تک مخفی طور سے رہے ایک مرتبہ مشورہ کیا کہ یوں کب تک رہینگے اگر کسی دن ظاہر ہوگئے تو پھر آفت آویگی اور نیز اگر یہاں اسیطرح رہتے رہے تو انکی صحبت کا اثر نہ ہم پر ہو جاوے اسلئے کہیں ایسی جگہ چلدو کہ انکو ہماری مطلق خبر نہ ہو چنانچہ مشورہ کرکے وہ ایک غار میں جا چھپے اور ان کے ہمراہ ایک کتا بھی چلا گیا اور وہاں انپر اللہ تعالیٰ نے نوم مسلط کردی چنانچہ تین سو برس سوتے رہے اسکے بعد آنکھ کھلی۔ آگے پورا قصہ ان کا اس سورہ میں ہے عجیب قصہ ہے مجھ کو اتنا ہی بیان کرنا تھا غرض اس مقام کی یہ آیت ہے۔ اس آیت میں ان کے مشورہ کا ذکر ہے ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ جبکہ تم ان سے علیحدہ ہوگئے اور ان کے معبودوں سے سوا اللہ کے۔ الا اللہ میں دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ یا تو اسمیں یعبدون عامل ہو۔ اس وقت تو یہ معنے ہونگے کہ تم لوگ ان کفار سے اور جن کی وہ سوائے اللہ کے عبادت کیا کرتے تھے ان سے علیحدہ ہوگئے۔ لیکن اس توجیہ پر ان کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کلام سے معلوم نہیں ہوا دوسری توجیہ یہ ہے کہ الا اللہ اعتزلتموہم کا معمول ہو یعنے جبکہ تم لوگ ان سے علیحدہ ہوگئے مگر اللہ سے کہ اس سے علیحدہ نہیں ہوئے اسصورت میں استثنا منقطع ہوگا اور الا اللہ کی تقدیر یہ ہوگی لکن اللہ فلم تعتزلوہ فاووا الی الکھف یعنی جب ان سے علیحدہ ہوگئے تھے تو اب غار کیطرف چلو نتیجہ اسکا کیا ہوگا ینشر لکم ربکم من رحمتہ یعنی نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت کا حصہ پھیلا ئیگا۔ یہ لوگ کیسے مؤدب تھے کہ انکو حالانکہ نہ شرائع معلوم تھے نہ کسی سے تعلیم پائی تھی نہ کسی کے صحبت یافتہ تھے لیکن مؤدب اسلئے کہ واذ اعتزلتموھم الخ سے وہم ہوتا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ کو بھی چھوڑ دیا ہو اسلئے کہ یہ کلام اسطرح کا ہے جیسے ہمارے محاورہ

ہیں کہا کرتے ہیں کہ میاں جب تمنے سب معبودین کو چھوڑ دیا جسمیں اللہ تعالیٰ بھی بظاہر داخل ہیں کیونکہ وہ سب ہی کے معبود ہیں، بُت پرست بھی اُنکی عبادت کے مدعی ہیں گو اگر الا اللہ نہ ہوتا تب بھی یہ معلوم تھا کہ اُن سب کو اللہ ہی کے واسطے چھوڑا ہے تو پھر خدا کو کیسے چھوڑتے ۔ لیکن تاہم کلام میں ادب ملحوظ رکھنے کے لئے الا اللہ بڑھایا اس سے ان کا اللہ تعالیٰ کا محب ہونا اور نہایت مؤدب ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسری عجیب بات یہ ہے کہ تعلیم تو کہیں پائی نہ تھی اُن کے دل میں یہ کیسے آیا کہ دین کے بچانیکی ضرورت ہے، یہ نہایت درجہ اُن کے متادب ہونے کو بتلا رہا ہے تیسرے یہ کہ غار میں جانے کے ثمرات کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ تمپر اپنی رحمت نازل فرماوینگے اور حقیقت شناسی ملاحظہ کیجئے کہ یوں نہیں کہا ینشر لکم ربکم رحمتہ بلکہ مِن بڑھایا جس سے یہ مسئلہ مستفاد ہوا کہ حقتعالیٰ کی رحمت غیر متناہی ہے جس پر رحمت ہوگی کوئی حصہ اسکا ہوگا باقی صفت رحمت کا کیا ٹھکانا ہے اسقدر وسیع ہے کہ جسکی نہایت نہیں ہے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس تک رحمت کا بیان کیا ایک روز قہر کا بیان فرمادیا تو کئی آدمی مرگئے الہام ہوا کہ اے عبدالقادر کیا ہماری اتنی ہی رحمت تھی کہ چالیس برس ہی میں اسکا بیان ختم ہوگیا ۔ پس رحمت کی اور اسیطرح حقتعالیٰ کی ہر صفت کی کوئی انتہا نہیں ہے شیخ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر	ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم
اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم	وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

اور فرماتے ہیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں	بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی
داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار	گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

ہم بچارے کیا ہیں جو رحمت کا احاطہ کرسکیں رحمت ہم کو خود محیط ہو رہی ہے اسلئے کہ ارشاد ہے الا انہ بکل شیء محیط جب احاطہ ذاتی ہے تو رحمت لازم ذات ہے، اسلئے وہ بھی محیط ہوگی اور الا انہ بکل شیء محیط سے بیحد عنایت ظاہر ہوتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ محبوب اگر کہیں ملے تو دو حالتیں ہوا کرتی ہیں یا تو اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لو اور یا وہ تمہارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے ۔ دوسری صورت میں جسقدر لطف او

مزہ ہے پہلی صورت میں نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

اگرچہ دور افتادم بایں امید خورسندم	کہ شاید دست من بار دگر جاناں من گیرد

اگر تم محبوب کو اپنی گود میں بٹھلاؤ تو لطف اسمیں بھی ہے۔ لیکن اگر قسمت سے وہ تم کو اپنی آغوش میں لیلے تو اسکی برابر کسی میں لطف نہیں۔ چنانچہ اہل محبت اسکو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ پس حقتعالی کو اول تو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور اگر بفرض محال کوئی کر بھی سکتا تو محبت کا مقتضی یہ تھا کہ تم اسی کی تمنا کرتے کہ وہ ہم کو اپنے احاطہ میں لیلے لیکن وہ بے مانگے ہی دیتے ہیں اور ارشاد ہے الا انہ بکل شئی محیط غرض حقتعالی کی رحمت چونکہ بے انتہا ہے اسلئے رحمت پر من ٹرھایا ایک ثمرہ تو غار میں جانیکا یہ ہوا دوسرا ثمرہ یہ ہے ویہئ لکم من امرکم مرفقا اور مہیا کر دیگا تمہارے امر دین میں کامیابی کا سامان۔ پس دو ثمرے بیان کئے ایک تو اشارہ مقصود کیطرف ہے اور دوسرے میں اُس مقصود کے مقدمات کیطرف تفصیل اسکی یہ ہے کہ مقصود رحمت حق ہے جو فاءووا الی الکہف پر مرتب ہے لیکن یہ مقصود عادتاً اسپر بلا واسطہ مرتب نہ ہوگا گو کلام میں بوجہ اہتمام شان اور بسبب اسکی مقصودیت کی اظہار کے اسکو بلا فصل فاءووا الی الکہف کے بعد ذکر کر دیا ہے لیکن صورت اسکے ترتب کی یہ ہوگی کہ کہف میں جانے کے بعد اسباب مہیا ہونگے تکمیل دین کے اور بواسطہ اسکے رحمت کا ترتب ہوگا پس رحمت کا مقدمہ تکمیل دین کے اسباب کا مہیا ہونا ہے اور تکمیل دین کا مقدمہ کہف میں جانا ہے پس کہف میں جانا مقدمہ کا مقدمہ ہے اور یہ آیت شرح اور اعادہ ہے اُس اجمال کا جو اول اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے یعنی اول حقتعالی نے اجمالاً قصہ اصحاب کا بیان فرما دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے اذاوی الفتیۃ الی الکہف فقالوا ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وہیئ لنا من امرنا رشدا فضربنا علی اذانہم فی الکہف سنین عددا ثم بعثناہم لنعلم ای الحزبین احصی لما لبثوا امدا۔ یہ قصہ ہے اجمالاً گویا یہ متن ہے آگے نحن نقص علیک نباہم بالحق سے اسکی شرح ہے متن کے اندر جو اصل غرض تھا قصہ کا وہ بیان فرمایا شرح میں اسکی تفصیل ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب طرز ہے مصنفین کی بھی عادت ہے کہ اول مختصر اً بطور فہرست کے مقصود بیان کرتے ہیں حقتعالی نے ان اسالیب کی اپنے کلام پاک میں رعایت

فرمائی ہے اور دوسرے مقامات میں بھی ایسے امور کی بہت رعایت ہے دیکھئے خطیبوں اور واعظین کی عادت ہوتی ہے کہ اول خطبہ پڑھتے ہیں اُسکے بعد مقصود شروع کرتے ہیں اللہ تعالی نے بھی ایک مقام پر دلائل توحید سے پہلے خطبہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی یہ ایک خطبہ ہے اِسکے بعد مقصود یعنی بیان دلائل توحید شروع ہوا ہے اور یہاں متن کے موقعہ پر ایک دعا آئی ہے ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئی لنا من امرنا رشدا اِس آیت میں جو کہ شرح کے موقع پر ہے ینشر لکم ربکم من رحمتہ سے اُسکی طرف اشارہ ہے یہاں اضافت کی وجہ سے رحمت کی تنکیر نہ ہو سکتی تھی اِسلئے یہاں مِن بڑھا دیا اور متن کے موقع میں من لدنک کیوجہ سے تعریف کیضرورت نہ تھی اِسلئے رحمۃ کو منکر لائے جو تنکیر کے سبب مترادف ہے من رحمۃ کا متن میں جس رحمت کی درخواست کی تھی شرح میں بھی اُسکی اُمید کو ایوا الی الکہف کا ثمرہ کرکے ظاہر کیا ہے گویا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ جس رحمت کا ہمنے آپسے سوال کیا تھا وہ ہمکو عنایت فرمایئے سبحان اللہ کلام میں کیا تناسق ہے اور فاوٗا الی الکھف ینشر لکم ربکم الخ میں ایک مسئلہ لطیف کیطرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اعمال کو گو ثمرات میں دخل ہے لیکن بدون مشیت حق کے اُنکا ترتب ضروری نہیں ہے بعض مرتبہ بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور ثمرہ کچھ مرتب نہیں ہوتا اِسلئے ہر حالت میں یہ ضروری ہے کہ حقتعالی پر نظر رکھے عمل کرے اور عمل پر نظر نہ ہو مولانا فرماتے ہیں ؎

ایں ہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ
بے عنایات خدا ہیچیم و ہیچ
بے عنایات حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

اسیواسطے اصحاب کہف غار میں جا پہنچے تو مطمئن نہیں ہوئے ناز نہیں ہوا غار میں آجانے سے یہ نہیں سمجھے کہ اب ہم مامون ہو گئے بلکہ اللہ تعالی کی رحمت کے منتظر رہے اپنی تدبیر پر وثوق نہیں کیا اسیواسطے مولانا تدبیریں بتلاتے ہیں مگر پھر مضطر ہو کر خدا تعالی کی طرف التجا ظاہر فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا
ما چو مرغانِ حریص بے نوا
دم بدم پابستۂ دام نوایم
گر ہمہ شہباز و سیمرغے شویم

مے رہانی ہر دمے مارا و باز ۔۔۔ سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

ہماری یہی حالت ہے کہ ایک جال سے بچتے ہیں دوسرے جال میں پھنستے ہیں ہم پھنستے ہیں وہ نکالتے ہیں۔ میں خود اپنی حالت کہتا ہوں کہ ایک بلا سے بچتا ہوں دوسری بلا میں مبتلا ہوتا ہوں جس حال یہ شعر یاد آتا ہے ؎

چہل سال عمر عزیزت گذشت ۔۔۔ مزاجِ تو از حال طفلی نگشت

پچاس کا بھی ایک شعر ہے ؎

ایکہ پنجاہ رفت و در خوابی ۔۔۔ مگر ایں پنج روزہ دریابی

اور ساٹھ کی نسبت کسی نے کہا ہے ؏ چو شصت آمد نشست آمد بدیوار۔ اصلاح نہ ہوئی تمام عمر خرافات ہی میں گذر گئی لیکن اس سے دل شکستہ نہ ہو اسلئے کہ دل شکستہ ہونیکا انجام یہ ہے کہ آدمی کام سے بیٹھ رہتا ہے۔ ہمارا کام یہی ہے کہ چلیں اور گریں انکا کام یہ ہے کہ ہم کو اٹھائیں انشاء اللہ انجام بخیر ہوگا۔ بندہ کا کام سعی کا ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش ۔۔۔ تا دمے آخر دمے فارغ مباش

یہ فکر نہ کرو کہ بے فکر ہو کر رہیں یہ نفس کا کید ہے نفس یوں چاہتا ہے کہ آرام سے رہوں نفس کو کشاکشی سے تکلیف ہوتی ہے کہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے کبھی ہم اسپر غالب ہوتے ہیں وہ چاہتا ہے کہ میں چپ بیٹھ جاؤں مصیبت سے چھوٹ جاؤں اسلئے فارغ ہونیکی فکر نہ کرو آگے مولانا فرماتے ہیں ؎

تا دمے آخر دمے آخر بود ۔۔۔ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

یعنی آخر کوئی وقت تو ایسا آویگا کہ عنایت حق تجھ کو کھینچ لیگی اور اگر اسبات کا فکر ہے کہ افسوس بزرگ تو نہ ہوئے تو مارو جھاڑو کیسی بزرگی اس کوچہ میں تو فنا ہے بعض لوگ اسیواسطے ذکر و شغل کرتے ہیں کہ بزرگ بنجاویں یاد رکھو یہ شرک فی الطریقت ہے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کوئی عمل ایسا بتلایئے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو حضرت نے فرمایا کہ بھائی تمہارا بڑا حوصلہ ہے کہ جو اسکی تمنا کرتے ہو ہمارا تو ذہن بھی اسطرف کبھی نہیں جاتا ہمکو تو واللہ اگر حضور کے روضہ اقدس کے گنبد خضرا ہی کی زیارت ہو جائے تو غنیمت ہے۔ بزرگی اور تقدس کی نیت چھوڑو ہمکو کہتے ہیں کہ اگر اللہ میاں ناراض نہ ہوں تو یہی غنیمت ہے۔ محبت تو وہ

شئے ہے کہ محبوب کا مرتبہ تو بہت زیادہ ہے - محبوب کے یہاں کا کوئی ادنیٰ آدمی اگر جوتیاں بھی مارے تو اسکو بھی فخر سمجھے - میں نے ایک حکایت سلاطین ترکیہ میں سے کسی سلطان کی سنی ہے کہ قسطنطنیہ میں وزیر اعظم کی سواری جارہی تھی اور حسب دستور امراء ایک آدمی ہٹو بچو کا غل مچاتا ہوا آگے آگے جاتا تھا - ایک عرب کو ہٹنے میں ذرا دیر ہوئی اُس وزیر نے ایک ہنٹر رسید کیا - اُس عرب کو غصہ آیا اُسنے مُنہ پر ایک جوتا کھینچکر مارا - گرفتار کر لئے گئے اور یہ مقدمہ سلطان المعظم کے اجلاس میں پیش کیا - سلطان نے فرمایا کہ واقعی انہوں نے بڑا جرم کیا لیکن میں اطلاع کئے دیتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ یہ واقعہ ہوتا تو میں ان کا جوتہ سر پر رکھ لیتا - اسلئے کہ دار محبوب یعنی مکہ کے رہنے والے ہیں - تو صاحبو یہ ہوس ہی چھوڑ دو کہ ہماری بڑی شان ہوگی - ارے محبت اور جاہ تو متضادین ہیں - محبت جلنے اور گلنے اور مٹنے کے لئے ہے ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن	پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن	دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن
سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن	گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

کفر اور اسلام یہ اصطلاحی الفاظ ہیں ان سے فنا و بقا مراد ہے - پس یہاں ہردم فنا و بقا ہے - حضرت احمد جام فرماتے ہیں ؎

کشتگان خنجر تسلیم را	ہر زماں از غیب جانے دیگر است
پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے است	مصطفے فرمود دنیا ساعتے است

اگر اس فنا و بقا کا تماشا منکشف ہوجائے تو آدمی بھول جائے دعوی اور پندار کو اور اسکا دعوی اور پندار ایسا ہی ہے جیسے ایک قطرہ بارش کا کہ ابر سے جسوقت جدا ہوا تو کہتا تھا انا کذا و انا کذا لیکن جسوقت دریا میں پہونچا تو اُسوقت اسکو اپنی ہستی کی حقیقت معلوم ہوئی - شیخ شیرازی رح اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید	خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم	گر او ہست حقا کہ من نیستم

الحاصل اصحاب کہف کو اپنے عمل پر ناز نہیں ہوا بلکہ حقتعالی پر نظر رہی اور اول جو دعا کی تھی ربنا اتنا من لدنک رحمۃ الخ اسکو یہاں بطور ثمرہ دوسرے عنوان سے بیان کیا

اور اس عنوان بدلنے میں بہت اسرار اور غوامض ہونگے جو غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں لیکن میری عادت یہ ہے کہ جو بات بے تکلف سمجھ میں آجاتی ہے اُسکو بیان کردیتا ہوں اور جو نہیں سمجھ میں آتی اُسکو چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ تمامتر تقریر اس آیت کی تفسیر و ترکیب اور بعض لطائف کے متعلق تھی۔ اب مقصود کو اس سے استنباط کرتا ہوں جسکو تقریر سیاق پر غور کرنے سے عاقل خود بھی سمجھ سکتا ہے لیکن تصریحاً بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ اس آیت سے چند امور ثابت ہوئے۔ (اول) تو فاووا الی الکھف سے یہ سمجھا گیا کہ کسی درجہ میں خلوت مقصود ہے (دوم) فاووا کو اعتزلتموھم پر مرتب کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ خلوت جب نافع ہے جبکہ جلوت سے مضرت ہو (سوم) اشارہ اسطرف ہوا کہ مسلم کی شان یہ ہے کہ اسکا ظاہر و باطن یکساں ہو جب باطناً عزلت ہو تو ظاہراً بھی عزلت ہونا چاہیئے (چہارم) خلوت فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ رحمتِ حق مقصود ہے کما یدل علیہ ینشر لکم الخ (پنجم) جب ناجنسوں کی صحبت میں ہو تو ایسے وقت خلوت مکمل دین ہی میں نے جو دعویٰ کیا تھا الحمد للہ آیت سے وہ ثابت ہوگیا کہ خلوت فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ جن لوگوں نے اسکو مقصود سمجھا ہے اُن پر حقتعالیٰ نے انکار فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنا ھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا۔ یہ آیت بنی اسرائیل کے بارہ میں ہے فرماتے ہیں کہ ترک تعلقات کو اُنھوں نے خود ہی ایجاد کر لیا تھا ہمنے انپر اسکو فرض نہیں کیا۔ اس آیت کی ترکیب یہ کہ الا بمعنے لاکن ہے اور ابتغاء کا عامل مقدر ہے اور تقدیر کلام یہ ہے لکن فعلوھا ابتغاء رضوان اللہ یعنی اُنھوں نے اس رہبانیت کو اللہ کی رضامندی طلب کرنے کے لئے اختیار کر لیا تھا لیکن چونکہ اُسکی رعایت نہ کی اسلئے رضائے حق سے محروم رہے پس حقتعالیٰ نے ایسے ترک تعلقات کو ابتداع سے تعبیر فرمایا اسلئے کہ ترک تعلقات سے مقصود تقلیل تعلقات ہے نہ کہ یک لخت تعلقات ترک کر دئے جائیں اُنھوں نے ایسا ہی کیا تھا مخلوق سے علیحدہ ہو کر جنگل میں رہتے تھے نہ کسی سے ہنستے تھے نہ بولتے تھے نہ نکاح کرتے تھے اسپر رد فرمایا ہے ایسا ترک تعلقات پسندیدہ نہیں بلکہ ہنسو بولو کھاؤ پیو ہاں انہماک مضر ہے اور حضورؐ سے زیادہ کون ہوگا آپ ہنستے بھی تھے باتیں بھی کرتے تھے بیبیوں کے پاس بھی جاتے تھے۔ اسپر شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضورؐ کو تو ضرورت خلوت اور ترک تعلقات کی نہ تھی اور ہم کو ضرورت ہے تکیف القیاس بات یہ ہے

کہ یہ صحیح ہے لیکن قواعد شرعیہ سے ثابت ہے کہ ہمکو بھی ایک حد خاص ہی تک ضرورت ہے یعنی جبتک کہ نسبت راسخ نہ ہو اُسوقت تک خلوت کی ضرورت ہے اور جب رسوخ ہو جائے اُسوقت یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ مطلقاً ضرورت نہیں ہے ضرورت تو اُسوقت بھی ہے لیکن فرق اسقدر ہے کہ ابتدا میں تو زیادہ خلوت کی ضرورت ہے اور رسوخ کے بعد بھی ضرورت رہتی ہے لیکن قلیل خلوت کی اور دلیل اسکی یہ ہے کہ حضورؐ کو ارشاد ہے وتبتل الیہ تبتیلا اور ارشاد ہے فاذا فرغت فانصب پس اہل تمکین کے لئے بھی ضرورت اسکی رہتی ہے کہ شب و روز میں کوئی وقت ایسا ہو کہ جسمیں اُنکی یہ حالت ہو ؎

خوشا وقتے و خرم روزگارے	کہ یارے برخورد از وصل یارے

اور یہ کیفیت ہو ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہروئے	بہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

پس خلوت قلیلہ کی ہر وقت ضرورت ہے باقی خلوت طویلہ اور ترک تعلقات کی ایک حد خاص تک ضرورت رہتی ہے۔ لیکن اس خلوت کے اندر بھی اسکی ضرورت ہے کہ حقوق واجبہ فوت نہ ہوں اور اتباع سُنت کے ساتھ ہوں۔ بعضوں کی شہرت ہو جاتی ہے کہ فلاں صاحب کسی سے بولتے ہی نہیں یا کہ روٹی نہیں کھاتے یا فلاں بزرگ آم نہیں کھاتے۔ اِن لوگوں نے حلال چیزیں چھوڑ کر ایک حرام شے یعنے عجب اور ریا کو اختیار کیا اور نیز گویا در پردہ اللہ میاں پر بھی معترض ہیں کہ یا اللہ میاں آپنے یہ چیزیں فضول پیدا کی ہیں اُنکی ضرورت نہ تھی یہ سب فضول اور مردود باتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں کھانے کے لئے پیدا کی ہیں خوب کھاؤ پیو۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ فصل کی ہر شے کھانا چاہیئے حتیٰ کہ بھٹے بھی کھاؤ لیکن حدود کی رعایت ہر شے کے اندر رکھنا ضروری ہے اتنا نہ کھاؤ کہ مُنہ سے نکلنے لگے جیسا ایک شخص تھے بہت کھانا کھالیا۔ تھا۔ مولوی فیض الحسن صاحب کے پاس آئے کہ حضرت کوئی تدبیر تبلایئے تکلیف ہو رہی ہے حضرت مولویصاحب نے ایک پڑیہ دی کہ اسکو کھالو کہنے لگا کہ واہ حضرت اگر اسکی جگہ ہوتی تو میں دو لقمہ اور ہی نہ کھاتا میں نے تو بڑی محنت سے بھرا ہے ہاں کوئی پیپ اوپر کا تبلا دیجئے۔ تو اتنا کھانا بھی اچھا نہیں ہے باقی سب چیزیں کھاؤ آج کل بعض لوگ تو بزرگی کی وجہ سے نعمتوں کے کھانے سے محروم رہتے ہیں اور بعضے وہم

میں وہم پڑے ہوئے ہیں کہ فلاں شئے نہ کھاؤ ثقیل ہے پیٹ میں سدہ پڑ جاویگا فلاں شئے نہ کھاؤ بخار آ جاویگا یاد رکھو یہ مقولہ مشہور ہے ان تمارضتم تمرضوا یعنی اگر تم بیمار نہ ہوگے تو بیمار ہو جاؤ گے - بے کھٹکے سب چیزیں کھاؤ ہاں اگر کوئی اسوقت بیمار ہو اور حکیم جی نے پرہیز بتلایا ہو تو وہ دوسری بات باقی اچھے خاصے تندرست کو آئندہ کے اوہام سے نہ ڈرنا چاہیئے دیکھو گاؤں کے لوگ ہیں وہ خوب بے کھٹکے سب کچھ کھا لیتے ہیں اُن کو کچھ بھی نہیں ہوتا ہے - ایک حکیم صاحب تھے وہ کہیں جنگل میں چلے جا رہے تھے ایک کسان کو دیکھا کہ گھر سے اُسکے کھانا آیا چار روٹ موٹے موٹے اور ایک لوٹہ چھاچھ کا - اُسنے وہ چاروں روٹیاں کھا کر اور اُوپر سے چھاچھ کا لوٹہ مُنہ سے لگا لیا اور حکیم صاحب قواعد کی رُو سے ڈر رہے ہیں کہ اب یہ ضرور مریگا جب وہ سب پی گیا حکیم جی نے کہا کہ چوہدری صاحب اس چھاچھ کو اگر آپ درمیان میں پیتے تو اچھا تھا بولا کہ اچھا اپنے لڑکے کو پکارا اورے جا چار روٹ اور لے آ - اسکا کہنا بھی کرلوں چار روٹ اور منگا کر کھالئے اور کہنے لگا کہ اب تو بیچ میں ہو گئی تو ایسے لوگوں کو کچھ ضرر نہیں ہوتا اسلئے کہ بلا وہم و تکلف کھاتے ہیں اور پھر محنت خوب کرتے ہیں پس خوب محنت کرو - ذکر کی ضربیں لگاؤ اور خوب کھاؤ آجکل یہ حالت ہے کہ کسی کو یہ خبط ہو گیا ہے کہ میں اگر کھاؤنگا تو میری بزرگی چھن جایگی کسی کو یہ خبط ہے اور ایسے لوگ زیادہ ہیں کہ اگر فلاں شئے کھاؤنگا تو تندرستی جاتی رہیگی - ترک لذات کا میں انکار نہیں کرتا کہ اسکی کوئی اصل نہیں ہو بزرگوں نے کیا ہے اور کرایا بھی ہے مگر اُس کی ایک حد ہے ایک بڑھیا نے اپنے بیٹے کو حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا کہ حضرت اسکو بھی تعلیم فرمایئے حضرتؓ نے اُسکو خانقاہ میں بھیجدیا وہاں اُسکو سوکھے ٹکڑے کھانے پڑے ایک مدت کے بعد وہ بڑھیا آئی دیکھا کہ بیٹا بہت دُبلا ہو رہا ہے بڑا غصہ آیا اور پہونچی حضرت کی خدمت میں - دیکھا کہ حضرت مرغ نوش جاں فرما رہے ہیں اور بھی زیادہ بیتاب ہوئی اور کہا کہ حضرت آپ تو مُرغ کھاتے ہیں اور میرا بیٹا سوکھ کر کانٹا ہو گیا - فرمایا کہ میں اُسکو مرغ کھانے کے قابل بنا رہا ہوں مرغ کی ہڈیاں پڑی تھیں فرمایا کہ دیکھ اسطرف اُن ہڈیوں کو فرمایا قم باذن اللہ وہ ہڈیاں آپس میں ایکدوسرے سے ملکر اچھا خاصہ مُرغ بنکر کھڑا ہو گیا -

فرمایا کہ جب تیرا بیٹا ایسا ہو جائیگا وہ بھی مُرغ کھائیگا ابھی اُسکو اسی کی ضرورت ہے مولانا فرماتے ہیں

لقمہ و نکتہ ہست کامل را حلال	تو نہ کامل مخور ہیں باش لال

یعنی تصوّف کے نکتہ بیان کرنا اور تر لقمے کھانا کامل کو حلال ہے یعنی اُسکو مضر نہیں اور جو کامل نہیں ہے اُسکو کمال کی حد تک خاموش اور تارک لذات رہنا چاہئیے لیکن وہ زمانہ دوسرا تھا اُسوقت کا مطب بھی جدا تھا زمانہ کے اختلاف سے مطب ہمیشہ بدل جایا کرتا ہے اُسوقت کے لوگ شائق تھے اور حقتعالیٰ سے اُن کا علاقہ قوی تھا ایسے مجاہدات و ریاضیات سے اُنکے تعلق میں کوئی فرق نہ آتا تھا اب لوگوں کی دوسری حالت ہو اب وہ وقت ہے کہ لوگوں کی ہمتیں ضعیف اور شوق کم اور قوی کمزور ہو گئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی محبت بھی بہت کم ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کھانے پینے کو دے تو کچھ کر لیتے ہیں ورنہ اللہ میاں سے بھی کدورت ہو جاتی ہے۔ اب خوب بھی کھاؤ دودھ پیو قوت آویگی تو خدا تعالیٰ کی محبت کا بھی کچھ سرسراہٹ ہوگا اور نیز آجکل عقل بھی کم ہو کھانا پینا ترک کر کے سمجھتے ہیں کہ ہمنے بڑا کام کیا ہے پھر اسپر منتظر ہونگے ثمرات کے اور اپنے کو حقدار سمجھیں گے پھر اُس کے بعد دو صورتیں ہونگی کہ وہ ثمرات مزعومہ اگر حاصل نہ ہوئے تو سمجھیں کہ جب اتنی محنت سے کچھ نہ ہوا تو بس جی اب کچھ حاصل نہ ہوگا جو کرتے تھے اُسکو بھی چھوڑ بیٹھیں گے اور اگر حاصل ہو گئے تو اپنی محنت کا ثمرہ سمجھیں گے اور عُجب میں مبتلا ہونگے اسلئے اب یہ مجاہدہ متروک ہو گیا ہے اب مجاہدہ صرف خلوت کا ہے لیکن خلوت کا بھی ہر شخص کو وقت طویل نہیں ملتا اسلئے حقتعالیٰ نے شریعت مقدسہ میں ایک خاص خلوت مقرر فرمائی ہے اور ایک بڑے زمانہ میں سے چھوٹا سا زمانہ اس خلوت کے لئے مشروع فرمایا ہے یعنی رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کو اسلئے منتخب فرمایا ہے اور اِس خلوت کا نام اعتکاف رکھا ہے خلوت نام نہیں رکھا اسلئے کہ خلاصہ اور حکما کا نام ہے اسلئے اُسکو چھوڑ دیا گیا اسلئے اسکو خلوت سے تعبیر نہ کرنا چاہئیے۔ اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ عشاء کو عتمہ نہ کہو اسلئے کہ یہ جاہلیت میں اس وقت کا نام عتمہ ہے۔ آجکل ایک عام غلطی ہو رہی ہے اور منشا اس غلطی کا مورخین یورپ کی تقلید ہے وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بانی اسلام کہتے ہیں وہ لوگ آپ کو بانی اسلام اس بنا پر کہتے ہیں کہ اُن کے نزدیک اسلام نعوذ باللہ حضورؐ کا بنایا

ہوا اور گھڑا ہوا ہے آسمانی مذہب نہیں ہے۔ اُنکی دیکھا دیکھی ہمارے بھائی بھی کہنے لگے اگر اس میں تاویل نہ کیجاوے تو بہت سخت لفظ ہے اور سخت بے ادبی ہے۔ حضور کے القاب جو حدیث و قرآن میں آئے ہیں اُن سے تعبیر کرنا چاہئے قرآن میں یا ایہا الرسول یا ایہا النبی فرمایا ہے اور حضور فرماتے ہیں اَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ اِن القاب سے زیادہ باوقعت کون سے القاب ہونگے جو آپ اِن کو چھوڑکر غیر قوموں کے مخترع القاب کو اختیار کرتے ہیں۔ ایسے ہی لفظ خلوت کا قدیم لفظ ہے اللہ تعالےٰ نے ہمکو بجائے اسکے اعتکاف سکھلایا ہے ارشاد ہے فلا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد اور فرماتے ہیں وطہر بیتی للطائفین والعاکفین۔ گو لفظ خلوت کا استعمال بھی جائز ہے بزرگوں کے کلام میں بھی ہے مگر جس خلوت کا لقب اعتکاف فرمایا ہے وہاں یہی لفظ اختیار کرنا چاہیئے یہ کلام تو عنوان میں تھا اور انکی اور ہماری خلوت میں بدرجہ عنوان بھی فرق ہے ہماری خلوت بوجہ رعایت حدود محمود ہے اور اُنکی خلوت کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے فما رعوھا حق رعایتھا وجہ یہ کہ جب حدود کی رعایت نہ ہو تو کیسی ہی اچھی چیز ہو وہ بھی مذموم ہوجاتی ہے اور اُنکی خلوت میں چند نوع کی کمی تھی اول تو بوجہ طویل ہونے کے ہر شخص اُس سے منتفع نہیں ہوسکتا تھا اِسلئے کہ مدت العمر تمام تعلقات چھوڑکر کیسے کوئی شخص محبوس رہ سکتا ہے۔ حقتعالیٰ نے ایسا مختصر زمانہ اُسکے لئے مقرر فرمایا کہ ہر شخص کو آسان ہے اور پھر اُس سے زیادہ نافع کما سنبین مفصلاً۔ دوسرے وہ خلوت ایسی جگہ کرتے تھے جہاں پرندہ پر نہ مار سکے یعنی وہ پہاڑوں کے غاروں اور جنگل کے گوشوں میں جاکر بیٹھتے تھے کہ خواہ مخواہ وحشت ہوکر آدمی آدمیت سے نکلکر وحوش میں شامل ہوجاوے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی عجیب و غریب اصلاح فرمائی وہ یہ کہ اعتکاف کو مساجد میں مشروع فرمایا کہ جن سے خلوت مقصود تھی اُن سے یکسوئی ہوگئی یعنی ناجنسوں سے اور جن سے یکسوئی مقصود نہ تھی یعنی اپنے ہمجنس اُن سے خلوت نہیں ہوئی۔ مجھے قصہ یاد آیا کہ ایکمرتبہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تنہا بیٹھے تھے میں وہاں جا پہونچا جب میں نے دیکھا کہ حضرت تنہا تھے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں مخل وقت ہوا فرمانے لگے کہ نہیں خلوت از اغیار نہ از یار تم تو اپنے ہمجنس ہو اور اسی مضمون کی مؤید حدیث یاد آئی ارشاد ہے الوحدۃ خیر

من الجلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدۃ یعنی تنہائی بُرے ہمنشین سے بہتر ہے
اور اچھا ہمنشیں تنہائی سے بہتر ہے سبحان اللہ شریعت نے کیا اعتدال سکھایا ہے اور
راز اسمیں یہ ہے کہ خلوت کا مقصود تو یہ ہے کہ مشغولی بحق بڑھے لیکن جب اچھا جلیس
کوئی ملے تو اُس سے مشغولی مع اللہ بہ نسبت خلوت کے زیادہ ہوتی ہے ۔ میں بقسم کہتا
ہوں کہ یار موافق سے جسقدر حضور اور مشغولی بڑھتی ہے اسقدر خلوت سے نہیں بڑھتی چنانچہ
مجھ کو اسوقت جسقدر لُطف بوجہ جلوت کے اِس بیان میں آرہا ہے اُسقدر خلوت میں نہیں
آتا ۔ جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا رشید احمد
صاحب گنگوہی قدس سرہ ایسے الفاظ حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ اکیلے ہی رہ گئے ۔
مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا	بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا
چونکہ گل رفت و گلستاں درگذشت	نشنوی زیں پس ز بلبل سرگذشت

حقیقت میں یہ لوگ سمجھدار تھے ۔ پس اگر جلیس صالح میسر ہو تو خلوت پر اُسکو ترجیح ہے ۔
آجکل تو اکثر صحبت بُری ہی ہے اِسلئے خلوت ہی بہتر ہے ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است	صراحی مئی ناب و سفینہ غزل است

اور کوئی جلیس موافق میسر ہو تو اُس کی نسبت فرماتے ہیں ؎

مقام امن و مئی بے غش و رفیق شفیق	گرت مدام میسر شود زہے توفیق

لیکن اِس زمانہ میں جلیس صالح کہاں ہے ۔ اگر ہو تو سبحان اللہ اُس سے مستفیض ہو
ورنہ خلوت سب سے بہتر ہے اور اگر صحبت ہی کو دل چاہے تو مُردوں کی صحبت میں
بیٹھے کہ اُنکے پاس بیٹھ کر آخرت تو یاد آویگی وہ مُردے اِن زندوں سے بہتر ہیں یہ
زندے تم کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ مُردے تم کو حیات بخش ہیں ۔ غرض فی المساجد سے
اسطرف اشارہ فرمادیا ہے کہ خلوت بے نمازیوں سے مقصود ہے اور نمازیوں سے خلوت
مقصود نہیں ان سے تو جلوت مقصود ہے اسیواسطے حکم ہے کہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرو
جہاں جماعت ہوتی ہو ایسی مسجد نہ ہو جہاں آدمی کا نام و نشان نہ ہو تو بولتے ہوا ہے اِس سے
بھی صاف معلوم ہوگیا کہ جماعت مقصود ہے چنانچہ فقہاء بے تکلف سمجھ گئے کہ اعتکاف
سے انتظار جماعت کا ثواب اور ادراک جماعت مقصود ہے ۔ کہاں گئے وہ غالی جو

خلوت ہی کو مقصود ٹھیراتے ہیں اور خلوت کی تحصیل کیواسطے بہت سے حقوق واجبہ ضائع کرتے ہیں دیکھئے فقہار کے اس لکھنے سے معلوم ہو گیا کہ خلوت بانتظار جلوت مقصود ہے پس خلوت ایک انڈا ہے اور جلوت ایک بچہ ہے جب انڈے سے بچہ نکل آوے تو انڈا بیکار ہے بہرحال فی المساجد کی قید نے صاف بتلا دیا کہ خلوت فی نفسہ مقصود نہیں ہے سبحان اللہ کیا اعتدال ہے کہ نہ ایسی خلوت ہے کہ توحش تک نوبت آجاوے اور نہ ایسی ہے کہ مقصود حاصل نہ ہو بالکل مذاق اور طبائع کے موافق شریعت کی اسی حسن و جمال ہی پر نظر کر کے تو میں کہا کرتا ہوں ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

ہر ہر ناز دلربا اور ہر ہر ادا نرالی اور سادہ اور پھر دقیق ع دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند۔ یہ حالت تو حکمار کے مجاہدوں اور ریاضت کی ہے اور شریعت کی کیا حالت ہے ؎

اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

اور جو لوگ اس آزادی کو قید اور ایسے آزادوں کو مقید سمجھتے ہیں تو انکی خدمت میں عرض ہے کہ یہ قید وہ ہے ؎

اسیرش نخواہد رہائی زبند
شکارش نجوید خلاصی زبند

اگر تم کسی پر عاشق ہو جاؤ اور وہ مدت کے بعد تمکو ملے اور لپٹ جائے اور خوب تمکو دباوے اور پھر کہے کہ چھوڑ دوں تو ہرگز تم اسپر راضی نہ ہوگے بلکہ غنیمت سمجھوگے کہ مدت کے بعد تو ملا ہے اچھا ہے جسقدر اس سے قرب ہو۔ تو جناب آپ جس آزادی کو آزادی کہتے ہیں لعنت ہے ایسی آزادی پر جو خدا و رسول سے آزادی ہو۔ ہمارے نزدیک جو اس قسم کا آزاد بنے ہمتو اس سے بے تکلف کہیں گے ؎

مباد اول آن فرومایہ شاد
کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

اور کیا آزادی ہے اپنے نزدیک آزاد ہونگے سینکڑوں بلاؤں میں مقید ہیں کوئی بوٹ کا مقید ہے کوئی سوٹ کا کوئی کانٹے کا کوئی چھری کا۔ آزاد ہم ہیں انکی عزت اگر جوتہ اور بوٹ سوٹ سے ہے ہماری عزت دولت ایمان سے ہے وہ اگر عبد الفیشن ہیں تو ہم عبد اللہ ہیں۔ بہرحال خلوت کو ان حکمتوں کی وجہ سے مشروع فرمایا لیکن اس پر بھی مخاطبیں میں بعض ایسے تھے کہ یہ سنکر کہ دس روز تک مسجد میں رہیں گے

نفس کو مزہ آیا کہ آہا خوب باتیں گھڑینگے - حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکا اس طرح انسداد فرمایا کہ مسجد میں ایک چٹائی کا حجرہ بنایا اور اُسمیں رہے اِس سے بتلایا کہ مسجد میں رہو تو اسطرح رہو - صوفیہ نے یہاں سے ایک ایسا حجرہ خلوت کے لئے اختیار کیا ہے کہ اُسمیں سوائے چٹائی کے کچھ نہ ہوتا تھا - ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو حجرے تھے ایک میں تو حاجت کی اشیاء رکھی تھیں اور ایک مخصوص تھا اُسمیں سوائے چٹائی کے کچھ نہ تھا - اور یہ بھی صوفیہ نے فرمایا ہے کہ خلوت کا حجرہ بہت چھوٹا ہونا چاہیئے - الحاصل حضورؐ نے مسجد میں چٹائی کا حجرہ بنا کر تعلیم فرمایا کہ مسجد میں اسطرح رہنا چاہئے اور یہی ماخذ ہے اِس عادت کا کہ پردہ وغیرہ اعتکاف میں ڈالدیتے ہیں لیکن اسمیں بھی شاید کوئی غلو کرتا اِسلئے کہ یہ ایک امتیاز کی شان ہے کہ حجرہ میں خود بیٹھے ہیں اور باہر مریدین و معتقدین جمع ہیں کہ شاہ صاحب نکلیں گے تو زیارت کریں گے اور باتیں کرینگے اِسلئے حضور نے اسکا یہ انتظام فرمایا کہ نماز کے وقت کہ وہی وقت اجتماع کا ہے خود بخود باہر رونق افروز ہو گئے اسی بنا پر اہل اعتکاف کا طریقہ ہے کہ نماز کے وقت پردہ وغیرہ سب اُٹھا دیتے ہیں تاکہ کوئی امتیاز کی شان پیدا ہو کر عجب نہ ہو واللہ اگر تمام جہان کے عقلا چاہتے کہ ان مصالح کی رعایت کریں تو ہرگز نہ کرسکتے یہ نور وحی ہے کہ جو ایسے دقیق دقیق مصالح کی رعایت فرمائی - کہ من وجہ قید من وجہ اطلاق خلوت بھی محفوظ اجتماع بھی محفوظ - علاوہ اِس کے ایک اور دقیق رعایت کی وہ یہ ہے کہ اس پر نظر فرمائی کہ رات کو کام زیادہ کرنا چاہئے لیکن رات آرام کا وقت ہے اگر دس کے دس راتیں کام کریں تو بیمار ہو جانیکا اندیشہ تھا اِسلئے اُن راتوں کی حقتعالی نے عجیب طریقہ سے تقسیم فرمائی کہ طاق راتوں کو شب قدر بنا کر بتلا دیا کہ ایک رات سوؤ اور ایک رات جاگو اور اُن راتوں میں ایسی برکات رکھدیں کہ الف شہر کی خلوت سے وہ بات نصیب نہیں جو اُن راتوں سے ہوتی ہے - اگر حکما اپنی عقل سے ہزار تدبیریں کرتے اور تدبیریں کرتے کرتے مر رہتے تو یہاں تک ہرگز رسائی نہ ہوتی - اِسلئے کہ اسکا ادراک کیسے ہوتا کہ کون سے زمانہ میں کتنی برکت رکھی ہوئی ہے اور اِسیطرح کسی زمانہ کے اندر کوئی برکت پیدا کرنے کی بھی قدرت نہ تھی. یہ تو خالق الزمان کے تصرف سے برکت پیدا ہو گئی اور اُنؑ ہی کے بتلانے سے معلوم ہوا

صاحبو! یہ برکات تم کو مفت ملتی ہیں۔ گو اب دس دن باقی نہیں رہے لیکن جو باقی ہیں اُن کو بھی ہاتھ سے نہ دو کم از کم تین ہی دن دنیا بھر کے بکھیڑے چھوڑ کر مسجد میں بیٹھ جاؤ۔ تین دن نہ سہی ایک ہی دن سہی۔ میں نے ایک جگہ دیکھا ہے کہ حضورؐ نے ابوطالب سے فرمایا تھا کہ میرے کان ہی میں کلمہ کہہ لو ؎

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہونچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

اور اس سے زیادہ سُنئے علماء نے لکھا ہے کہ ایک گھنٹہ کا اعتکاف بھی مشروع ہے اللہ اللہ اگر اب بھی کوئی محروم رہے تو بہت ہی خسران کی بات ہے ؎

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اُنکی طرف سے تو کچھ کمی نہیں ہے لیکن آپ بھی تو کچھ حرکت کیجئے۔ ہماری اور حقتعالیٰ کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ اور آپ کہ بچہ چل نہیں سکتا لیکن تم منتظر اس کے ہو کہ یہ کچھ تو حرکت کرے۔ جب یہ کچھ حرکت کرے تو میں اسکو گود میں اُٹھا لونگا سنبھال لوں گا۔ اسی طرح حقتعالیٰ دیکھتے ہیں کہ بندہ کچھ تو کرے جب یہ کچھ حرکت کرتا ہے تو اُدھر سے رحمت ہوتی ہے جذب ہوتا ہے۔ ورنہ اگر اُدھر سے جذب نہ ہوتا تو یہ مسافت آپکے قطع کرنے سے قطع نہ ہوتی ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدن ہا
کہ می بالد بخود این راہ چوں تاک از بریدن ہا

چونکہ رمضان المبارک اخیر ہے اسلئے اسکو غنیمت سمجھو خدا جانے پھر نصیب ہو یا نہ ہو اور جمعہ گذشتہ کو جو حقوق بیان کئے گئے تھے اُسکو بھی تازہ کر لو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اعتکاف روزہ تراویح اِن ایام کے عبادات ہیں اِن کے حقوق ادا کرو۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ توفیق عطا فرما دیں۔ آمین۔

التہذیب نمبر (۵)

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	من ای شان	لمن ضبط	المستمعون	الشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ نافع ہے	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۰ رمضان ۱۳۳۶ھ	۳ گھنٹہ ۳۰ منٹ	بیٹھکر	۰	مجاہدات شرعیہ کے اختصار اور حکم واحکام	عامۃ مفید ہے	محمد مجید اسعد علی عفی عنہ گنگوہی	۵۰۰	۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ہ یہ ایک آیت ہے جو متعلق ہے صیام کے۔ اِسکے قبل چند جمعوں میں روزہ۔ تراویح۔ اعتکاف اور اُنکے اسرار واحکام وحقوق وآداب وخواص مع اُن کے شعب ومتعلقات کے ذکر کئے گئے ہیں۔ جن کا حاصل تھا مجاہدہ کہ حق جل وعلا شانہ نے نفس کے قوی منکسر کرنے کے لئے چند مجاہدات کی تعلیم کی ہے اور وہ مجاہدات تمام قوموں کے مجاہدات سے ممتاز ہیں۔ اور یہ مجاہدات ہمارے ہی نفع اور مصالح کے لئے ہیں۔ کوئی یہ سمجھے کہ ہم پر بڑا بار ڈالا گیا ہے۔ مجاہدہ تو وہ شے ہے کہ ہر سلیم المزاج اسکی طرف راغب ہے۔ بلکہ جو مجاہدہ نہیں کرتے ہیں وہ بھی اُسکو پسند کرتے ہیں چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ تمام فساق وفجار مجاہدہ سے خود تو معترض ہیں مگر اسکے ساتھ ہی اہل مجاہدہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ جس شخص کو وہ دیکھتے ہیں کہ زاہد ہے تارک ہے بالطبع اسکی طرف اُن کو بھی میلان ہوتا ہے۔ دنیادار کیسا ہی دنیادار ہو جب وہ دیکھیگا طالب دنیا سے لڑیگا تارک دنیا سے نہ لڑیگا۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔ صرف یہ وجہ ہے کہ اسکو خیال ہے

کہ یہ شخص دُنیا کا تارک ہے - اس خیال نے اُسکے سب خیالات کو پست کر دیا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ دُنیا سے خدا کو بغض ہے اسکا اثر ایسا عام ہے کہ محبین دُنیا کے قلوب میں بھی اُسکا اثر ہے - اگر دنیا کی محبت اچھی شے ہوتی تو ایک محب دوسرے محب سے ضرور محبت کرتا لیکن یہ بات نہیں بلکہ آپس میں لڑتے ہیں - کہتے ہیں مُتقی ہیں بہر حال زہد فی الدنیا بالطبع مرغوب ہے اور تارک تعلقات سے اوّل تو محبت ہی ہوتی ہے اور اگر محبت نہ بھی ہو تو بغض تو ہرگز نہیں ہوتا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب دُنیا ایسی شے ہے کہ اُسکے بُرے ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور ترک دنیا ایسی محبوب شے ہے کہ اُسکی محبوبیت پر سب کا اتفاق ہے - اسی واسطے اسکا تھوڑا بہت رواج ہر قوم میں ہے - عیسائی - ہندو جو کہ منکرین اسلام ہیں وہ بھی اسکو ضروری جانتے ہیں حکماء و فلاسفہ تو خواہ وہ مشائین ہوں یا اشراقیین مجاہدہ کو بہت ہی ضروری جانتے ہیں - چنانچہ تہذیب اخلاق میں اُنکی کتابیں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ تہذیب اخلاق بدون نفس کُشی کے ہو نہیں سکتی کیونکہ نفس کے موافق کرنے سے بھی تو بہت سی بد اخلاقیاں صادر ہوتی ہیں - مثلاً ایک شخص ہے اُسکا جی چاہا کہ فلاں عورت کے پاس جائے - تو اگر وہ اپنے نفس کو نہیں روکیگا اور خلاف نفس کچھ نہ کریگا تو یہ فعل اُس سے صادر ہو جائیگا جو کہ تمام ملل میں مذموم و مبغوض و منہی عنہ ہے - حکماء میں مجاہدہ ہونیکی ایک حکایت یاد آئی - ایک شخص حکیم نے دوسرے ایک یونانی حکیم کی تصویر دیکھ کر یہ کہا تھا کہ علم قیافہ کی رُو سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ شخص زانی ہے - لوگوں نے کہا کہ یہ تو فلاں حکیم کی تصویر ہے اُس کو ندامت ہوئی - مگر اُسنے یہ کہا کہ کسی کی ہو ضرور اس شخص کے اندر یہ عیب ہے - لوگوں نے جا کر اُس حکیم سے کہا کہ ایک شخص تمہاری نسبت ایسا کہتا ہے - سچے لوگ تھے اُسنے کہا کہ وہ سچ کہتا ہے میرے اندر مادہ اس فعل خبیث کا ہے - لیکن میں مجاہدہ کرتا ہوں اور نفس کو مغلوب کرتا ہوں اسلئے عمر بھر میں صدور اس فعل کا کبھی نہیں ہوا - تو باوجود ایمان نہ لانے کے اُن لوگوں نے نفس کی اتنی بڑی مخالفت کی کہ عمر بھر صدور اسکا نہ ہونے دیا - غرض مجاہدہ وہ شے ہے کہ اُسکی پسندیدگی تمام اہل مذاہب کے نزدیک مسلّم ہے - بلکہ دہری بھی کسیقدر مجاہدہ ضرور کریگا - بغیر اسکے اُسکو بھی چارہ نہیں ہے - اگرچہ مقصود اُسکا دنیا ہو مثلاً اُسکو کسی پر غصہ آیا اور جانتا ہے کہ اگر میں اپنے غصہ کو جاری کرونگا تو خود مجھ کو یہ شخص ضرر پہنچائیگا - تو ایسے موقعہ پر وہ ضبط سے کام لیگا اور نفس کو روکیگا - غرض مجاہدہ کی ہر قوم اور ہر اہل مذہب بلکہ ہر شخص کو ضرورت ہے - اور دین میں تو ضرورت ہے ہی دُنیا میں بھی ضرورت ہے باقی شریعت مقدسہ میں جو مجاہدات ہم کو تعلیم کئے ہیں اُنکو جو امتیازات ہیں اور جو اُن کے خواص و آثار ہیں وہ کسی قوم اور کسی حکیم و فلسفی کے مجاہدہ میں نہیں ہیں - اہل مجاہدہ کی نظر جہاں تک شے

پہونچتی تھی وہاں تک کی شریعت مقدسہ نے رعایت کی ہے۔ اُن خواص وحکم واسرار کو بہت مختصر طور سے
گذشتہ جمعوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اب موقع اسکا ہے کہ اُن مجاہدات کے خاتمہ کا بیان کر دیا جاوے
کہ یہ بھی قابل اہتمام ہے اسلئے جیسے کہ ابتدا کسی شئے کی مہتم بالشان ہوتی ہے ایسے ہی انتہا بھی قابل
اہتمام ہے۔ اور آج رمضان المبارک کا جمعہ اخیرہ بھی ہے اسلئے اُن بیانوں کا خاتمہ بھی
اس جمعہ کو ہو تو بہتر ہے۔ باقی درمیان میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے گو میرے موضوع
بیان کے خلاف ہے کہ اِس جمعہ کے لئے یہ صفت تو صحیح اور واقعی ہے کہ یہ جمعہ اخیرہ ہے
باقی جو خصوصیات زائدہ لوگوں نے اپنی طرف سے اسمیں بڑھائی ہیں اُنکا کہیں پتہ ونشان
تک نہیں ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ جو بات قابل اعتنا و اہتمام کے ہے اُسکی طرف تو التفات
تک نہیں اور زائد تصنیف کر لئے۔ منجملہ اُنکے ایک یہ خاصہ مشہور ہے کہ آخری جمعہ کو جسقدر نفلیں
کپڑے پہنے تو اُسکا کوئی حساب و کتاب نہ ہوگا جواب یہ ہے ھَاتُوا بُرھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ
ایک خاصہ یہ سمجھتے ہیں کہ اِس دن میں جو خطبہ پڑھا جاوے اُسمیں وداع کا مضمون اور اِس قسم کا
مضمون جس سے اظہار تاسف وحزن ہو جناب دل ہی جانتا ہوگا کہ کیسا کچھ افسوس ہے۔ ابھی دل
میں امنگیں اور شوق لگ رہا ہے کہ جلدی سے رمضان ختم ہو تو سیویاں اور چھوہارے کھائیں
اور دل میں کہتے ہونگے کہ خدا کا شکر ہے کہ یہ بوجھ اُترا۔ دل میں تو خوشی پھر مُنہ بسورنا تکلف
ہی ہے۔ اور امتحان اسکا یہ ہے کہ اگر تم کو غم ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ذریعہ سے یہ حکم بھیجدیں
کہ میرے بندوں کو رمضان کے جانے سے بہت غم ہے اچھا ایک ماہ کے روزے اور ہم فرض کرتے
ہیں تو جناب ابھی سب کے مُنہ خشک ہو جائیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں رمضان بھر تو ایام شماری
رہتی ہے کہ آج اتنے روزے ہوئے اتنے باقی ہیں۔ اور یہ تو عابدوں اور زاہدوں کی کیفیت ہے
یاد رکھو جو بات دِل میں ہو اُسکو ہی ظاہر کرنا چاہئے ورنہ ہم بچارے تو کس قطار میں ہیں۔ صحابہ
رضی اللہ عنہم سے اِس پر باز پرس ہو گئی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم غزوہ بدر کے بعد تمنا کیا کرتے تھے
کہ کاش کوئی دن مثل بدر کے ہو اُسمیں ہم دشمن سے مقابلہ کریں۔ جب غزوہ اُحد ہوا تو اُسمیں
ہزیمت ہوئی اور بعض صحابہ سے کچھ غلطی اجتہادی بھی ہوئی جسکا بڑا قصہ ہے تو اُسپر حقتعالیٰ اُنکو متنبہ فرماتے ہیں
وَلَقَدْ کُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْہُ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْہُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ یعنی تم لوگ موت کی لقاء سے پہلے اُسکی تمنا
کیا کرتے تھے اب تمنے اُسکو دیکھ لیا اور تم دیکھ رہے ہو۔ جب صحابہؓ کو اِسپر تنبیہ ہوئی تو ہمارا کیا مُنہ ہے ۵

ہم کو چاہیئے کہ سنبھلکر بولیں۔ ہم ضعیف ہیں ہمکو چاہئے کہ یوں کہیں کہ الٰہی شکر ہے ہم سے یہ عبادت جیسی بنا ادا ہوگئی اب آپ اسکو قبول کیجئے۔ افسوس اور رنج وغیرہ کا خلاف واقعہ اظہار نہ کرو۔ اور اگر کچھ رنج ہو بھی تو اسپر مسرت اسقدر غالب ہے کہ وہ رنج قابل اظہار نہیں ہے اور وہ مسرت یہ ہے کہ غنیمت ہے کہ روزہ ہمارا بیچ میں ٹوٹا نہیں۔ خیر و عافیت سے سب پورے ہوگئے۔ بجائے رنج کے خوش ہونا چاہئے اور خدا جانے یہ رنج کس نے اختراع کرلیا ہے۔ روزہ کے ختم پر تو ہم کو فرحت کی تعلیم کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے للصائم فرحتان فرحۃ عند الافطار وفرحۃ عند لقاء ربہ یعنی روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک خوشی تو افطار کے وقت اور دوسری اپنے پروردگار کے ملنے کیوقت اگر ہمارے دعووں کی رعایت ہوتی تو بجائے فرحت کے افسوس ظاہر کیا جاتا اسلئے کہ جو علت ہے رنج کی یعنی رمضان المبارک کا رخصت ہونا۔ اسکا کچھ حصہ افطار کے وقت بھی ہونا چاہئے اسلئے کہ ایک دن اور کم ہوگیا۔ لیکن یہ نہیں فرمایا بلکہ خوشی کی خبر دیگئی اور راز اسمیں یہ ہے کہ روزہ فرض ہے اور تراویح اور تہجد جو شب کی عبادات ہیں وہ سنت ہیں۔ اور یہ مسلم ہے کہ جسقدر قرب ادائے فرض سے ہوتا ہے اسقدر ادائے سنت و نوافل سے نہیں ہوتا تو اسکا مقتضےٰ یہ تھا کہ جب روزہ تمام ہو تو ہم کو رنج ہونا چاہئے تھا کہ افسوس ایک رات تک ہم روزہ کے برکات سے محروم رہینگے کیونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا۔ پس اس خیال کے رفع کرنے کے لئے ہم کو تعلیم فرماتے ہیں فرحت کی۔ باقی جو خوشی ہم کو افطار کے وقت ہوتی ہے دیکھنے کی یہ بات ہے کہ کونسی خوشی کی خبر دیگئی ہے اور کس بات کی خوشی کی خبر ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دو قسم کی خوشی ہوتی ہے۔ ہم سے والوں کو اسکی خوشی ہوتی ہے کہ اب کھانے کا وقت آگیا ہے۔ پھلکیاں کھائینگے اور جلیبیاں کھائینگے۔ اور جو اللہ والے ہیں اُنکو یہ خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عبادت کو محفوظ رکھا اور بخیریت روزہ ختم ہوگیا۔ بہرحال خواہ کسی قسم کی خوشی ہو سب محمود و مطلوب ہے۔ باقی رہا رنج کے مطلوب ہونیکی تو کوئی دلیل نہیں ہے بہرحال رنج نہ واقع ہے اور نہ اسکی کوئی اصل ہے۔ پس تاسف اور رنج کرنا اور خطبہ میں الوداع الوداع یا شہر رمضان پڑھنا بالکل بے اصل ہے۔ ہاں رمضان المبارک کے آنے سے پہلے کا تو ایک خطبہ خاصہ منقول ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ شعبان کے جمعہ اخیرہ میں حضورؐ نے خطبہ پڑھا جسمیں فرمایا یاایھا الناس قد اظلکم شہر عظیم الخ پس رمضان کے آنے کی خوشی تو ظاہر فرمائی ہے مگر جانے کا غم ظاہر کرنا اور خطبہ وداعی پڑھنا کہیں منقول نہیں۔ یہ سب تقریر جملہ معترضہ کے طور پر آخری جمعہ کے متعلق تھی مقصود تو میرا یہ ہے کہ یہ آخری جمعہ ہے اور آخری جمعہ کو یہ ضرور ہے کہ رمضان المبارک ایک ہفتہ سے کم رہ جاتا ہے۔ چنانچہ آج تاریخ

اور ہاں باقتضائے وقت یہ بھی بتا دینا ضرور ہے کہ ۲۸ کو سورج گرہن ہوتا ہے چنانچہ حساب سے آج ہونا
چاہیئے تو اُسکے آداب بھی مختصراً سمجھ لینا چاہیئے - آج سورج گرہن تخمیناً پانچ بجے سے شروع ہو جائیگا
حدیثوں میں ایسے وقت نماز آئی ہے جسکا لقب صلوٰۃ الکسوف ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی
پڑھی ہے جسمیں قراۃ سجدہ رکوع طویل تھا مگر وقت بہت کم اور نازک ہے - اور نیز احتمال ہے کہ عصر کا بعد
ہو جاوے اسلیئے نوافل اُسوقت مکروہ ہیں اسلیئے بجائے نوافل کے ذکر میں مشغول ہونا چاہیئے - لوگوں نے
جسطرح جمعہ اخیرہ رمضان کے کچھ خواص تراشے ہیں ایسے ہی سورج گرہن کے بھی اپنی طرف سے کچھ احکام مقرر
کئے ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ سورج گرہن کیوقت کھانا نہ کھاوے اصل تو اسکی یہ تھی کہ وہ وقت جب
مشغولی مع اللہ اور ذکر کا ہے تو ظاہر ہے کہ کھانا خود ہی اُسوقت ترک ہو جاویگا لیکن ذکر اللہ اور
نوافل کو تو لوگوں نے اُڑا دیا اب بجائے اسکے بیکار بیٹھے رہینگے شطرنج اور گنجفہ کھیلینگے مگر اتنی توفیق نہ
ہوگی کہ اللہ کی یاد کریں - اسیطرح جب کوئی محلہ میں مرجاتا ہے تو مشہور ہے کہ کھانا کھانا جائز نہیں -
دنیا بھر کے سب کام جائز مگر کھانا جائز نہیں - غیبتیں کرینگے دغابازی کی گفتگو کرینگے ہاں کھانا نہ
کھاوینگے - اسکی اصل یہ تھی کہ ایسے وقت جبکہ اپنے پاس والوں کو غم ہو اور خود اپنے کو بھی ہوتا ہے تو
کھانا کھانا طبعاً مکروہ ہے - شرعاً مکروہ نہیں لیکن جب دنیا بھر کے قصے اور گناہ تک تو کریں تو کھانا جو
کہ فی نفسہ مباح بھی ہے اُس سے کیوں احتراز کیا جاوے ایسے ہی یہ بھی مشہور ہے کہ عصر اور مغرب کے
درمیان کھانا نہ کھاوے اصل تو اسکی یہ تھی کہ وہ وقت فضیلت کا ہے اور اکثر بزرگوں کی عادت رہی ہے
کہ عصر کے بعد سے مغرب تک ذکر اللہ میں مشغول رہے ہیں - جب اُن کو عام لوگوں نے مشغول دیکھا تو
اس سے یہ سمجھا کہ اسوقت کھانا کھانا ممنوع ہے اور وجہ اُسکی یہ تراشی ہے کہ مرتے وقت عصر کا وقت
نظر آتا ہے اور شیطان مرنے کے وقت مُوت کا پیالہ لاتا ہے اور اُس شخص کو پیاس بہت ہوتی ہے تو اگر
اُسوقت کھانے پینے کی عادت ہوگی تو یہ شخص پی جاویگا نعوذ باللہ بالکل غلط اور جھوٹ بات ہے -
حضورؐ نے ہمکو بہت چھوٹی چھوٹی باتیں جس سے ادنیٰ سے ضرر دینی بلکہ اکثر تو اگر دنیوی کا احتمال بھی
ہوا ہے وہ بتلائی ہیں چہ جائیکہ وہ اتنا بڑا نقصان عظیم جس شئے سے لازم آتا ہے اور ہمکو منع نہ
کریں - حضورؐ نے یہاں تک ہم کو منع فرمایا ہے کہ ایک پاؤں میں جوتی پہن کر مت چلو اسلیئے کہ اسطرح
چلنے سے احتمال گر جانیکا ہے - بس جو پیغمبر اتنا بڑا شفیق ہو کیا وہ ایسے عمل سے منع نہ کرینگے جس کے
اختیار کر لینے سے شیطان کے مُوت پینے کا احتمال ہو بالکل غلط ہے - ہاں اتنا آیا ہے کہ قبر میں جب
سوال ہوتا ہے تو مثلت له الشمس یعنی دھوپ نکلی ہوئی اُسکو نظر آتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ مجھے

نماز کو دیر ہوتی ہے میں نماز تو پڑھ لوں - باقی مرنے کیوقت ایسا دکھائی دینا نہیں آیا ہے اور اگر بالفرض
ایسا ہو بھی تو وجہ اسکی یہ ہو سکتی ہو کہ چونکہ اسکی عمر کا خاتمہ ہو گیا ہے اسلئے اگر اسکو دن بھی ختم ہوتا ہوا
نظر آتا ہو تو کچھ تعجب نہیں لیکن یہ موت پینے کا مضمون قابل اعتبار نہیں ہے اور اگر کہا جاوے کہ ہمنے
خود دیکھا ہے کہ مرتے وقت لوگوں نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے تو جناب خدا خیر کرے ہمنے ایسے مُردے
بھی دیکھے ہیں کہ جنہوں نے بیان کیا کہ ہم مر گئے تھے اور جب ہماری روح فرشتے لیگئے تو ہمنے دیکھا
کہ ایک بڈھا سا آدمی بیٹھا ہوا ہے اور اُسکے سامنے ایک جسٹر کھلا ہوا رکھا ہے اُسنے اسمیں دیکھ بھال
کر کہا کہ اسکو ہم نے نہیں بلایا وہ دوسرا شخص ہے اسلئے واپس کر دیا گیا چنانچہ وہ زندہ ہو گیا - اس
حکایت سے لازم آتا ہے کہ عزرائیل علیہ السلام بھی غلطی کرتے ہیں اور اگر عزرائیل علیہ السلام غلطی کرتے
ہیں تو اُن میں اور جبرئیل علیہ السلام میں کچھ فرق نہیں وہ بھی ضرور غلطی کرتے ہونگے - اور جب کسی کے
مارنے میں غلطی کی تو کسی شئے کے پہونچانے میں بھی غلطی کا احتمال ہے - اور وحی بھی ایک شئے
ہے اُسکے پہونچانے میں جبرئیل علیہ السلام نے ضرور احتمال ہے کہ شاید غلطی کی ہو تو جناب ایسے احتمالات
سے تو قرآن سے بھی نعوذ باللہ امن اُٹھ جاتا ہے اور غالی شیعوں کا مذہب حق معلوم ہوتا ہے
کہ جبرئیل غلط کردہ و مقصود علی بودؔ - توبہ کرو ایسے قصّوں سے یہ سب دماغ کا تصرف ہے دماغ میں
جیسے خیالات گھومتے ہیں اُسی قسم کے نظروں کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں - باقی فرشتوں سے غلطی
اور خطار کا احتمال نہیں ہے - جسکی موت آتی ہے اور جسکی نسبت حکم ہوتا ہے اُسی کی جان قبض کرتے ہیں
یہ احتمال نہیں کہ دوسرے کی جان قبض کرلیں چنانچہ صاف ارشاد ہے حتی اذا جاء احدکم
الموت توفتہ رسلنا وھم لا یفرطون یعنی یہانتک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے
فرشتے اُسکی جان لیتے ہیں اور وہ اسمیں تقصیر نہیں کرتے اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے جس سے
عموماً معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی کسی حکم کے خلاف نہیں کرتے لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ
یعملون غضب کی بات ہے کہ قرآن کا انکار عقل کے خلاف ایسے امور کا اعتقاد کرلیتے ہیں - بس
اگر یہ قصہ صحیح بھی ہو تو یہ قوت متخیلہ کا تصرف ہے - اور اگر فرض کرلیا جاوے کہ شیطان اُسوقت
موت کا پیالہ لئے ہوئے نظر بھی آتا ہو تب بھی اُسوقت کھانے پینے کی عادت سے یہ لازم نہیں آتا
کہ وہ اُس موت کو ضرور پی لے اسلئے کہ مرنے کے وقت مُردہ کو عالم آخرت کا انکشاف ہو جاتا ہے
اور یہ قصہ اگر ہو بھی تو اُس عالم کا نہ ہوگا بلکہ ایک برزخی واقعہ ہوگا اور اُس عالم کے خواص و عادات
اس عالم کے خواص و عادات سے بالکل مغائر اور جدا ہیں - اِس عالم کے عادات طبعیہ اُس عالم میں موثر

نہیں ہیں ہاں عبادات نصاً بیشک مؤثر ہیں جیسا حدیث ہے دعونی اصلی اور اگر اس سے بھی قطع نظر کیجاوے تب بھی شیطان موت نہیں بلا سکتا۔ اسلئے کہ ع دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست۔ شیطان کا داؤ مخلصین پر نہیں چلتا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے انہ لیس لہ سلطن علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون سلطان نکرہ ہے تحت میں نفی کے آرہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین متوکلین پر اسکا بالکل قابو نہیں چلتا بلکہ اُسوقت مومنین پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور تسلی کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم۔ یعنی بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اُسپر جم گئے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم مت ڈرو اور نہ غمگین ہو اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اُس سے خوش ہو۔ ہم تمہارے دوست ہیں دُنیوی زندگانی میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے آخرت میں وہ چیزیں ہیں جنکو تمہارے جی چاہتے ہیں اور تمہارے لئے وہاں وہ ہے جسکو تم مانگو (یہ سب) مہمانی ہے غفور رحیم کیطرف سے اور نیز وہ وقت چونکہ اُس شخص پر بہت سخت ہوتا ہے اسلئے اُسوقت ضرور رحمت حق متوجہ ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے انا عند المنکسرۃ قلوبھم اور مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ہر کجا رنجے شفا آنجا رود	ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ہر کجا دردے دوا آنجا رود

پس اور فرماتے ہیں ؎

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ	جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ایک قصہ منقول ہے کہ ایک نبی علیہ السلام کا چند قبور پر گذر ہوا۔ دیکھا کہ مردہ قبور میں معذب ہیں جہاں تشریف لیجا رہے تھے جب وہاں سے واپس ہوئے تو دیکھا رحمت ہو رہی ہے۔ حقتعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ اُسوقت تو میں نے اُن کو مبتلائے عذاب دیکھا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد ان سے کوئی عمل صادر نہیں ہوا پھر کیا وجہ رحمت کی ہوئی ارشاد ہوا کہ انکے کفن گل گئے ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اسلئے ہم کو رحم آیا کہ ان پر کیا عذاب کیا جاوے جبکہ ان پر رحمت ہوئی تو قلوب شکستہ پر تو ضرور ہی رحمت ہوتی ہے۔ غرض وہ وقت رحمت کا ہے شیطان کا داؤ وہاں نہیں چلتا پھر یہ کہ اگر اُسوقت حواس باقی ہیں تو جان بوجھ کر موت کیوں

پیویگا اور حواس جاتے رہے اور اُس حالت میں شیطان کا موت بھی پی لیا تو حرج کیا ہوا۔ اس سے ایمان میں کچھ بھی خلل نہیں۔ شیطان کے اندر جزو ناری زیادہ ہے اُسکا موت آدمی کے موت سے تو بہر حال نجاست میں کم ہوگا اُسوقت تو اگر آدمی کا موت بھی پی لے تو ایمان میں خلل نہیں آتا بلکہ ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا موت کوئی ذی جرم نجس بھی نہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صبح تک سوتا ہے تو شیطان اُسکے کان میں مُوت دیتا ہے اور یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ کان کو پاک کیا کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ذی جرم نجس چیز نہیں ہے، غرض یہ بالکل بے جوڑ اور بے اصل بات ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مرنے کے وقت اگر رحمت ہوتی ہے تو اسکا کیا مطلب جو بکثرت سُنا ہے کہ مرتے وقت بعضوں کا ایمان مسلوب ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو پریشانی اور بدحواسی کی حالت میں کسی کا ایمان سلب نہیں ہوتا۔ ایمان مثل ایک قلعہ مضبوط کے ہے وہ ایسے سیلابوں سے شکستہ نہیں ہوتا۔ یہ ہرگز نہیں کہ مرنے کے وقت بلا اختیار ایمان سلب ہو جائے ہاں پہلے سے جو لوگ مسلوب الایمان ہیں زندگی میں اور دنیا کے کاموں میں اُنکو اپنی بے حسی سے اپنا مسلوب الایمان ہونا منکشف نہیں ہوتا اور مرنے کا وقت چونکہ ظہور حقایق کا وقت ہوتا ہے اسلئے اُسکو اسکا علم ہوتا ہے اِسی لئے مجازاً کہدیا جاتا ہے کہ فلاں مسلوب الایمان ہو کر دُنیا سے گیا ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ مُردہ کے پاس صرف الا اللہ پڑھنا چاہئے لا الہ اُسکے ساتھ نہ ملا وے اسلئے کہ اگر لا الہ پر دم نکل گیا تو بے ایمان مریگا کیونکہ اسکے معنے تو یہ ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے تو اس سے حق تعالیٰ کی معبودیت کی نفی بھی ہوگئی اور یہ کفر ہے۔ یہ بھی بالکل بے اصل اور خلاف عقل ہے اسلئے کہ اگر لا الہ پر خاتمہ ہو گیا اور دل میں اُسکے تھا کہ الا اللہ بھی کہونگا تو کفر کہاں لازم آیا۔ اللہ تعالیٰ تو دل کو ہی دیکھتے ہیں اور نیز اُن کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ الا اللہ کہنے نہ پایا اس کو اسقدر وقت ہی نہ ملا۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ توحید اُسکے ذہن میں پہلے سے تھی

ما بروں را ننگریم و قال را	ما دروں را بنگریم و حال را

اور یہاں تو فقط نا تمام عبارت ہی تھی وہاں تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص سرتا سر غلط کہہ ڈالے اور دل میں نہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور اُسکے ایمان میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حقتعالیٰ کو اپنے بندہ کے توبہ کرنے پر اُس شخص سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ اُسکا اُونٹ راہ میں گم ہو جائے اور تمام سامان کھانے پینے کا اُسی پر ہو اور وہ پریشان ہو کر اُسکو ڈھونڈتا ہے اور جب نا اُمید ہو گیا تو ایک درخت کے نیچے تھک کر اپنی جان سے

مایوس ہو کر لیٹ رہا اور اسی حالت میں اسکو نیند آگئی جب آنکھ کھلی تو دیکھا اونٹ کھڑا ہے تو جوش مسرت کے ساتھ کہتا ہے اللھم انت عبدی وانا ربک اخطاء من شدۃ الفرح یعنی اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ حضور فرماتے ہیں کہ شدۃ خوشی کی وجہ سے بہک گیا۔ دیکھو اسنے کلمہ کہا لیکن چونکہ نہ اس کے دل میں تھا اور نہ زبان سے قصد کہنے کا رکھتا تھا۔ خدا تعالیٰ کی نعمت پر خوشی کے جوش میں زبان پھسل گئی اسلئے کچھ مواخذہ نہیں اور نہ اس کے ایمان میں کچھ فرق آیا۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسکے نقل کے وقت انکار فرماتے۔ اور دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بزرگ تھے برخ نام۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بارش کیلئے اُن سے دعا کراؤ وہ بزرگ مقام ناز و دلال میں تھے اُن سے جب دُعا کیلئے کہا گیا تو اُنہوں نے جو کلمات کہے ہیں اگر کوئی اور شخص کہدے تو سخت بے ادبی ہے اور جنت میں بھی بعض لوگ ایسے کلمات کہینگے کہ وہ بظاہر بے ادبی ہے لیکن چونکہ دل میں بے ادبی کا قصد نہیں اسلئے کچھ مضر نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے آخر جو شخص دوزخ سے نکلیگا اُس سے کہا جائیگا کہ تجھ کو دُنیا اور دُنیا سے کئی حصے زیادہ جنت میں جگہ دیگئی۔ وہ عرض کرے گا اتستھزی منی وانت رب العلمین یعنی کیا آپ مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں حالانکہ آپ رب العالمین ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسپر ہنسی آگئی۔ اور دیکھئے افک کے قصہ میں جب حضرت عائشہؓ کی برات نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا ابشری یا عائشہ فقد براءک اللہ یعنی خوش ہو اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ نے تمکو بری کر دیا۔ اِس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ کھڑی ہو کر حضور کا شکریہ ادا کرو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں انکا شکریہ کیوں کروں میں تو اپنے اللہ کی حمد بیان کرونگی۔ دیکھئے بظاہر تو یہ کلمہ بے ادبی کا ہے لیکن حقیقت و منشا اسکا حضور کی محبت ہے۔ حضرت عائشہؓ کا قلب حضور کی محبت سے لبریز تھا اور جیسے محبوب ناز کیا کرتا ہے کبھی محب بھی کرتا ہے لیکن ہر شخص کا حوصلہ نہیں ہے کہ ایسی بات کہے یا جی میں لاوے۔ اسلئے کہ

ناز را روئے بباید ہمچو ورد	چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

اور حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اے عائشہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ اور جس وقت راضی ہوتی ہو تو قسم اسطرح کھاتی ہو لا ورب محمد اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو لا ورب ابراہیم۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ لا اھجر الا اسمک یعنی یا رسول اللہ میں اسوقت صرف آپکا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں یعنی دل میں تو آپ ہی بسے ہوئے ہیں لیکن صرف نام مبارک زبان سے ترک کر دیتی ہوں۔ نام پر ایک حکایت اور یاد آئی ہمارے حضرت میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ شیر خاں نامی تھے انکی

رہنے والے تھے جب اُن کا انتقال ہونے لگا تو ساکت لیٹے ہوئے تھے لوگ کلمہ کی تلقین کرتے تھے لیکن وہ بالکل خاموش تھے۔ لوگوں کو بہت خیال ہوا کہ افسوس ہو کہ خانصاحب ہمیشہ تو ذاکر شاغل رہے اور آخر میں یہ کیفیت ہے کہ کلمہ تک زبان سے نہیں نکلتا اور حضرت میاںجی کو جاکر اطلاع کی حضرت تشریف لائے اور پوچھا کہ خانصاحب کس حال میں ہو۔ فرمایا کہ حضرت اِن لوگوں کو روک دیجئے مجھے پریشان نہ کریں یہ مجھ کو مسمیٰ سے اسم کیطرف لاتے ہیں میں مشاہدہ مسمیٰ میں ہوں اور یہ مجھ کو اسم کیطرف کھینچتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے ؎

در دنیا بد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

لا و رب ابراہیم کہہ کر حضرت عائشہ رضؓ نے نام بھی حضورؐ کا چھوڑ دیا اور خفا بھی ہو رہی ہیں اور پھر مومنہ ہیں تو یہ بات کیا ہو وہ یہی ہو کہ دل تو محبت سے پر تھا اور یہ ناراضی کا نشا بھی وہی محبت تھی پس اگر دل میں ایمان ہو اور زبان سے بدحواسی میں کلمہ کفر بھی کہدیا تب بھی وہ شخص مومن ہے اُسکے ایمان میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ یہ کلمہ کفر ایسا ہی ہے ؎

خون شہیداں را ز آب اولیٰ تراست
این خطا از صد صواب اولیٰ تراست

بحر الرائق میں لکھا ہو کہ اگر مرتے وقت کسی مسلمان کے مُنہ سے کلمات کفر نکلیں تو وہ سب معاف ہیں مرنے کا وقت بڑا نازک وقت ہو تھوڑی سی آدمی کو تکلیف ہوتی ہے تو پریشان ہو جاتا ہے اور وہ وقت تو جان نکلنے کا ہے اسیواسطے ایسے وقت سمجھدار آدمی پاس ہونا چاہئے تاکہ مُردہ کیحالت کو سمجھیں بعض حالتیں ایسی پیش آتی ہیں کہ پاس والونکی بالکل سمجھ میں نہیں آتیں۔ ایک بزرگ تھے اُنکا جب انتقال ہونے لگا تو اُنھوں نے یہ کہا لا الہ الا اللہ مُوسیٰ کلیم اللہ اور کہکر رحلت فرما گئے لوگوں نے شور مچا دیا کہ افسوس یہودی ہو کر مرے ہیں۔ یہودی پر اسی کے مناسب ایک اور حکایت یاد آئی۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ ہیں کبریٰ کا لفظ سُنکر طالبعلموں کو بڑا اخلجان ہوا ہوگا کہ مؤنث کا صیغہ مذکر کی کیسے صفت بنگیا صفت اُنکی نہیں ہے اسکا موصوف محذوف ہو۔ یہ عالم ہیں اور اپنے زمانہ میں مباحثہ کے اندر الطامۃ الکبریٰ مشہور تھے کثرت استعمال سے موصوف تو اُڑ گیا کبریٰ رہ گیا۔ غرض اُنکے زمانہ میں ایک بزرگ تھے اُنکے کسی مرید نے اُن بزرگ کی زیارت کیلئے اُنسے اجازت چاہی۔ یہاں ایک بات سمجھ لینے کی ہو وہ یہ ہو کہ تعلیم و تلقین کا تعلق تو ایک ہی سے رکھئے تو کچھ حرج نہیں اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے طبیب و مریض کہ مریض جبتک کہ جم کر ایک کا علاج نہ کریگا تو مرض کا زوال نہ ہوگا۔ اور اگر ہر ایک سے دوا پوچھے تو نقصان ہوگی غرض حضرت شیخ نجم الدینؒ سے اجازت لیکر اُن بزرگ کی زیارت کیلئے گئے چلتے وقت پیر نے کہدیا تھا کہ میری طرف سے بھی حضرت کی خدمت میں سلام کہدینا۔ جب وہاں پہنچے تو پیر کا سلام عرض کیا۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ تمہارا یہودی پیر اچھا ہے۔ مُرید صاحب دل ہی دل میں بہت بگڑے کہ ایسے اچھے بزرگ ہیں میرے پیر کو انھوں نے یہودی کہدیا

محرومانِ عقیدت و محبت و زیارت سے بزرگوں کا غم رکھے

لیکن چونکہ پیر سے اُنکے مناقب سُن چکے تھے اسلئے بولے کچھ نہیں - جب واپس پیر کی خدمت میں آئے تو پیر نے پوچھا کہ ہمارا سلام بھی کہدیا تھا عرض کیا کہ حضرت کہدیا تھا لیکن وہ تو بہت بے ڈھب آدمی ہیں اُنہوں نے آپکو یہودی کہا - فرمایا کہ الحمد للہ آج معلوم ہوا کہ میں کس مقام پر ہوں اور بہت خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ بھائی تجھ کو خبر نہیں ہے کہ یہودی سے کیا مراد ہے تو حقیقت اسکی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تمام انبیاء کی شانیں جلوہ گر ہیں اسی مضمون کو کسی نے شعر میں نظم کیا ہے

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ اسیطرح تمام انبیاء علیہم السلام کی شان حضور میں موجود ہے حضور شان جامعیت لئے ہوئے ہیں اب اولیاء اُمت میں سے ہر ایک کی شان جدا ہے کسی کے اندر ابراہیم علیہ السلام کی شان ہے کوئی موسیٰ کی شان پر ہے جو بزرگ جس نبی کی شان لئے ہوئے ہوتے ہیں اُنکو اُنکے قدم پر کہا جاتا ہے - چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ قدم موسیٰ پر ہیں اور فلاں قدم ابراہیم پر ہیں - یعنی شان موسوی اور ابراہیمی پر ہیں لکن لا من حیث انہ شان ابراہیم و موسیٰ بل من حیث انہ شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع للشئون کلھا - پس جن بزرگ نے مرنے کے وقت لا الٰہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ پڑھا اُنھوں نے یہ ظاہر کردیا کہ میں قدم موسیٰ پر ہوں یہی مطلب یہودی کہنے کا بھی ہے - اب بچارے عوام اسبات کو کیا جانیں اسلئے مرنے کے وقت ایسے لوگ پاس ہونے چاہئے جنکو دین کی سمجھ ہو بہر حال اصل مقصود مسمّی ہی ہے بلکہ میں اگر اسم میں غلطی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ایسے امور سے ایمان نہیں جاتا - یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو بعض عوام الناس کہا کرتے ہیں کہ فلاں نے چمار کا حقہ پی لیا اسلئے اسکا ایمان جاتا رہا یہ بالکل غلط ہے کیا چمار کے حقہ کی نلکی میں ایمان گھُس گیا ہے - چمار کا حقہ تو درکنار اگر سور کا گوشت بھی کوئی مسلمان کھالے تو ایمان نہیں جاتا ہاں سخت گناہ ہوگا - اور اگر بھول کر یا کسی نے بلا اطلاع کھلادیا تو گناہ بھی نہیں ہاں جانکر اگر کھایا تو گنہگار ہوگا - ایمان ایسی شئے نہیں جو ایسی باتوں سے جاتا رہے - ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ رامپور سے آتے ہوئے اسلام نگر ٹھیرے وہاں ایک خانصاحب پہلے سے مہمان تھے وہ حضرتؒ کی خدمت میں آکر بیٹھے - اب خانصاحب کو خیال ہوا کہ حضرت سے کچھ باتیں کرنا چاہئے اور باتیں بھی ویسی ہونا چاہئے جو اُنکے مذاق کے موافق ہوں - تو آپ پوچھتے ہیں کہ حضرت وہ کون سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن سے ایمان جاتا رہتا ہے - حضرتؒ نے ہنسکر فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہمارا ایمان نہیں جاتا یہ تو فوراً نکل جاتا ہی - خانصاحب شرمندہ ہوئے اور تاویل کی غرض سے کہا کہ حضرت یہی کفر و شرک کی باتیں جو ہو جاتی ہیں - حضرت نے فرمایا کہ خانصاحب کفر و شرک جب تہلے

یہاں چھوٹی باتیں ہیں تو وہ بڑی باتیں کونسی ہونگی - خانصاحب سنکر چپ ہو گئے - خلاصہ یہ ہے کہ ایمان ایسی شئے نہیں ہے کہ شیطان کا موت پی لینے سے جاتا رہو - بلکہ اگر شیطان کو بھی کوئی بھونکر کھا جاوے جب بھی ایمان نہیں جاتا - کانپور میں ایک واعظ آئے تھے اُنھوں نے مِن شرّ الوسواس الخنّاس کی یہ تفسیر بیان فرمائی تھی کہ وسواس سے مراد تو شیطان ہو اور خناس سے شیطان کا بیٹا اور یہ کہا کہ اسکا قصہ یہ ہوا تھا کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے باہر آگئے تو وسواس حضرت حوا علیہا السلام کے پاس اپنے بچہ خناس کو لایا اور کہا کہ یہ رکھ لو میری امانت ہو حضرت حوّا نے رکھ لیا - آدمؑ جب آئے تو پوچھا یہ کیا ہے حضرت حوّا نے فرمایا کہ ایک غریب مسکین آیا تھا امانت رکھ گیا ہے - آدم علیہ السلام نے فرمایا وہ شیطان تھا - غرض اسکو نکال دیا وہ دوسری بار شکل بدلکر پھر آیا - پھر ایسا ہی کر دیا کئی بار کے بعد آدم علیہ السلام اُس بچہ کا قیمہ بنا کر کھا گئے - شیطان مسمی وسواس جب آیا اور کہا میرا بچہ لاؤ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تو ہم کھا گئے - وسواس نے پکارا بیٹا خناس تو اُنکے پیٹ کے اندر سے جواب دیا کیوں ابا وسواس پس یہ معنی ہیں من شر الوسواس الخناس کے یعنی وسواس تو وہ ہے جو باہر سے وسوسہ ڈالے اور خناس وہ جو اندر بیٹھا بیٹھا وسوسے ڈالتا ہو - خیر یہ حکایت تو مہمل گپ ہے - باقی اگر بالفرض کوئی شخص شیطان کو بھی کھا جائے تب بھی اُسکا ایمان نہیں جاتا اور گناہ میں بھی اُس امر کا اعتبار ہے جو علم اور شعور اور عقل و بلوغ کے ساتھ ہو اسیواسطے بچے جو کچھ کریں اُن سے مواخذہ نہیں - بلوغ کے بعد وہ مکلف ہوتے ہیں - اِسکو سنکر لڑکے تو بہت خوش ہونگے کہ ہمارے ذمہ تو کچھ نہیں ہم تو خوب چھوٹے - یہ تو صحیح ہے کہ تمھارے ذمہ نہیں لیکن ہمارے ذمہ تو ہے کہ تم سے مار کر کام لیں تاکہ بلوغ کے بعد تمکو نیک کام کی عادت ہو - حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہوں نماز کا حکم کرو اور جب دس سال کو پہنچیں تو مارو - غرض اسکی کوئی اصل نہیں ہے کہ عصر و مغرب کے درمیان کھانا نہ کھاؤ یا کہ کسوف کے وقت کھانا نہ کھاؤ - البتہ کسوف کے وقت مستحقین کو خیرات دو - اب بجائے مستحقین کے بھنگی مانگتے ہوئے پھرتے ہیں - خیر ہمارے اطراف میں مسلمانوں سے تو نہیں مانگتے لیکن بعض جگہ مسلمان بھی اُنکو دیتے ہیں اور بعض جگہ یہ رسم ہے کہ صدقہ میں خاص خاص چیزیں دیتے ہیں - ماش کی دال جیسے - تیل - مینے جو اِن میں وجہ مناسبت سوچی تو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ تینوں چیزیں کالی ہیں اور بھنگی بھی اکثر کالے کالے ہوتے ہیں اور بلا کی صورت بھی کالی ہی سمجھتے ہیں - اسلئے یہ سمجھتے ہیں کہ اِن چیزوں میں بلا لپٹی ہوئی ہے ان کے دینے سے بلا جاتی رہیگی - یاد رکھو خیرات اگر دو کسی اپنے بھائی غریب کو دو

اور پھر خیرات میں ان چیزوں کی تخصیص نہیں ہو - یہ شگون اور مشرکین کی رسم ہے مسلمانوں کو جو تعلیم کیگئی وہ یہ ہے کہ ایسے وقت صدقہ دیں اور جماعت کا اگر اہتمام ہوسکے تو صلوٰۃ الکسوف جماعت سے پڑھیں اور اپنے گناہوں سے استغفار کریں اسلئے کہ اسکی وجہ حدیث شریف میں یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں کہ ہم کو اتنی قدرت ہی کہ اتنے بڑے جسم منور کو بے نور کر دیا تو تم گناہ مت کرو ورنہ تم بھی عذاب میں مبتلا ہوگے - مولانا فرماتے ہیں ع بد ز گستاخی کسوف آفتاب + اور حدیث میں آیا ہے کہ جب تم اس قسم کی قدرت کی نشانیاں دیکھا کرو تو فافزعوا الیٰ ذکر اللہ یعنی اللہ کے ذکر کیطرف ملتجی ہوجایا کرو - ایسے ہی اگر آندھی آوے یا آگ لگجاوے تو اسوقت بھی ذکر اللہ کیا کرو - سبحان اللہ کیا تعلیم ہے - اس سے دو فائدے ہیں اوّل تو گناہ معاف ہونگے یہ تو آخرت کا ثمرہ ہے اور دنیا میں یہ کہ دل کو اطمینان اور چین ہوگا اسلئے کہ ارشاد ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی خبردار رہو اللہ ہی کی یاد سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں - سچ ہے خدائے پاک کے نام میں اسقدر حلاوت اور چین ہے کہ کسی میں نہیں بلکہ چین کا تحقق ہی بجز اللہ کے نام کے کسی شئے میں نہیں اسلئے کہ الا حرف تنبیہ ہے اور بذکر اللہ کے تقدیم کے ساتھ جو مفید حصر ہے فرمایا ہے اور اطمینان کے معنے عربی میں سکون کے ہیں - چنانچہ اسکا تجربہ ہے کہ جب ذکر قلب میں رچ جاتا ہے تو اس کو کوئی گھبراہٹ کی شئے اور نہ کوئی فرحت کی چیز ہلا نہیں سکتی - چنانچہ ارشاد ہے لایحزنھم الفزع الاکبر یعنی بڑی گھبراہٹ یعنی قیامت اُن کو غمگین نہ کریگی - ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

عاشقاں را با قیامت روز محشر کار نیست	عاشقاں را جز تماشائے جمال یار نیست

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ روز قیامت باوجود اسکے کہ پچاس ہزار برس کا دن ہوگا لیکن مومن پر ایسا گذر جائیگا کہ جیسے فرض نماز کا وقت - پس جب ایسی شدید گھبراہٹ سے بھی وہ نہ گھبرائینگے تو دنیا کے ہولناک واقعات تو اسکے سامنے کچھ بھی نہیں - اُن سے مومن کیوں از جا رفتہ ہونے لگا ہے حالانکہ قیامت کی گھبراہٹ اور شدت ایسی ہولناک ہو کہ جسکی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یاایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیئ عظیم یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملھا وتری الناس سکاریٰ وما ھم بسکاریٰ ولکن عذاب اللہ شدید تو جو اُس سے مامون ہے یہاں کے احوال سے کیا متاثر ہوگا - چنانچہ شیخ شیرازی اسکو فرماتے ہیں ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش	چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نہ باشد زکس	ہمین ست بنیاد توحید و بس

غرض کیسی ہی شدت اور پریشانی ہو ذکر اللہ ایسی دولت ہے کہ اس سے سب بھاگ جاتی ہے۔
افلاطون موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور یہ پوچھا کہ اگر آسمان کی کمان ہو اور حوادث تیر ہوں اور زمین نشانہ ہو تو آدمی کہاں جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فوراً جواب دیا کہ تیرانداز کے پاس جاکر کھڑا ہو جائے۔ افلاطون بولا کہ جواب بجز نبی کے کوئی نہیں دے سکتا۔ مگر باوجود اسکے اکثر حکماء حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہ کہتے تھے کہ یہ نبی تو ہیں مگر ہمارے لئے نہیں صرف جہلاء کے لئے ہیں حالانکہ اسپر سب کا اتفاق ہے کہ نبی جھوٹ نہیں بول سکتا اور موسیٰ علیہ السلام خود کہتے ہیں کہ میری نبوت خاص نہیں جہلاء کے ساتھ۔ پس حکماء کا عذر جہل محض ہے۔ غرض ذکر اللہ وہ شے ہے کہ حقتعالیٰ کا اس سے قرب ہوتا ہے اور تمام مصائب کا علاج ہے جب چاہے تجربہ کر لو کہ ایک ہی قسم کا حادثہ اگر دو شخصوں پر نازل ہو تو ان میں سے جو نمازی و صاحب نسبت ہوگا اسپر وہ خفیف ہوگا اور غیر نمازی یا غیر صاحب نسبت پر وہ بہت ثقیل اور شدید ہوگا اسلئے فرمایا کہ کسوف کے وقت اللہ کی یاد کیطرف متوجہ ہو جاؤ۔ ایک بات یہ مشہور ہے کہ کسوف وخسوف کا وقت منحوس ہوتا ہے ایسے وقت نکاح یا کوئی شادی کی تقریب کرنا چاہیئے۔ میں نظام آباد علاقہ حیدر آباد میں اپنے بھتیجے کا نکاح کرنے گیا تھا جو دن اور جو وقت نکاح کیلئے قرار پایا تھا اسوقت خسوف ماہ ہوگیا۔ اب وہاں لوگوں میں کھلبلی پڑی کہ ایسے وقت میں کیا نکاح ہوگا اور اگر ایسے وقت نکاح کیا تو تمام عمر نحوست کا اثر رہیگا۔ بہت سے جنٹلمین بھی اس جہلات میں مبتلا تھے چنانچہ جمع ہو کر میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ کچھ عرض کرنا ہے میں نے کہا فرمایئے کہنے لگے کہ کیا چاند گرہن کے وقت بھی نکاح ہوگا۔ میں نے کہا کہ اسوقت تو نکاح کرنا نہایت ہی اولیٰ و افضل ہے اور میرے پاس اسکی دلیل بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ ہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ خسوف کیوقت ذکر اللہ اور نوافل میں مشغول ہونا چاہئے۔ اب سمجھئے کہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نکاح میں مشغول ہونا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے پس ایسے وقت نکاح کا شغل اور بھی افضل و اولیٰ ہے۔ ان سب نے اسکو تسلیم کر لیا اور میں نے بیان بھی کر دیا لیکن میرے دل میں ان لوگوں کے خیال سے ایک انقباض رہا اور دعا کی کہ اے اللہ جلدی چاند صاف ہو جائے۔ اگر اسحالت میں نکاح ہوا اور بعد میں کوئی حادثہ تقدیر سے پیش آگیا تو ان لوگوں کو کہنے کی گنجائش ہوگی کہ ایسے وقت نکاح کیا تھا اسلئے یہ بات پیش آئی۔ اللہ کی قدرت تھوڑی دیر میں چاند صاف ہوگیا۔ سب خوش ہوگئے اور نکاح ہوگیا۔ بہرحال ان خترعات کو

خیالات کو چھوڑنا چاہئے۔ یہ سب مضمون ۲۸ر تاریخ پر یاد آگیا تھا ایک بات اور ضروری یاد آئی وہ یہ ہے کہ آج ۲۸ر ہے اور کل ۲۹ر اور پرسوں کا دن مشکوک ہے۔ اگر ۲۹ر کو چاند نظر آگیا تو عید ہو جائیگی یہ اسلئے کہا گیا کہ عوام الناس کو شاید شبہ ہے کہ چاند ۲۹ر شعبان کو یہاں تو نظر آیا نہیں اسلئے اطلاع کیجاتی ہے کہ باہر سے خبریں معتبر آگئی ہیں اسلئے ایک روزہ بھی رکھنا چاہئے بعض لوگوں کو یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہی فضیحتا ہوتا ہے اس سے تو بہتر یہ ہے کہ ۳۰ر شعبان کو ہمیشہ روزہ رکھ لیا کریں اگر خبریں آگئیں تو رمضان میں محسوب ہو جاویگا ورنہ نفل ہو جاویگا تو یاد رکھو کہ اسدن کے روزہ رکھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے البتہ خواص کو جائز لکھا ہے اور وجہ فرق کی یہ ہے کہ اگر عوام کو بھی اجازت دیدی جاوے تو تھوڑے دنوں میں ایسا ہو گا کہ اگر شعبان کی طرح رمضان بھی تیس کا ہوا اور روزہ شروع کیا تھا ۳۰ شعبان سے جس سے ۲۹ر رمضان کو پورے تیس دن ہو جاوینگے تو عوام الناس رمضان کی ۲۹ر تاریخ پوری کرکے ۳۰ر تاریخ کو عید کر لیا کرینگے اور یہ کہیں گے کہ ہم نے ۳۰ روزے تو رکھ لئے اسلئے عوام کو منع کیا جاتا ہے اور خواص کو اجازت ہے۔ بہر حال کل ۲۹ر تاریخ ہے یہ سب مضامین اخیر تاریخ کے اوپر یاد آگئے تھے۔ اب میں اصلی مضمون بیان کرتا ہوں۔ جاننا چاہئے کہ جیسے افتتاح مجاہدہ کے متعلق اول مضامین بیان کئے گئے تھے اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ افتتاح مجاہدہ کے متعلق مضمون بیان کیا جاوے اختتام کے مناسب یہ آیت ہے جو میں نے تلاوت کی ہے۔ میں پہلے یہ بیان کر چکا ہوں کہ دوسرے لوگوں کے مجاہدوں میں چند کوتاہیاں تھیں کہ اول تو انکا اختتام نہ تھا دوسرے یہ کہ ان میں تیسیر یعنی سہولت نہیں تھی اور جسقدر بھی مجاہدات ایسے ہیں کہ ان میں وحی کی اعانت نہیں ہے ان میں تیسیر کی رعایت نہیں بہت دشواری ہے اور کبھی اس مجاہدہ کا خاتمہ نہیں ہے گویا مجاہدہ ہی کو اصل مقصود سمجھتے ہیں۔ تیسری کوتاہی یہ ہے کہ اسقدر مجاہدہ جب کوئی کرتا ہے تو اسکو عجب ہو جاتا ہے کہ میں بڑا کام کرتا ہوں اور اگر کچھ حاصل نہ ہوا تو اس مجاہدہ کو بیکار سمجھتا ہے چنانچہ اہل مجاہدہ کو اس قسم کی آفتیں پیش آتی ہیں۔ اکثر ذاکر شاغل شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہم کو کوئی نفع نہیں ہوا۔ یہ شکایت وہی شخص کریگا جو اپنے کو مستحق سمجھیگا یہ شکایت فی الواقع دعویٰ ہے استحقاق کا اور دلیل عجب کی ہے اور چوتھی کوتاہی مجاہدہ میں یہ تھی کہ اگر مجاہدہ پر کچھ ثمرات مرتب ہونگے تو انکو حقتعالیٰ کی نعمت سمجھکر شکر نہ کریگا بلکہ اسکو ثمرہ اپنے عمل کا سمجھے گا اور پانچویں کوتاہی یہ ہے کہ چونکہ انکے مجاہدہ کا اختتام نہیں ہے اسلئے

اس لئے یہاں کے حساب سے آج ۳۰ تاریخ نہیں بلکہ ۲۸ ہے۔

ہمیشہ ہمیشہ کو دُنیا کی لذات سے محروم رہیگا - چنانچہ بہت مجاہد ایسے ہیں کہ گوشت گھی میوہ جات نہیں کھاتے اور جب یہ نعمتیں اُنکو میسر نہ ہونگی تو شکر بھی حقتعالیٰ کا اُن پر نہ ہوگا - اللہ تعالیٰ اِن سب کا جواب اور مجاہدات ارشادہ شدہ کی شان اِس آیت میں بیان فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت کا ارادہ فرماتے ہیں اور تم پر سختی کا ارادہ نہیں کرتے - یہ ابطال ہو اُس کوتاہی کا کہ اُنکے مجاہدات میں دشواری بھی شواری ہے - یہاں تو یہ بات نہیں ہو چنانچہ جن مجاہدات کی تعلیم کی گئی ہے وہ سب نہایت لطیف اور ہماری طبیعت اور مذاق کے موافق اور نفع میں سب مجاہدوں سے بڑھ کر ہیں - کما بینا بالاکثر فی المواعظ السابقہ - آگے ارشاد ہے ولتکملوا العدۃ اور تاکہ تم شمار کو پورا کرلو یہ اس کوتاہی کا ابطال ہے کہ اُنکے مجاہدہ کا کہیں خاتمہ ہی نہیں اور نہ اُسمیں اکمال ہو - یہاں اختتام بھی ہے اور اکمال بھی - ایک کوتاہی یہ تھی کہ مجاہدہ کرکے ناز ہوتا تھا اور یہ اس طریق میں سخت مضر ہے اِسکو دفع فرماتے ہیں وَلِتُکَبِّرُوا اللہَ عَلیٰ مَا ھَدٰکُمْ یعنی تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اِسپر کہ اُسنے تمکو راہ بتائی وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ یعنی اور تاکہ تم شکر کرو - یہ اس کوتاہی کی تکمیل ہے کہ اُن کے مجاہدہ کے اختیار کرنے میں نعم اور لذات سے محرومی تھی تو نعمتوں کا شکر بھی ادا نہ ہوتا تھا - اللہ تعالیٰ نے ایسی آسانی فرمائی کہ خوب سب کچھ کھاؤ پیو اور شکر کرو - بعض مفسرین نے لتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم سے تکبیرات عیدین مراد لی ہیں - یعنی روزوں کے شمار کو پورا کرنے کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر عید کی نماز میں کہو - میں نے اِسکو اختیار نہیں کیا اسلئے کہ میرا ذوق اس سے آبی ہو اسلئے میںنے اپنی تفسیر میں بھی اسکو اختیار نہیں کیا لیکن اس سے بھی میرے دعوے کی تائید ہوتی ہے - یہ تو اجمالاً اس آیت کا حاصل ہو - اب میں تفصیلاً اسکی شرح کرتا ہوں - فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتے ہیں منجملہ آسانیوں کے ایک آسانی تو یہ ہو کہ مجاہدہ کو ختم فرما دیا اور خود عین مجاہدہ کیوقت بہت آسانیاں ہیں چنانچہ اعتکاف میں یہ سہولت فرمائی کہ مسجد میں اُسکو شروع فرمایا تاکہ خلوت در انجمن کا مضمون ہو جاوے - اعتکاف سے آدمی اسکا خوگر ہو جاتا ہے سب سے الگ ایک گوشہ میں بھی بیٹھے ہیں اور سب کے ساتھ شریک بھی ہیں ؎

از بروں شو آشنا و از دروں بیگانہ وش	ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

کا خلا ر و لا ملا - اور دل بیار دست بکار اعتکاف کی شان ہو - اگر بالکل تنہائی کا حکم ہوتا تو نفس پر بہت گراں ہوتا اِسیطرح رمضان کے روزہ کو دیکھئے بظاہر اُسمیں مشقت ہو لیکن واقعہ میں بہت آسان ہے

چنانچہ نفل روزہ کا اگر کبھی اتفاق ہو جاتا ہے تو اسمیں بہت مشقت معلوم ہوتی ہے اور رمضان المبارک کی ایسی برکت ہے کہ اسمیں کچھ بھی مشقت معلوم نہیں ہوتی۔ رمضان کی برکت اسقدر صاف اور کھلی ہوئی ہو کہ جسکو کچھ بھی احساس ہو وہ بے تکلف اسکا ادراک کرتا ہے۔ شب برات کے دن جن لوگوں نے روزہ رکھا تھا وہ اس روزہ کا اور رمضان المبارک کے روزہ کا مقابلہ کر کے دیکھیں اس روزہ میں بہت مشقت معلوم ہوئی تھی اور رمضان المبارک میں کچھ بھی نہیں۔ اہل مجاہدہ یہ بات کہاں سے لاوینگے ان برکات کا علم بجز وحی کی تعلیم کے کسی ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا ؎

گر مصور صورتِ آن دلستاں خواہد کشید	لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

تراویح کے اندر جو آسانیاں ہیں وہ بھی مخفی نہیں ہیں۔ آگے ارشاد ہے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ اس کی ترکیب میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ اسکا عطف یرید اللہ پر ہے اور تقدیر کلام کی یہ ہے شرع اللہ ھذہ الاحکام لارادۃ التیسیر ولاکمال العدۃ بعض نے کہا ہے اسکا متعلق محذوف ہے اور اصل کلام یہ ہے شرع ھذہ الاحکام لتکملوا العدۃ الخ اور یہ حذف واؤ کے بعد ہو اور ایک بزرگ کے کلام سے میری سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حذف واؤ کے قبل ہو اور لتکملوا کا معطوف علیہ مقدر ہو اور اسمیں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ تو مسئلہ مشہور و مسلّم ہے کہ حقتعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں لیکن ان میں حکمتیں ضرور ہیں اور کہیں کہیں حقتعالیٰ نے اپنے افعال کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ شاید یہی حکمتیں مقصود بالذات ہوں احکام فی نفسہا مقصود نہ ہوں اسلئے ضرورت ہوئی کہ اس شبہ کو دفع کیا جائے اسلئے بعض جگہ اس حکمت پر حرف عطف لائے اور معطوف علیہ کو حذف فرما دیا اور چونکہ عطف کا مقتضا مغایرت ہے متعاطفین کی اور معطوف ہے اعتبارِ حکمت تو معطوف علیہ ہوگا عدم اعتبارِ حکمت جسکا ماحصل یہ ہوگا کہ یہ احکام اسلئے بھی وضع فرمائے کہ حاصل اس حکمت کا یہاں یہ ہے کہ تم شمار کو کامل کرو یعنی مجاہدہ کو ختم کردو اور ختم بھی ایسا کیا کہ اس تاریخ پر اگر کوئی ختم نہ کرے تو مجرم ہوگا۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ماں بچہ کو اصرار کرے کہ یہ شے کھاؤ اسی شفقت سے بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ سے حق تعالیٰ اپنے بندوں کو کھلاتے ہیں۔ اگر کوئی شبہ کرے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عید کے دن کھانا فرض ہے حالانکہ کھانا فرض نہیں۔ جواب یہ ہے کہ کھانا دو قسم کا ہے ایک بالقوہ دوسرے بالفعل۔ بالفعل تو ظاہر ہے کہ تحقق کھانے کا ہو اور بالقوہ یہ ہے کہ کھانے کی قوت شرعیہ ہو یعنی نیت روزہ کی ہو اگرچہ نہ کھائے۔ پس مجاہدہ ہر حال میں ختم ہو جائیگا اسلئے کہ مشقت تو نفس کو اسی وجہ سے ہے کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہے کہ کھانے کے لئے رات ہی کو ملیگا اور جب جانتا ہے کہ جب چاہوں کھا سکتا ہوں تو

مجاہدہ ختم ہوگیا - ایک بات ضروری قابل اطلاع یاد آگئی وہ یہ ہے کہ عوام عید کی صبح کو کہا کرتے ہیں کہ روزہ کھول لو۔ ہم بچپن میں بہت دنوں تک یہی سمجھتے تھے کہ آج بھی روزہ ہوتا ہے اور شب میں ہوتا ہے تو یاد رکھو آج روزہ نہیں ہے نہ رات کو نہ دن کو اور حقیقت اس کہنے کی کہ روزہ کھول لو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک ماہ تک جو روزہ رکھا ہے تو آج یہ ظاہر کردو کہ روزہ نہیں ہے گویا رمضان المبارک کے ہر دن کے ختم پر تو خاص اسی دن کے روزہ کا افطار ہوتا تھا اور آج تمام مہینے کے دنوں کا ایک افطار ہے - یعنی اور دنوں میں افطار اصغر تھا آج افطار اکبر ہے - اگر کوئی کہے کہ مجاہدہ تو ساری عمر ضروری ہے اسلئے کہ نفس سے تو کسی وقت بھی امن نہیں ہے - مولانا فرماتے ہیں ؎

نفس اژدرہاست او کے مردہ است	از غم بے آلتی افسردہ است

اور فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا	ما چو مرغان حریص بے نوا
دمبدم پابستۂ دام نوایم	گر ہمہ شہباز و سیمرغے شویم

تو جواب اسکا یہ ہے کہ علی الاطلاق مجاہدہ کا اختتام نہیں ہوا کہ اسکے بعد کسی قسم کا مجاہدہ نہیں ہوگا بلکہ ایک خاص نوع کا مجاہدہ ختم ہوگیا - اسلئے کہ اگر وہ متواتراً علی الدوام رہتا تو نفس کو اولاً بیحد شاق ہوتا اسلئے اسمیں حقتعالی نے تعاقب رکھا ہے کہ چند روز مجاہدہ کرو اور چند روز آرام کرو اور بعد بیحد مشقت کے پھر اس مجاہدہ کا اثر ضعیف ہو کر مجاہدہ رہتا بلکہ وہ طبیعت بنجاتا - چنانچہ جو لوگ کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں انکی آنتیں اور معدہ خشک ہوجاتا ہے اور انکو اضطراب اور تقاضا نہیں رہتی تو ان کے نہ کھانے میں کوئی کمال نہیں ہے - سو راحتِ روح اور علاج نفس تو یہ ہے کہ کبھی کھاویں اور کبھی نہ کھاویں اسیواسطے محققین نے مقیمین مکہ کو رائے دی ہے کہ کبھی کبھی ان کو مکہ سے چلا جانا چاہئے کہ نشاط کی تجدید ہوتی رہے کیونکہ دوام کے اندر شوق بھی بجھ جاتا ہے اور عادت سی ہوجاتی ہے اور نفس میں وہی شرارتیں سابقہ عود کر آتی ہیں اور مجاہدہ کی غرض فوت ہوجاتی ہے اسیواسطے روزہ نفل میں صوم الدہر افضل نہیں ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے تاکہ نہ بہت شاق ہو نہ بالکل عادت ہوجائے - اور نیز اسمیں حقتعالی کی نعمتوں کی قدر بھی رہتی ہے - اور نیز ہم لوگ بہت ضعیف ہیں جو عبادت سہولت سے ہوتی رہے وہ تو ہم سے ہوتی رہتی ہے اور اس میں حق تعالی کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور زائد مشقت کے

متحمل نہیں ہوتے اور نفس کو کلفت زائد ہونے سے محبت میں بھی کمی ہونے لگتی ہے اسیواسطے ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں ذات کے عاشق نہیں ہیں۔ خلاف طبع پیش آنے سے اللہ میاں سے بھی ایک گونہ تکدر ہوجاتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں آیا ہے جسکو قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ نے تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے کہ حقتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں کو خوب جانتا ہوں انمیں بعض ایسے ہیں کہ اگر میں اُن پر فقر مسلط کردوں تو وہ کافر ہوجائیں اسلئے اُن کو فقر سے بچاتا ہوں اور بعضے ایسے ہیں کہ اگر اُن کو غنی کردوں تو کفر کرنے لگیں اسلئے اُن کو محتاج رکھتا ہوں اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کو اگر تندرست رکھوں تو کفر کرنے لگیں اُن کو بیمار رکھتا ہوں اور بعض ایسے ہیں کہ اگر اُن کو بیمار رکھوں تو کفر کریں اُن کو تندرست رکھتا ہوں۔ پس اسیواسطے بعض ایسے ہیں کہ ہمیشہ بیمار ہی رہتے ہیں اور بعض تندرست رہتے ہیں۔ جو حالت جس شخص کے لئے تجویز فرمادی ہے وہی اسکے لئے بہتر ہے اور اسی میں مصلحت ہے۔ دیکھو ماں اگر بچہ کو مٹھائی نہ دے تو وہ اسکی مصلحت کو جانتی ہے ع

آنکس کہ تو انگرت نمے گرداند	او مصلحت تو از تو بہتر داند

اسیواسطے حقتعالیٰ نے مجاہدہ میں تعدیل فرمائی ہے۔ اگر دائمی مجاہدہ ہوتا تو بندے اُکتا جاتے۔ ایک زمانہ آرام کا مقرر فرمادیا اسکے بعد پھر مجاہدہ مقرر فرمایا تاکہ نفس کو نشاط رہے اور نعمت کی قدر ہو اسیواسطے ہمارے حضرتؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میاں اشرف علی جب پانی پیو ٹھنڈا پیو تاکہ بال بال سے شکریہ ادا ہو۔ اور گرم پانی اگر پیوگے تو زبان سے تو الحمد للہ کہوگے مگر دل سے الحمد للہ نہ نکلیگا۔ اور اسیواسطے شکر کی نیت سے اگر کوئی اچھا کھانا کھاوے اور اچھا کپڑا پہنے تو اسکے لئے فضل ہے گو ناواقف طعن کریں۔ خسروؒ اسی مضمون کو کہتے ہیں ع

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند	آرے آرے میکنم با خلق و عالم کار نیست

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُنہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے ساری عمر کا رزق ایکدم سے دیدیجئے حکم ہوا کہ ہمارے وعدہ پر اطمینان نہیں عرض کیا اطمینان تو ہے مگر شیطان مجھے بہکاتا ہے کہ تو کہاں سے کھائیگا اور ایکدم سے بہت سا اگر مجھ کو ملجائیگا تو قفل لگا کر بند کردونگا۔ شیطان جب کہیگا کہ کہاں سے کھائیگا تو میں کہدونگا کہ اسمیں سے کھاؤنگا۔ پس باوجود محبوب اور مقبول ہونے کے بعض میں ایک قسم کا ضعف ہوتا ہے اور قوت یقین میں ایسے لوگوں کے فرق نہیں ہوتا۔ یہ ضعف طبعی ہوتا ہے ایسے لوگ اگر اچھا کھائیں اچھا پہنیں تو کچھ حرج نہیں ہے اسلئے کہ غرض اُنکی یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا قلب میں ہے وہ ضائع نہ ہوجائے اُن کے لئے یہ نعمتیں ذریعہ ہوجاتی ہیں شاہ

جمال حق کی اور جن کے لئے سبب غفلت کا ہوں اُنکے لئے پرہیز لازم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کی طبیعت جدا ہے علاج جدا ہے۔ سب کو ایک لکڑی ہانکنا یا ہر ایک کو اپنے اوپر قیاس کرنا چاہئے آگے ارشاد ہے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ یہ ابطال ہے اُس کمی کا جو اہل مجاہدہ کو بعض مجاہدہ سے پیش آجاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شدت مجاہدہ سے بعض اہل مجاہدہ کو عجب پیدا ہو جاتا ہے اور مجاہد یہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں یہ بڑی شئے ہے اور یہ بہت بڑا مرض ہے اپنے کو یہ شخص مستحق ثمرات سمجھتا ہے اور جب وہ ثمرات نہیں حاصل ہوتے تو دل میں حقتعالی کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے اور جانتا ہے کہ جو کچھ میرے ذمہ ہے وہ میں ادا کرتا ہوں اور جو اللہ تعالی کے ذمہ ہے وہ (نعوذ باللہ) ادا نہیں فرماتے۔ حالانکہ کام مقصود ہے ثمرات مقصود نہیں ہیں یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہمارے حضرت رح ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوے میکنم	حاصل آید یا نہ آید آرزوے میکنم

مولانا رح نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک ذاکر تھے ہمیشہ رات کو اُٹھ کر نماز پڑھتے ذکر کرتے ایک مدت گذر گئی ایکدن شیطان نے بہکایا جی میں آیا کہ اتنے دن ہو گئے اللہ کا نام لیتے ہوئے نہ اُدھر سے سلام ہے نہ پیام ہے یہ محنت ہماری اکارت ہی گئی یہ سوچکر سو رہا۔ خواب میں حکم ہوا ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست	ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

ہمارے حضرت رح نے اسکی شرح اسطرح فرمائی ہو کہ دیکھو اگر کوئی ایسا شخص تمہارے سامنے تمہارا نام لے جسکا نام لینا تم کو برا معلوم ہو تو تم اُسکو روک دیتے ہو۔ پس جب تم نے حقتعالی کا نام لیا اور اُنہوں نے پھر توفیق دی اور روکا نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا وہ نام لینا پسندیدہ اور مقبول ہے۔ یہ معنے ہیں آں اللہ تو لبیک ماست کے۔ اور یہ حسرت و افسوس ہے اور تضرع و زاری بھی اسی کی دلیل ہو۔ پس گویا یہ پیک حق ہو۔ حقیقت میں اللہ اللہ کرنا بڑی نعمت ہے اور ثمرات کا انتظار کرنا یہ دل کا چور ہے کہ اپنے عمل کو اس نے قابل استحقاق اجر سمجھا۔ خدا کی قسم ہے ہمارے اعمال تو اس درجہ کے ہیں کہ اگر ان پر عتاب ہی نہ ہو تو بڑا غنیمت ہے۔ کہاں کے ثمرات اور کہاں کا اجر اگر اعمال کے بعد ثمرات ہوں تو وہ رحمت ہے باقی عمل کرنا تو بندہ کا کام ہی ہے خواہ قبول ہو یا نہ ہو۔ اگر قبول ہو جاوے تو عین رحمت ہے۔ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ ہم حج کو جاتے تھے راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ نہایت آزادی سے جا رہا ہے۔ اُن

بزرگ نے پوچھا کہ صاحبزادہ تمہارے پاس زاد نہیں ہے۔ تم کو تکلیف ہوگی۔ اُسنے کہا ؎

وفدت علی الکریم بغیر زاد ۔ من الحسنات والقلب السلیم
فحمل الزاد اقبح کل شیء ۔ اذا کان الوفود علی الکریم

جب سب لوگوں نے احرام باندھا تو اُس نے احرام بڑے سوچ سے باندھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ میاں تم احرام جلدی کیوں نہیں باندھتے۔ کہا کہ اسلئے نہیں باندھتا کہ ایسا نہ ہو کہ میں کہوں لبیک اور اُدھر سے آواز آوے لا لبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک۔ جب منیٰ میں لوگ قربانی کرنے لگے اُس جوان نے آسمان کیطرف سر اُٹھایا اور عرض کیا کہ میرے پاس قربانی کا جانور تو نہیں صرف یہ جان حاضر ہے اگر قبول ہو۔ یہ کہتے ہی گرا اور جان بحق تسلیم ہوا۔ اسپر ایک اور حکایت یاد آگئی ایک صاحب حال حج کو گئے جب بیت اللہ شریف پہونچے تو مطوف نے اُن سے کہا کہ یہ ہے بیت اللہ۔ اُس نے یہ شعر پڑھا ؎

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر ۔ کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا

اور یہ کہہ کر گرا اور جان دیدی۔ پس دیکھئے اُس نوجوان عارف نے احرام باندھتے ہوئے رد کا خوف کیا اِس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اعمال کچھ بھی نہیں پھر استحقاق ثمرات کیسا۔ بس خدمت کئے جاؤ اپنا کام یہی ہے کہ کام کرتے کرتے جان دیدیں اور کسی شئے کی طلب نہ ہو۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ۔ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے عمل پر نظر نہ ہونا چاہئے۔ اسی خود بینی کو ولتکبروا اللہ الخ سے رد فرماتے ہیں اسلئے کہ جب حق تعالیٰ کی بڑائی پیش نظر ہوگی تو اپنے اعمال اور خود اپنی ذات لاشئ نظر آویگی اور بجائے عجب کے شکر کریگا چنانچہ آگے ارشاد ہے ولعلکم تشکرون اور جیسے دل کو بڑائی کی تعلیم ہے اسیطرح زبان سے بھی سکھلائی گئی ہے کہ عید کے راستہ میں اللہ اکبر اللہ اکبر زبان سے کہتے جائیں۔ اور نیز پنجوقت کی نمازیں بھی ہیں اسواسطے حکم فرمایا کہ اللہ اکبر بانگ کہیں اور اسی کی نظیر ہے نماز کی نیت کہ اصل نیت تو دل ہی ہے لیکن زبان سے کہنا بھی فقہا نے مشروع فرمایا ہے۔ الحاصل یہ بڑی رحمت ہے کہ مجاہدہ کو ختم فرما دیا اور وجوبی حکم فرمایا کہ عید کے دن ضرور کھاؤ پیو۔ دیکھئے اسمیں ہماری مذاق طبعی کی کسقدر رعایت ہے جیسے جمعہ کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض یعنی جب نماز ادا کرلی جاوے تو زمین میں متفرق ہو جاؤ۔ ہم لوگ خود ایسے تھے کہ نماز کے بعد خود ہی بھاگتے لیکن حکم بھی فرما دیا۔ اسمیں بھی مذاق طبعی کی کسقدر رعایت ہے اور یہی وجہ تنبیہ ہے گو یہ حکم وجوبی نہیں اور نیز ایسے دلدادہ بھی تھے جو مسجد ہی میں

رہ جاتے ہیں۔ بقول امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ؎

خسرو غریب ست گدا افتادہ در کوئے شما ۔۔۔ باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

اُن کیلئے بھی انتشار فی الارض کو مصلحت سمجھا اور اُسمیں بڑی مصلحت یہ ہو کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ ایککام سے طبیعت اکتا جاتی ہو اور نیز طبائع اکثر ضعیف ہیں جب زیادہ پابندی ہوتی ہو اور اس سے حرج معاش ہوتا ہو اور حاجت ستاتی ہو تو ساری محبت رکھی رہجاتی ہے۔ اسلئے ارشاد فرمایا کہ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ یعنی زمین میں متفرق ہوجاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق طلب کرو علاوہ اسکے اسمیں ایک تمدنی وسیاسی مصلحت بھی ہو جسکو مینے ایک مرتبہ کراچی میں وعظ کے اندر بیان کیا تھا اسطرح سے کہ تمدن کے مسائل جیسے قرآن مجید سے ثابت ہوتے ہیں ایسے دوسری جگہ سے نہیں ہوتے چنانچہ اس آیت سے بھی ایک مسئلہ مستنبط ہوا کہ بلا ضرورت اجتماع نہ ہونا چاہئے۔ اگر بضرورت ہو تو رفع ضرورت کے بعد فوراً منتشر ہوجانا چاہئے یہی وہ مضمون ہو جو تمام اہل سیاست مانتے ہوتے ہیں کہ ناجائز مجمع کو منتشر کردیا جاوے۔ قرآن مجید میں اُس مجمع کے ناجائز بننے سے پہلے ہی محض اس احتمال پر کہ اب اُن کو کوئی کام تو ہا نہیں یہ ناجائز مجمع نہ بنجاوے سب کو منتشر کردیا گیا۔ اُس وعظ میں ایک بڑا اعالی رتبہ انگریز بھی تھا اُسنے بعد وعظ کے بہت مسرت ظاہر کی۔ الحاصل مجاہدہ کو ختم کرکے کھانے پینے اور عیدگاہ میں جانے اور خوشی منانے کی اجازت دی اور اُسمیں بھی یہ نہیں کہ کوئی لہو ولعب ہو بلکہ اُسدن میں ایک خاص عبادت مقرر فرمائی اور اُسکا طرز علیحدہ رکھا کہ شہر سے باہر صحرا میں جائیں اور اچھے اچھے کپڑے پہنیں اور وہاں نماز پڑھیں اور اس نماز کا طریقہ بھی جداگانہ رکھا کہ اور نمازوں سے اسمیں چھ مرتبہ اللہ اکبر زیادہ ہو اسلئے کہ جوش مسرت میں موحد اور خدا پرست کی زبان سے اللہ اکبر ہی نکلا کرتا ہے غرض ہماری فرحت بھی ایسی ہو کہ اسمیں بھی عبادت ہو اور مشقت میں بھی راحت ہی بخلاف اور قوموں کے کہ اُنکے یہاں خوشی کے دن لہو ولعب ہو بعض قوموں میں فسق وفجور تک ہوتا ہے اور اسدن میں ایک طریق ادائے شکر اور اظہار خوشی کا یہ مقرر فرمایا کہ اغنیا پر صدقہ فطر مقرر فرمایا اسلئے کہ حقتعالی نے جو نعمت ہمپر فائض فرمائی کہ ہم سے روزے ادا ہوگئے اُسکا شکریہ ہے کہ اپنے بھوکے ہونے کو یاد کرکے اپنے بھوکے مسلمان بھائی کی امداد کرے اور کم از کم دو وقت کی کفایت کے لئے اُسکو کھانا دیدے اور نیز اسمیں اپنی خوشی کی تکمیل بھی ہو اسلئے کہ مجمع میں اگر ایک شخص بھی کبیدہ ہوتا ہے تو اُسکا اثر سب پر ہوتا ہے تو اغنیاء پر صدقہ فطر مقرر فرمادیا تاکہ سب مسلمان بھائی آج کبیدہ خوش نظر آدیں اور خوشی کی تکمیل ہوجاوے ورنہ اپنے بھائی کو افسردہ دیکھ کر دل پھٹ جاتا ہے۔ غرض اسمیں ادائے شکر بھی ہے اور فرحت کی تکمیل بھی ہو اور اسکے ساتھ معنے

صدقہ کے بھی اسی لئے غیر صائمین اور صبیان کیطرف سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ بہرحال رمضان کا تمام مہینہ تو مجاہدہ کا وقت ہے اور عید اُسکا اختتام ہے اور اس اختتام یعنی عید اور مقصود یعنی مجاہدہ رمضان میں چند امور مشترک ہیں وہ یہ ہیں کہ رمضان المبارک میں بعض عبادتیں فرض ہیں بعض نفل ہیں مثلاً روزہ رکھنا فرض ہے اور تراویح و اعتکاف مسنون ہیں۔ عید کے دن بھی بعض عبادتیں واجب ہیں بعض مستحب ہیں۔ عید کی نماز واجب ہے۔ صدقہ فطر واجب ہے اور غسل کرنا اور عطر لگانا اور اچھے کپڑے پہننا مستحب ہے۔ غرض دو قسم کی عبادتیں رمضان شریف میں ہیں ضروری اور غیر ضروری اور یہی دو ہی قسم کی عید کے دن میں ہیں۔ میں نے اپنے ایک وعظ میں اسی رمضان کے مواعظ میں سے وعدہ کیا تھا کہ فرض اور نفل میں جو اثر قرب کا اور اس قرب کے مراتب میں جو تفاوت ہے اُسکا بیان کرونگا سو آج اسکا ایفا کرتا ہوں اور وہ مضمون اپنی طرف سے کوئی نکتہ نہ ہوگا بلکہ حدیث شریف ہی کا مضمون ہوگا بغور سنئے کہ فرائض کی نسبت حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میرا بندہ جسقدر فرض ادا کرنے سے مقرب بنتا ہے اسقدر کسی شئے سے نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ فرض بہت بڑی شئے ہے اور نوافل کی نسبت ارشاد ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا۔ یعنی میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے قرب تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اُسکو چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اُسکو چاہتا ہوں تو میں اُسکا کان بنجاتا ہوں کہ وہ مجھ سے سنتا ہے اور میں اُسکی آنکھ بنجاتا ہوں کہ وہ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں ہی اُسکا ہاتھ بنجاتا ہوں کہ وہ مجھ سے پکڑتا ہے۔ اِسکا یہ مطلب نہیں اللہ میاں توبہ توبہ اُسکا کان آنکھ ہاتھ ہوجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان اعضاء سے کوئی کام حقتعالی کے خلاف مرضی نہیں ہوتا۔ اب غور کیجئے کہ فرائض کی خاصیت تو یہ بیان فرمائی کہ جسقدر قرب اُن سے ہوتا ہے اسقدر کسی عبادت سے نہیں ہوتا۔ اور نوافل کے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ اُن سے قرب شیئاً فشیئاً حاصل ہوتا رہتا ہے جیسا لا یزال یتقرب سے ظاہر ہے تو حاصل اسکا یہ ہے کہ زیادت قرب دو قسم کا ہے ایک کیفیہ اور ایک کمیہ کا اور وہ دونوں مطلوب ہیں تو فرائض سے تو کیف کے اعتبار سے قرب بڑھتا ہے اور نوافل سے کماً بڑھتا ہے۔ بلا تشبیہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص سرکاری عہدہ دار ہے تو نفس قرب تو اُس کو اپنا منصبی کام انجام دینے سے حاصل ہوگا اور اگر یہ کام نہ کرے تو قرب ہی نہ ہوگا۔ تو یہ منصبی کام بہت بڑی شئے ہے کہ اُس نے اُس کو سرکاری آدمی بنادیا ہے۔ اب وہ یہ چاہتا ہے کہ میرا قرب حاکم سے

اور کبھی زیادہ بڑھ جائے تو وہ حاکم کے خوش کرنے کے لئے ایسے کام اختیار کریگا کہ وہ کام اُس کے ذمہ نہیں ہیں مثلاً اُس کے لئے ڈالی لیجائے اور تحائف بھیجے۔ نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ حاکم کا بہت مقرب ہوجائیگا حتی کہ حاکم کے پاس بیٹھنا بھی اُسکو نصیب ہوجائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس تشبیہ سے پاک ہیں لیکن بطور تمثیل کے سمجھنا چاہئے کہ عاشق کو نفس قرب کیفی سے تسلی نہیں ہو وہ اپنی استعداد کے اعتبار سے کمال قرب کمی کا طالب ہوتا ہے۔ مثلاً محبوب نے اپنے پاس خوش ہوکر بٹھلا لیا تو وہ کھسکتا کھسکتا آگے آگے ملکر بیٹھنا چاہتا ہے۔ اسلئے حقتعالیٰ نے دو عبادتیں مقرر فرمائی ہیں فرض اور نفل۔ قرب کیفی کا تعلق تو فرض کے ساتھ ہے۔ فرض کے بعد کوئی درجہ کیف کا باقی نہیں رہتا۔ اور کم کا تعلق نفل سے ہے اور کمیت قرب کے مراتب بیشمار ہیں جسقدر بھی مراتب طے کریگا ختم نہ ہونگے اور نہ سیری ہوگی برابر دل چاہتا رہیگا کہ اور بڑھے اور بڑھے خلاصہ یہ ہے کہ فرض کے ادا کرنے سے جو قرب حاصل ہوتا ہے عاشق کو اُس مقدار سے تسلی نہیں ہوتی۔ اگر نوافل نہ ہوتیں تو وہ یقیناً تڑپ تڑپ کر مرجاتا اسلئے کہ دل کا تقاضا ہوتا کہ مراتب قرب کے طے کرے اور طریقہ کوئی تھا نہیں اسلئے شدت شوق میں اگر جان دیدیتا تو تعجب نہ تھا اور اب نوافل حقتعالیٰ نے مقرر فرمادئے ہیں کہ اُن سے درجات طے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اذکار اشغال اور روزے و نماز نفل سب اسی واسطے ہیں کہ بندہ قرب کے درجات طے کرے اسلئے فرائض محدود ہیں اور نوافل غیر محدود۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرائض کے متعلق جو قرب ہے وہ ایکدم سے حاصل ہوجاتا ہے اور اس نوع میں کوئی درجہ باقی نہیں رہتا اور نوافل کے متعلق جو قرب ہے اُسکی کوئی حد نہیں پس اسی حکمت کی وجہ سے بعض عبادتیں فرض مقرر فرمائی ہیں جنمیں فرض روزہ بھی ہے۔ بعض نفل جنمیں نفل روزے بھی ہیں جو دوسرے ایام میں بھی مشروع ہوئے تاکہ کوئی نوع قرب کی فوت نہ ہو صوفیہ کی اصطلاح میں اوّل کو قرب فرائض کہتے ہیں اور دوسری نوع کو قرب نوافل کہتے ہیں اور چونکہ نوافل سے جو قرب ہوتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا اسیواسطے حدیث میں اُسکو لا یزال عبدی سے تعبیر فرمایا ہے۔ بحمداللہ میں نے بقدر رسائی ذہن کے اِن احکام کے اسرار و حکمتیں بیان کی ہیں۔ مقصود میرا اِس سے یہ ہے کہ آپ صاحبوں کو ان عبادتوں کو مع اُن کے حقوق کے ادا کرنے کی رغبت ہو۔ اب اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ حقتعالیٰ توفیق عطا فرمادیں

آمین یارب العلمین

التہذیب نمبر (۶)

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	من ای شان	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۶ شوال سنہ ۳۲ھ	۳ گھنٹہ	بیٹھکر	تمہید میں مذکور ہے	حج کے اسرار	تہذیب جدید والوں کو خصوصاً	محمد عبداللہ عفی عنہ گنگوہی	۲۰۰	-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔ چند سال سے میرا معمول ہے اور ترتیب کا بھی مقتضی ہے کہ بعد گذرجانے رمضان المبارک کے حج کے متعلق بیان کیا کرتا ہوں اور نیز اشہر حج شوال سے شروع بھی ہوتے ہیں اسلئے کہ اشہر حج شوال ۔ ذو القعدہ ۔ ذی الحجہ ہیں ۔ ہر چند کہ شوال اور ذو القعدہ پورے پورے اور ذی حجہ کا ایک معتد بہ حصہ یہ اتنی مدت ہو کہ فی نفسہ ضروری نہیں تھا کہ شروع شوال ہی میں اسکو بیان کیا جائے اس مدت کے اندر اندر جب چاہے بیان کردیا جاتا ۔ لیکن چونکہ ہم لوگ مکہ معظمہ اور عرفات سے مسافت بعیدہ پر ہیں تو اگر بیان کو مؤخر کیا جائیگا تو جن لوگوں کا یہ بیان سنکر جانے کا خیال ہوگا وہ نہیں جاسکتے اسلئے معمول یہی ہو کہ شروع شوال میں بیان کردیا کرتا ہوں ۔ اس مرتبہ بعض روایات سے معلوم ہوا تھا کہ رستہ کے خطرناک ہونیکی وجہ سے پہنچنے میں شبہ ہو اور بعض روایتوں سے امن معلوم ہوا لیکن

اکثر روایات سے شبہ قوی ہوتا چلا گیا اسلئے ارادہ تھا کہ اس بیان کو بالکل ملتوی کر دوں لیکن غور کرنے کے بعد مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ بیان کیا جائے اسلئے کہ یہ کیا ضرور ہے کہ ہمکو شبہ ہو تو سب ہی کو ہو اور اگر ہو بھی تو تحقیق کر لینگے اور اگر نہ بھی تحقیق کریں یا تحقیق کے بعد بھی شبہ رہے تو کم از کم احکام سے تو فی نفسہا اطلاع ہو جائیگی۔ جو شخص شرائط کے اعتبار سے ضروری سمجھیگا وہ ارادہ کریگا ورنہ فی نفسہ حج ایک رکن اسلام ہے اسکے آثار و خواص کا علم ہی ہو جائیگا۔ اور نیز اس عبادت کی عظمت ذہن میں آ جائیگی یہ بھی بہت بڑا فائدہ ہوا۔ ان وجوہ سے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسکا ذکر ترک نہ کروں اسلئے میں نے یہ آیت پڑھی ہے۔ میں اسوقت حج کی فرضیت اور فرعی مسائل بیان نہ کرونگا اسلئے کہ فرض ہونے کو تو سب جانتے ہیں اور مسائل اسکے اردو کے رسائل میں موجود ہیں۔ اور نیز اسوقت انکا بیان کرنا بھی زیادہ مفید نہیں اسلئے کہ حج کے مسائل یاد ہی نہیں رہتے۔ میں اسکے متعلق بھی ایسے ہی مضامین بیان کرنا چاہتا ہوں جیسے روزہ و تراویح وغیرہ کے متعلق بیان کئے ہیں یعنی لطائف اور اسرار اور روح اور جوہر اس عبادت کا بیان کرونگا اس سے اعتقاد فرضیت بھی بوجہ احسن مؤکد ہوگا اور نیز اسکی عظمت اور وقعت بھی پیدا ہوگی اسلئے زیادہ مہتم بالشان اسی کا ذکر کرنا ہے اور وہ مضمون مخترع نہ ہوگا بلکہ صیام و قیام کے مضامین کی طرح انشاء اللہ تعالی نصوص سے تائید ہوتی چلی جائیگی میں نے جو آیت تلاوت کی ہے وہ اس مضمون کے استنباط کیلئے کافی وافی ہے۔ لیکن کچھ مقدمات صحیحہ اسمیں منضم کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اب میں اس مضمون کی نوعیت کی تعیین کرتا ہوں اور ہر چند کہ اس تعیین کی ضرورت نہ تھی اسلئے کہ جو مضامین صیام اور قیام کے متعلق بیان کئے گئے ہیں ان کا یاد کر لینا کافی ہے چنانچہ میں نے روزہ اور تراویح اور اسکی تقریب سے اعتکاف کے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ یہ سب مجاہدات ہیں اور نیز ان مجاہدات کے آثار و خواص کو بھی بیان کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ ان مجاہدات کی تکمیل اعتکاف سے ہوتی ہے یعنی اعتکاف کو بھی مجاہدہ میں داخل کیا گیا تھا۔ یہ حاصل تھا ان مضامین کا یہی نوعیت حج کے متعلق بھی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حقتعالی نے اپنے بندوں پر بڑی رحمت فرمائی ہے کہ ان کو تطہیر قلب و تزکیہ نفس کے ایسے طریقے تعلیم فرمائے ہیں کہ کسی فلسفی اور کسی مرتاض اور کسی اشراقی کو وہاں تک رسائی ہونا کیا معنے اسکی ہوا تک بھی نہیں پہنچی۔ یہ بجز وحی کے کسی واسطہ سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان مجاہدات کی تفصیل میں غور کرنے سے یہ امر بین طور

سے واضح ہے یہانتک بیان تھا اِس مضمون کی نوعیت کے متعلق - اب آگے مقصود شروع کیا جاتا ہے
ہر چند کہ خصوصیت کا مقتضیٰ یہ ہی کہ حج کا ذکر اسوقت کیا جائے تو قربانی کا ذکر عید الضحیٰ میں ہو
لیکن جو مضمون میں بیان کرنا چاہتا ہوں اُسکا تعلق جیسا حج سے ہی ایسا ہی قربانی سے بھی ہو
اور نیز قربانی حج کامل کے بعض اقسام کا جزو بھی ہو اور کامل کی قید میں نے اسلئے لگائی ہو کہ قربانی
نفس حج کا جزو نہیں ہے . نفس حج تو وقوف عرفات اور طواف زیارت سے ادا ہو جاتا ہی - ہاں
کمال اسکا قربانی سے ہے پس جبکہ قربانی بھی اُسکا جزو ہے گو کسی درجہ میں ہو جیسا ابھی مذکور ہوا
کہ حج کامل کا جزو ہے اور اُس میں بھی قِران و تمتع کا تو یہ نامناسب ہے کہ حج کے متعلق بیان
ہو اور اُس کے ایک بڑے جزو کا بیان ترک کر دیا جاوے اس سے حج کا بیان بھی ناتمام
رہیگا اسلئے کہ حج نام ایک افعال کے مجموعہ کا ہے جس میں بعض احوال میں قربانی
بھی داخل ہے - اور نیز ایام عید الضحیٰ میں قربانی کے احکام بیان کرنے کی ضرورت ہوگی
اور اُس وقت احکام نہ بیان کئے جاینگے بلکہ قربانی کی رُوح اور حقیقت اور سر اُس کا
بیان ہوگا اسلئے ایام ذی الحجہ کا انتظار نہیں کیا گیا - اور اسیطرح حج کا بیان بھی احکام
تفصیلیہ کے بیان سے نہ ہوگا جیسا پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے اسلئے کہ وہ احکام یاد نہیں رہتے
اور نیز خود بیان کرنے والے کو بھی یاد نہیں - جیسے ایک طوطے کو کسی نے الم ترکیف
تک سورتیں یاد کرا دی تھیں جب اُس سے کوئی پڑھواتا تھا تو وہ فر فر پڑھ دیا کرتا تھا -
اور جب کہتے کہ آگے پڑھو تو وہ کہتا تھا کہ آگے تو میاں کو بھی یاد نہیں - اسی طرح احکام
حج کے تو مجھے بھی یاد نہیں بیان تو کیا کرونگا اور اگر کسی کو یاد بھی ہوں تب بھی ہاں
جا کر نئے اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے وہاں سب پڑھا لکھا بھول جاتا ہے :- ع
جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اُسے صاف دل سے بھلا دیا + مولانا رحمت اللہ صاحب
راوی ہیں کہ ایک بہت بڑے عالم مکہ معظمہ حج کے لئے آئے - جب مطوف معلّم طواف
کرانے کے لئے ان کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم کو معلّم کی ضرورت نہیں ہم خود واقف ہیں
معلّم الگ ہو گئے - جب حرم شریف میں پہونچے تو باب السلام سے داخل ہوتے ہیں اور باب السلام
دو ہیں ایک احاطہ میں اور ایک بالکل اندر - باہر کے باب السلام میں تو انہوں نے غلطی نہیں کی
لیکن جب اندر پہنچے تو اندر کے باب السلام سے داخل نہ ہوئے - ایک بچہ نے اُسوقت بتلادیا

ع۵ حدیث شریف میں بھی وارد ہے الحج العج الثج - اس سے بھی قربانی کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوتا ہے جامع

یا شیخ ادخل من ھنا یعنی اے شیخ ادھر سے داخل ہوجئے۔ جب آگے طواف کیلئے پہونچے تو حکم
یہ ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دیکر داہنی طرف جسطرف خانہ کعبہ کا دروازہ ہے چلنا چاہیئے وہ
بائیں طرف کو چلے اسی وقت لڑکے نے بتلادیا اور کہا اخطأت یا شیخ امش من ھنا
یعنی اے شیخ آپنے خطا کی اس طرف سے چلئے۔ جب بار بار اُن سے غلطی ہوئی تو انہوں نے
فرمایا کہ خداتعالیٰ نے میرا تکبر توڑا ہے واقعی یہاں بغیر معلم کے کام نہیں چلتا۔ اُسوقت
اُنہوں نے معلّم کو بلایا۔ وہ عجیب دربار ہے وہاں اچھے اچھے عقلا بھی بے عقل ہوجاتے
ہیں۔ اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ وہاں جاکر ایک حیرتؔ اور عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے
کہ جس سے عقل ایک طرف رہ جاتی ہے۔ اسلئے میں احکام بیان نہ کرونگا۔ خلاصہ یہ ہے
کہ حج اور قربانی دو مضمون ہونگے پہلے مواعظ میں نماز اور روزہ کے متعلق بیان تھا۔
یہ دو عبادتوں کا آج ہوگا۔ ارکان اسلام کے کُل پانچ ہی ہیں۔ تلفظ شہادتین جسکا بیان
محتاج بیان نہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ جسمیں سے بجز زکوۃ کے سب کا بیان
ہوجائیگا لیکن طبعاً زکوۃ کا بیان بھی آجائیگا۔ قبل اسکے کہ حج کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے
مواعظ سابقہ کے حاصل کو سمجھنا چاہئیے اور وہ یہ ہے کہ حقتعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے
تطہیر قلب و تزکیہ نفس کے واسطے کچھ مجاہدات اپنے بندوں کو تعلیم فرمائے ہیں اور ان مجاہدوں
کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ایک مجاہدہ روزہ ہے ایک نماز ہے ایک زکوۃ منجملہ اُن مجاہدات کے حج اور قربانی
بھی ہے۔ مواعظ سابقہ میں روزہ نماز کے متعلق بیان ہوچکا ہے۔ پس اگر ایام حج بھی اسوقت نہ ہوتے
تب بھی چونکہ بعض مجاہدات کا بیان ہوچکا ہے تو مجاہدہ ہونے کے اعتبار سے حج کا بیان بھی ضروری
تھا یہ حسن اقتران ہے کہ ایام بھی اس عبادت کے یہی ہیں ان اقسام مختلفہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ کل دو رنگ یا دو نوع کے مجاہدے ہیں ایک وہ مجاہدہ ہے جسمیں عقلیت کی شان غالب ہو اور
ایک وہ ہے جسمیں ادراک بالعقل غالب نہ ہو بلکہ اُسمیں طبعیت اور تعبدیت غالب ہو اور راز اس تنوع میں
یہ ہے کہ مجاہدہ کا حاصل منازعات نفس کا مغلوب کرنا ہے یعنی جو قوتیں طاعت میں کشاکشی کریں انکو
مغلوب کردینا اور دبادینا مقصود ہے اور وہ منازعات مختلف قسم کے ہیں۔ کوئی مجاہدہ کسی منازعت
کے مغلوب کرنے کیلئے ہے اور کوئی کسی منازعت کے دبانے کے لئے۔ چنانچہ نماز سے جاہ کو دبانا مقصود ہے

ف یہ حیرت کم و بیش ہر مسلمان کو طاری ہوتی ہے اور اگر کسی کو نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ اسکا سبب قساوت قلب اور غفلت ہے
جیسے قرآن اور نماز سے بعضے متاثر نہیں ہوتے لیکن اس سے محزون نہ ہو بلکہ علاج میں مشغول ہو ۱۲ جامع

اور قوت بہیمیہ کا انکسار روزہ ہی مطلوب ہے۔ غرض مجاہدہ کی حقیقت منازعات کو مغلوب کرنا ہے اسکے بعد سمجھنا چاہئے کہ منازعت کرنیوالی کیا کیا چیز ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ منازعت کرنیوالی آدمی کے اندر کل دو شئے ہیں ایک عقل اور دوسری طبیعت۔ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو حق سے روکتی ہیں چنانچہ حکماء کو جس شئے نے اتباع حق سے روکا اور انبیاء کا اتباع نہیں کرنے دیا وہ عقل ہی اسلئے کہ طبیعت کے اقتضاءات کا تو انھوں نے بخوبی علاج کر لیا تھا چنانچہ اخلاق اُن کے مہذب تھے نفس کا تزکیہ بالکلیہ کر لیا تھا بڑے بڑے مجاہدات سے وہ شائستہ ہو گئے تھے اسلئے طبعی منازع تو اُن میں بالکل نہ تھے صرف عقل اُنکی اتباع سے مزاحم ہوتی تھی چنانچہ ایک آیت میں حقتعالیٰ نے اسکی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں فرحوا بما عندھم من العلم یعنی اپنے علم پر اترا گئے اپنے علوم کے سامنے انبیاء کے علوم کو پست سمجھتے تھے جیسے مدعیان عقل قرآن شریف پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ قرآن میں تو معمولی مضمون ہیں کہیں مچھر کا ذکر ہے کہیں مکھی کا۔ اللہ میاں کا کلام اور ایسی حقیر چیزوں کا ذکر اللہ تعالیٰ جیسے عظیم الشان ہیں ایسی ہی چیزوں کا ذکر ہونا چاہئے۔ اور احمق یہ نہ سمجھے کہ مچھر اور مکھی کا ذکر قرآن مجید میں بطور تمثیل کے ہے اور تمثیل کے اندر یہ ضروری ہی کہ ممثل لہ جس درجہ کا ہو مثال بھی اسی درجہ کی ہوتی ہے۔ چنانچہ بُتوں کی کمزوری کھانے کے لئے اُن کو مکھی سے تشبیہ دی ہی چنانچہ ارشاد ہے وان یسلبھم الذباب شیئًا لا یستنقذوہ منہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو اللہ ماننے کو مکڑی کے جالے کیساتھ تشبیہ دی ہی اور اگر مشبہ اور مشبہ بہ میں تناسب کی رعایت نہ ہو تو جو تشبیہ غرض ہی وہ فوت ہو جائیگی۔ پس پابندان خیال محققین کے کلام کو ہمیشہ بوجہ اپنی کم فہمی کے پست اور معمولی بتلاتے چلے آئے ہیں اسیطرح انبیاء علیہم السلام کو اور اُنکے کلام کو معمولی بات کہتے چلے آئے ہیں اور راز اسمیں یہ ہے کہ انبیاء اور محققین کو اصل میں نفع رسانی مقصود رہی ہے اور نافع مضمون کی شان ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ اُس سے عوام سے لیکر خواص تک نفع حاصل کریں اور ایسے مضامین عجیب و غریب نہیں ہوتے بلکہ سُننے سے معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر اُن پر عمل کیا جائے تو اسوقت اُنکا نفع معلوم ہوتا ہے اور جسقدر اُنمیں غور کیا جاتا ہے اسیقدر زیادہ باریکیاں اُسمیں نکلتی ہیں اور حقائق دقائق اور مضامین غامضہ سے چونکہ کوئی نفع نہیں اسلئے انبیاء اور اُنکے جانشین ایسے مضامین بیان نہیں فرماتے۔ نہ اسوجہ سے کہ اُنکو معلوم نہیں بلکہ اسوجہ سے کہ وہ فہم عوام سے باہر ہیں اور نیز کوئی نفع بھی نہیں اسکو ایک مثال کے ضمن میں سمجھنا چاہئے کہ حکیم محمود خاں کی دو مقام میں دو شانیں ہیں ایک تو جسوقت وہ طالب علموں کو پڑھاویں اور ایک جسوقت نسخہ لکھیں تو اگر کوئی شخص مطب میں اُنکو دیکھ

کہے کہ میں نے تو سُنا تھا کہ حکیم محمود خانصاحب طب کے بڑے عالم ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں سوتف۔ کا نسخہ تو کوئی بتائے۔ تو وہ شخص احمق ہے اسکو عقل نہیں کہ جو لوگ اُن کے پاس اُس وقت جمع ہیں یہ مریض ہیں اِن کے لئے یہی مناسب ہے۔ اگر اسکو طب کی تحقیقات سُننے کا شوق ہے تو اُسکو چاہئے کہ وہ اُس وقت کا انتظار کرے جبکہ وہ طالب علموں کو نفیسی اور قانون کا سبق پڑھاتے ہیں اسیطرح انبیاء کے دو موقع ہیں ایک تو جبکہ وہ عوام سے خطاب کرتے ہیں ایک وہ جبکہ خواص اُنکے مخاطب ہوتے ہیں خواص کو جو خطابات ہوتے ہیں اُن کے بیان کرنے کی حاجت نہیں اُنکی مثال ایسی ہے جیسے حضور کو خطاب ہے الٓمٓ۔ حمٓعسٓقٓ۔ کھیٰعٓصٓ۔ اب اِن حروف کے معانی بجز حضور کے کوئی نہیں سمجھا کسی شخص نے کسی بزرگ سے معراج کے متعلق پوچھا تھا کہ وہاں کیا کیا باتیں ہوئیں اُنہوں نے کیا خوب جواب دیا ہے ۵

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان	۵	بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد
میانِ عاشق و معشوق رمزیست		کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

خود ملائکہ حامل وحی کو بھی خبر ہونا ثابت نہیں کہ اِن لفظوں کے کیا معنے ہیں۔ ایک مرتبہ کانپور میں میں یہی تقریر کر رہا تھا ایک کورٹ انسپکٹر بھی موجود تھے اُن کو اس سے بڑا حظ ہوا اور کہنے لگے کہ بالکل صحیح ہے اور اُنہوں نے حکایت بیان کی کہ میں اُناؤ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بیٹھا تھا۔ اُنکے پاس ایک کتاب رکھی تھی میں اُٹھا کر دیکھنے لگا کہنے لگے تمہارے کام کی نہیں تم نہیں سمجھو گے۔ یہ خاص اصطلاحیں خفیہ پولیس کی ہیں جنکو وہ باہم سمجھتے ہیں لیکن تشریع عام سب کو بتلائی گئی ہے۔ یہ ایسے خطابات ہیں کہ سوائے حضور کے دوسرا نہیں سمجھتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کی برکت سے بعض خواص اولیاء اللہ کا فہم بھی اُنکے کسی حصہ تک پہنچا ہو۔ چنانچہ شیخ اکبرؒ نے اوائل سورۂ رُوم سے نفخ صور تک کے حالات مع قید و سن مع قید ناموں کے سمجھکر لکھدیئے ہیں لیکن زبان ایسی اختیار کی ہے کہ ہر کوئی اُن اصطلاحوں کو نہیں سمجھ سکتا اور کسی شخص نے اُسکی شرح بھی لکھی ہے مگر اُن بھلے مانس نے بھی ایسے طور سے لکھا ہے کہ ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور اسپر بھی بہت قیمتیں ہیں کہ اگر کوئی سمجھ جائے تو کسی سے ظاہر نہ کرے۔ غرض انبیاء اور اولیاء کے سینوں میں وہ علوم غامضہ ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء وہاں تک نہیں پہونچ سکتے۔ اُن احمقوں نے اسپر تو نظر نہیں کی نظر اسپر کی کہ عوام سے جو اُن کے خطابات ہیں وہ معمولی ہیں حالانکہ یہ خطابات بھی اُن کے غایت علو درجہ پر دال ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے دو شخص ہیں ایک تو شرح ملا تک پڑھا ہوا ہے تو وہ اگر میزان الصرف پڑھاوے تو اسقدر عجیب نہیں اور ایک دوسرا شخص جو علم کے اندر ایک بحر زخار ہے وہ اگر میزان پڑھاوے اور آسان کر کے پڑھاوے تو اُسکا کمال ہے اسلئے

۵ اس قسم کے اسرار اکثر عام کے تحقیق نہیں ہوتے۔

کہ میزان کے ہر صفحہ پر جو اسکی نظر پڑیگی تو ہر ہر جملہ پر اسکو علم کا بے انتہا خزانہ نظر آئیگا اور بڑے بڑے مضامین اسکے سامنے آئینگے اور وہ اُن کو اپنے درجہ سے تنزل کرکے نہایت سہل عنوان سے بیان کریگا۔ اسیطرح انبیاء علیہم السلام مضامین عالیہ کو نہایت سہل عنوان سے بیان فرماتے ہیں۔ شاعر کا بڑا کمال یہ ہے کہ شعر سہل ٹھیٹھ زبان میں کہے اور پھر مضمون اچھا ہو۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حقتعالیٰ کی قدرت جیسی بڑے حسین کو پیدا کرنے سے ظاہر ہوتی ہے اُس سے بڑھکر بدصورت کے پیدا کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ کامل خوشنویس اگر بگاڑ کر ایسا لکھدے کہ بدخط معلوم ہو یہ اُسکا کمال سمجھا جائیگا۔ پس صنائع اور بدائع سے جیسے حضرت حق کا کمال ظاہر ہوتا ہے ناقص کو دیکھکر اُس سے زیادہ استدلال ہوتا ہے۔ بڑا فصیح و بلیغ اگر دیہات کی زبان میں گفتگو کرے تو یہ اُسکا غایت کمال ہو۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ گنواروں کے ساتھ گاؤں کی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے تو بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ بڑے آدمی بچوں کے ساتھ بچوں کی سی بولی بولا کرتے ہیں اور اگر مخاطب کے رتبہ کے موافق نہ بولیں تو ایسے خطاب سے کچھ فائدہ نہیں۔ جیسے لکھنؤ میں ایک مولوی صاحب تعلقہ دار تھے گاؤں کے کاشتکار اُن کے پاس آئے تو آپ اُن سے پوچھتے ہیں امسال آپ کے کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں تو وہ چودھری آپس میں ایکدوسرے کو کہنے لگے کہ بھائیو ٹھیر کر آئیو ابھی تو میاں قرآن پڑھ رہے ہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تو بہت مبتذل لغت بولے ہیں۔ پس اگر حضرات انبیاء اپنے مقام رفیع پر رہ کر گفتگو کریں تو ایک حرف بھی کسی کی سمجھ میں نہ آوے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا مقام تو بہت عالی ہے۔ اولیاء امت میں ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے جب اپنے مقام پر رہ کر کلام کیا ہے تو اُن کے ہمعصروں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ پر حال غالب تھا اور حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنے حال پر غالب تھے اسیواسطے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو اُن کا حال اپنے رتبہ کے موافق کلام کراتا تھا۔ ایک مرتبہ امروہہ میں آئے اور تقریر فرمائی جو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ کسی عامی نے کہا ہم تو سمجھے نہیں ایک بزرگ نے جواب دیا کہ افسوس ایک شہباز عرش کہ جسکا پرواز عرش پر ہے اُس سے درخواست کیجاتی ہے کہ زمین پر اتر کر چلے۔ مولانا حال رفیع رکھتے تھے اور ایک امتی تھے اس سے سمجھ لیجئے کہ اگر انبیاء اپنے مقام رفیع سے کلام فرماتے تو کون سمجھتا۔ اور اس سے آگے اور نظر کو وسعت دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ ہماری طاقت فہم سے بالاتر کلام فرماتے تو کیا ہوتا۔ وہ کلام کیا ہوتا

ایک تجلی خاص ہوتی کہ اُسکے ظہور ہوتے ہی ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا ؎

چوں سلطانِ عزت علم در کشد　　جہاں سر بجیب عدم در کشد

یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہی کہ اپنے کلام کو الفاظ حادثہ کا لباس پہنا کر متجلی فرمایا ہے - اگر کلام قدیم اپنی قدم کی حالت سے متجلی ہوتا تو نہیں ہوتا نہ تم ہوتے - پس یہ رحمت ہے کہ یہ کلام الفاظ حادثہ کی صورت میں نازل ہوا ہے - لیکن الفاظ ہی تک نہ رہنا چاہئے - کسی نے خوب کہا ہے ؎

البحر بحر علی ما کان فی قدم　　ان الحوادث امواج و انہار
لا یحجبنک اشکال تشاھدھا　　عمن یشکل فیہا فہی استار

یعنی الفاظ ہی کیطرف نظر نہ رکھنا چاہئے الفاظ تو بمنزلہ قشر ظاہر کے ہے اور صفت کلام جو قدیم ہی جسکی یہ صورت ہی وہ بمنزلہ مغز اور لُب کے ہی اور اِن الفاظ کے مدلولات بمنزلہ قشر باطن کے ہی گویا یہ مدلولات صفت قدیم - اور اِن الفاظ حادثہ کے درمیان ایک برزخ ہی کہ جسکے اندر قدم اور حدوث دونوں شان ہیں مختلف درجات میں یعنی اس مدلول کا ایک درجہ تو وہ ہی جسکو کلام نفسی کا مدلول کہا جاتا ہے وہ مثل دال کے قدیم ہی اور دوسرا درجہ جسکو کلام لفظی کا مدلول کہا جاسکے وہ مثل اپنے دال کے حادث ہی اگر ہمیں معانی کا مشاہدہ کرنا چاہئے اور گویہ وہ مرتبہ ہی جسکو عرفی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیا ہی چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل　　سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را

پس یہ مرتبہ حضور کیلئے تو ثابت کرنا خلاف واقع کے ہی اور صحیح نہیں ہی ہاں البتہ مدلول کلام الٰہی کی یہی شان ہی مولانا شہیدؒ نے عرفی کے اس شعر پر رد فرمایا ہی وہ یہ ہی کہ یہ تو ظاہر کہ حضور کا جسد عنصری حادث ہے اسکے قدم کا تو کوئی قائل ہو ہی نہیں سکتا ہاں نور کے اندر کلام ہو سکتا ہے سو وہ بھی حدیث اول ما خلق اللہ نوری سے حادث ہے اسلئے کہ خلق ایک فعل ہی اور خلق کا تعلق نور سے ہوا ہے تو خلق خود حادث ہے اور نور اسکا اثر ہے وہ اُس سے ضرور متاخر ہوگا اور بدرجہ اولیٰ حادث ہوگا اِس مقام پر ایک اور بات یعنی سمجھنے کے لائق ہی وہ یہ ہے کہ بعضوں کو صوفیہ کی ایک اصطلاح سے دہوکہ ہو گیا ہے کہ حضور کے اندر شان قدم کی ہی وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ قدیم ہے اس سے دہوکہ ہوتا ہے کہ حضور کے اندر شان قدم کی ہے حالانکہ یہ انکی ایک اصطلاح ہی حقیقت محمدیہ سے مراد وہ علم الٰہی کا ایک مرتبہ لیتے ہیں اور اسکو حضور کیطرف اسلئے نسبت کرتے ہیں کہ یہ شان الٰہی حضور کی مربی ہے اور حضور اس شان الٰہی کے مظہر ہیں حقیقت تو اسکو اسلئے کہتے ہیں کہ وہ ایک امر باطن ہی اور حضور چونکہ اُس شان سے فیضیاب ہوتے ہیں اسلئے اسکو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں متنبہ ہو کہ

یہ ہوا کہ حقیقت کے معنے وہ لیلئے جو منطقیوں نے لئے ہیں حالانکہ انکی مراد یہ معنے نہیں معقول کی جدا اصطلاح ہے اور تصوف کی علیحدہ اس التباس کی وجہ سے یہ سمجھ گئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیم ہیں۔ یاد رکھو کہ حضور بجمیع اجزاء ہا اشریفۃ حادث ہیں۔ پس عرفی کا یہ شعر قرآن شریف کے بارہ میں ہو تو بہت مناسب ہے۔ الحاصل اگر کلام الٰہی کو یہ لباس حدوث کا نہ پہنایا جاتا تو یہ حالت ہوتی لو انزلنا ھذا القراٰن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب تو اسکو اللہ کے خوف سے دب جانیوالا اور پھٹ جانے والا دیکھتا۔ کوہ طور پر ایک ہی تجلی تو ہوئی تھی جس نے اسکو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اوّل رویت کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں ارشاد ہوا ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی یعنی تم مجھ کو نہیں دیکھ سکتے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر جما رہا تو مجھ کو دیکھ لوگے فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا یعنی جب رب موسیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسکو ریزہ ریزہ کر دیا اور بیہوش ہو کر گر گئے۔ پس یہی حال تجلی کلامی کا بھی ہوتا کہ کسی کو اسکی تاب نہ ہوتی حدیث شریف میں ہے لو کشف سبحات وجہہ لاحرقت ما انتھی الیہ بصرہ پس یہ غایت رحمت ہے کہ اپنے کلام کو ایسی صورت سے اس عالم میں اُتارا کہ ہمارے قلوب اُسکے متحمل ہو گئے تو لازم تو یہ تھا کہ اسکا احسان مانیں نہ کہ اُسپر اعتراض کریں۔ غرض انبیاء اور اولیاء اللہ کا کلام تنزل کے بعد بھی نہایت رفیع الشان ہوتا ہے وہ کلام سہل ممتنع ہوتا ہے۔ اُسکے اندر ایسی رعایت اور پہلو ہوتے ہیں کہ نہایت مفید اور نہایت مفید ہونے کے ساتھ نہایت عالی کہ ارسطو اور افلاطون اور مشائین اور اشراقیین بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے پس اسپر اعتراض کرنا نری حماقت ہی ہو عقل پرستی نہیں بلکہ وہم پرستی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان عقلاء کی عقل نے راہ ماری ہے اور فرحوا بما عندھم کے پورے مصداق ہیں۔ دوسری شے حق سے روکنے والی طبیعت ہے طبیعت کا مقتضٰی یہ ہے کہ کہ تمام شہوات اور لذات سے تمتع حاصل ہو اور سب پر غالب ہو کر رہوں سب میرے ماتحت ہوں بعضوں کو تو اس تسخیر کا یہانتک خبط ہوتا ہے کہ آدمیوں کو چھوڑ کر چاہتے ہیں کہ جنات بھی ہمارے تابع ہو جائیں۔ میرے پاس بہت خطوط آتے ہیں کہ کوئی عمل تسخیر کا بتلا دو مجھے بھی ایک ایک مرتبہ زمانہ طالب علمی میں تسخیر جن کا خبط ہوا تھا میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا تھا کہ حضرت کوئی عمل تسخیر جن کا بتلا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ایسے عمل ہیں مگر یہ تو

بتلاؤ کیا حقتعالیٰ نے تم کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ تم خدا بنو تم کو تو حقتعالیٰ نے بندہ بننے کے لئے پیدا کیا ہے۔ بندہ بنو ؎

زخاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر یہ چند حرفوں کی تہمت لگ گئی ہے ورنہ اپنے کو ایسا مٹاتا کہ کوئی نام بھی نہ جانتا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانہ بھون تشریف لائے تھے وعظ بھی فرمایا تھا مجھ کو یاد ہے کہ حضرت چارپائی پر پائینتی کیطرف بیٹھے ہوئے تھے اور انگرکھ کے بند اور گھنڈی کھلی ہوئی تھی۔ اللہ اکبر اسقدر مٹایا تھا کہ کوئی پہچان ہی نہ سکتا تھا۔ سنا ہے کہ مولانا محمد مظہر صاحبؒ کے پاس نائی خط بنانے آیا حضرت اسوقت چارپائی پر پائینتی کیطرف بیٹھے ہوئے تھے نائی کو حکم ہوا کہ سرہانے بیٹھ جا اُسنے کہا حضور میری کیا مجال ہے۔ تیزی سے فرمایا کہ ارے بیٹھ بھی ان حضرات نے اپنے آپ کو کیسا مٹایا تھا مگر اس مٹانے کے ساتھ ہی مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کی اور شان بھی تھی وہ یہ جانتے تھے کہ چھوٹوں کے سامنے تواضع کرنے سے اُن کو تکلیف ہوتی ہے اسلئے وہ زیادہ تواضع نہ فرماتے تھے۔ شاگردوں کو اُنکا نام لیکر پکارتے تھے مجھے فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی خدا جانتا ہے کہ مولانا کے اس طرح پکارنے سے اسقدر جی خوش ہوتا تھا کہ اوروں کے مولانا صاحب اور مولوی صاحب کہنے میں وہ لطف نہیں آتا اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا مذاق جدا تھا وہ شاگردوں کو بھی مولوی صاحب اور شاہ صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ بات یہ ہے ؏ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است ؎

بگوشش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است
بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است۔

مختلف شانیں ہیں۔ کسی پر تواضع غالب ہے کسی پر شفقت و رحمت کا غلبہ ہے۔ کسی کے اندر جلال کسی میں جمال کی شان ہے۔ بعض لوگ جو بزرگوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ فلاں نرم ہیں اور فلاں تیز ہیں یہ نری جہالت ہے تم کو اُن کے حال کی کیا خبر ہے تم ہر ایک کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اپنی حالت پر رہو بزرگوں کا فیصلہ کرنیوالے تم کون ہوتے ہو گیدڑ اگر شیروں کا فیصلہ کرے تو اُسکی کمبختی آئی ہے تم اپنی خیر مناؤ ایسا نہ ہو کہ ان کے درمیان میں تم نہ دلے جاؤ۔ ؎

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ
بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ

غرض مانع عن الحق دو شئے ہیں عقل اور طبیعت عقل خواص کی رہزن ہے اور طبیعت عوام کی۔ میں

مجاہدہ کا حاصل یہ ہوا کہ عقل اور طبیعت دونوں کو مغلوب کیا جائے پس دو قسم کی عمل کی ضرورت ہوا ایک تو
وہ عمل کہ جسپر عقلیت غالب ہو مثلاً نماز ہے کہ اس سے مقصود جاہ کو مغلوب کرنا اور جناب باری کے
سامنے نیازمندی کا اظہار ہے تو عقل بھی نیازمندی اور نماز میں مناسبت سمجھتی ہے اسلئے کہ اسمیں
دست بستہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور اشرف اجزا یعنی سر کو ارذل العناصر یعنی زمین پر رکھا
جاتا ہے غرض اُسکے ہر ہر جزو سے اسکی غایت سمجھی جاتی ہے - اسیطرح روزہ کو سمجھئے کہ وہ تو بھی
انکسار کے لئے ہے اور مناسبت دونوں میں سمجھ میں آتی ہے پس ان دونوں عبادتوں میں عقلیت کی
شان غالب ہے انکے ادا کرنے سے عقل کی رعایت ہے اور دوسری قسم عمل کی وہ ہونا چاہئے کہ
جسمیں عقلیت کی شان مغلوب ہو عقل براہ راست اسکو نہ سمجھے بلکہ اسمیں طبیعت کا غلبہ ہو اور اسکے
ادا کرنے میں طبیعت کی رعایت ہو - جب عقل اور طبیعت دونوں کی رعایت کر کے دونوں کو کام
میں لگا دیا جاویگا تو دونوں کو حقتعالی سے تعلق ہو کر انمیں شان انقیاد کی آجاویگی اور دونوں
اعتدال پر آجاوینگے اور یہی دونوں چیزیں حق سے روکنے والی تھیں تو اسوقت بندہ کو حق واضح
ہو جاویگا اور مجاہدہ بھی کامل ہو جائیگا - اس سے سمجھ میں آگیا ہو گا کہ جیسی ہم کو پہلی قسم کی ضرورت
ہے اسیطرح دوسری قسم کی بھی ضرورت ہے - اسلئے ہم کو اسمیں سے بھی حصہ دیا گیا ہے اور صرف
عقل کو رام کر لینا کافی نہ تھا اسلئے کہ طبیعت اسکی مزاحم ہوتی اور عقل اور طبع میں جب
تنازع ہوتا ہے تو غلبہ ہمیشہ طبع کو رہتا ہے اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ طبع پر وہم کا اثر غالب
رہتا ہے - دیکھو اگر ایک بڑی اونچی دیوار ہو اور ایک گز اُسکا عرض ہو اور ادھر اُدھر
کوئی آڑ اسپر نہ ہو اور وہاں پر کسی آدمی کو چھوڑ دیا جاوے تو سوائے نٹ کے کوئی اسپر کو نہ
گذر سکیگا - بلکہ گذرنا تو علیحدہ وہاں بیٹھ نہ سکیگا حالانکہ عقل کہتی ہو کہ چلنے کے لئے تو صرف ہاتھ
بھر بلکہ اس سے بھی کم جگہ کافی ہے اور عقل برابر زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ گرو گے نہیں
مگر وہم کہتا ہے کہ ضرور گرو گے اور اسی کا غلبہ رہتا ہے - بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ بہت اونچی
دیوار پر جو انسان ڈرتا ہے اور بسا اوقات گر بھی جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر شئے کا مرکز کیطرف
میلان ہے مرکز یعنے زمین اسکو کشش کرتی ہے اسلئے ڈرتا ہے - یہ بالکل بیہودہ بات ہے
اسلئے کہ اگر کسی اندھے کو وہاں چھوڑ دو اور یقین دلا دو کہ حافظ جی اسکے دونوں طرف دیوار
کی آڑ ہے گرو گے نہیں تو ہر گز اسکو خوف نہ ہو گا اور جب اسکو یقینی علم ہو جاویگا تو وہ بھی
مضطرب ہو گا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہم کے غلبہ سے خوف معلوم ہوتا ہے دیکھو بچے

بھیبھی ایسی جگہ پہونچ جاتے ہیں کہ بڑے وہاں نہیں جاسکتے اسلئے کہ اُنکو ہوش نہیں اور وہم پرستی ہے ان کا دماغ خالی ہے اُن کو زمین کیوں نہیں کشش کرتی ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ اسیطرح پتھر جو اوپر سے نیچے کو آتا ہے تو حکماء قدیم تو یہ کہتے ہیں کہ پتھر کے اندر نیچے جانیکا میلان ہے اور اسوقت کے فلاسفہ کہتے ہیں کہ زمین اسکو اپنی طرف کشش کرتی ہے یہ سب گپ ہے ۔ ہاں پہلی بات کچھ جی کو لگتی ہے قرآن شریف سے بھی اسکی تائید ہوتی ہو اسلئے ارشاد ہے ان اللہ یمسک السمٰوات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہٖ اور ارشاد ہے ویمسک السماء ان تقع علی الارض اِن دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان زمین پر گرنا چاہتا ہے مگر حقتعالیٰ اسکو روکے ہوئے ہیں اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شی مرکز کی طالب ہی الحاصل طبع پر وہم کا غلبہ رہتا ہے ۔ پس اگر مجاہدہ کے اندر صرف عقل کی تعدیل کیجاتی اور طبع کو مہمل چھوڑ دیا جاتا تو سخت مصیبت ہوجاتی مثلاً نماز کا وقت آیا تو عقل کہتی ہے کہ نماز پڑھنا چاہئے اور طبع پر سستی غالب ہوئی ۔ اور پہلے گذر چکا ہے کہ عقل اور طبع کی مزاحمت کے وقت طبع کو غلبہ رہتا ہے پس اس صورت میں بھی طبع کو غلبہ رہتا پس اسکا ضروری اور لازمی اثر تھا کہ نماز ترک ہوتی ۔ حقتعالیٰ کا یہ فضل ہوا کہ طبع کو بھی رنگین بنا دیا اور اُسکو خاص خاص مجاہدوں سے مہذب بنا دیا اب خود اسکا اقتضا ہے کہ وہ اُٹھا کر کھڑا کر دیتی ہے اسی واسطے منتہا مجاہدہ کا یہ ہے کہ امور شرعیہ امور طبعیہ بنجاویں اسی کی نسبت کسی نے کہا ہے ؎

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی ۔۔۔ کہ دراز و دُور دیدم رہ و رسم پارسائی

رہ قلندر سے یہی مراد ہی کہ طبع پر رنگ چڑھ جاوے کہ بدوں اُسکے چین نہ آوے ۔ بفضلہ تعالیٰ اس رنگ کا حصہ کم و بیش دینداروں میں موجود ہی ۔ دیکھو اگر کسی نمازی کو نماز کیوقت دو آدمی پکڑ کر بٹھا کے باندھ دیں تو وہ رسے توڑ کر بھاگے گا تو اسمیں کیا راز ہے یہی ہی کہ اُس کی طبیعت بدلگئی ہے وہ کشاں کشاں اُسکو اپنے مقتضے کیطرف لیجاتی ہی اسکو ملکہ راسخہ اور طبیعۃ ثانیہ کہتے ہیں کسی بزرگ نے حکایت لکھی ہی کہ ایک آقا اور غلام چلے جارہے تھے غلام نمازی تھا نماز کا وقت آگیا وہ مسجد میں نماز پڑھنے گیا اور آقا صاحب مسجد سے باہر رہے ۔ جب بہت دیر ہوگئی تو آقا نے پکارا کہ آؤ غلام نے کہا کہ آنے نہیں دیتا ۔ آقا نے پوچھا کہ کون آنے نہیں دیتا غلام نے کہا کہ جو تجھ کو اندر نہیں آنے دیتا ۔ فرق کیا تھا کہ نماز اُس غلام کی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی اور مولیٰ کی طبیعت مہذب تھی اُسکی وہ حالت تھی جیسے کسی قصائی کا بیل چھوٹ کر مسجد میں گھس گیا ۔ لوگوں نے ملامت کی تو کہنے لگا

کہ میاں جانور بے عقل تھا چلا آیا کبھی ہم کو بھی دیکھا ہے۔ اللہ اکبر طبیعت کا کیسا اختلاف ہے اور یہی طبیعت کبھی ایسا پلٹا کھاتی ہے کہ تکبیر اُولیٰ بھی اگر قضا ہو جائے تو گویا غم کا پہاڑ گرتا ہے ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود	گر ز باغِ دل خلالے کم بود

اس لئے بہت زیادہ ضروری طبیعت کا مسخر کرنا ہے۔ طبیعت اور عقل کی مثال ریل کی سی ہے کہ انجن میں جو کلیں ہیں اُن کے ذریعہ سے پہئے کو گھما کر بھی چلا سکتے ہیں لیکن سخت تکلیف ہوگی اور کچھ دُور جا کر یقیناً رُک جائیگی اور زیادہ مسافت قطع نہ کر سکیگی۔ یہ مثال تو عقل کی ہے کہ عقل کے ذریعہ سے گو بدن سے کام لے سکتے ہیں لیکن بہت کم اور بڑی مشقت سے اور اگر اُسمیں آگ اور پانی بھی ہو اور اُسکے بعد کلوں کو گھمایا جاوے تو پھر اُس سے بے تکلف ہزاروں میل قطع ہو سکتے ہیں۔ یہ مثال طبیعت کی ہے کہ اگر طبیعت رنگین ہو جائے تو اُس سے بڑے بڑے کام بے تکلف لے سکتے ہیں پس ایسے مجاہدوں کی بھی ضرورت واقع ہوئی کہ جن سے طبع مسخر ہو اُن میں سے ایک بہت بڑی شئے حج بھی ہے اور اُسمیں یہ رنگ ہونا اس آیت سے سمجھ میں آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ واسطے اللہ کے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج کرنا جو اُس تک راہ کی مقدور رکھتے ہیں اس آیت میں جو لفظ حج البیت واقع ہوا ہے تو اس اضافت سے اسکا پتہ چلتا ہے۔ اللہ اکبر قرآن شریف کے ایک ایک حرف میں ایک علم کا دریا ہے دیکھو اِس اضافت سے کتنا بڑا علم مستنبط ہوتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عقل اور طبیعت کے آثار میں تفاوت ہے عقل کا مقتضٰی یہ ہے کہ نفس عبادت کا اہتمام ہو اور قیود اور ہیئات کا اہتمام بالکل نہ ہو اسلئے کہ عقل تجرّد کو چاہتی ہے اور تعینات اور تشخصات سے اسکو تنفّر ہے اور طبیعت چونکہ محسوسات سے مالوف ہے اسلئے اُسکو قیود اور ہیئات و تعینات سے اُنس ہے اور جس شخص میں تجرد ہو اُس سے اُسکو اُلفت و اُنس نہیں ہے۔ مثلاً نماز ہے اُسکی رُوح خشوع اور خضوع ہے تو عقل محض اس معنے سے آشنا ہے اور جو قیود اسکے علاوہ ہیں وہ دو قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں جو نماز کے مقوم اور محقق ہیں جیسے رکوع اور سجدہ عقل کو اِن سے بھی گریز نہیں اسلئے کہ یہ سب خشوع اور خضوع ہی کی صورتیں ہیں اور اسیطرح طہارت کی قید سے بھی اُسکو انکار نہیں اور دوسری قسم قیود کی وہ ہیں جو زائد اور خارج ہیں جیسے مکان خاص یا زمان خاص عقل اس قسم کی قیود کو تجویز نہیں کرتی ایسے قیود طبیعت کا حظ ہیں اسیواسطے میں نے کہا تھا کہ بعض کے اندر عقلیت کی شان کا غلبہ ہے اور طبیعت مغلوب ہے پس عقل ایسی عبادت کی مجوز ہے

جو زمان اور مکان کی قید سے مبرا ہو جیسے ذکر اللہ کہ کسی وقت کیساتھ مقید نہیں چنانچہ ارشاد ہے یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا اور حدیث میں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل حین لیکن طبیعت کی رعایت کر کے بعض عبادتوں میں قیدیں لگائی گئی ہیں اسلئے کہ طبیعت کا تعلق جزئیات محسوسہ سے ہے اور اسکا مقتضی یہ ہے کہ ہر قسم کی قید ہو پس جو عبادات عقل کی تسخیر کے لئے ہیں اُن میں قیدیں نہ ہونا چاہئے اور جو طبیعت کی تسخیر کیلئے ہیں انہیں قیود ہونا ضروری ہیں اسلئے ہر قسم کی عبادتیں حقتعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں اسکے بعد سمجھنا چاہئے کہ قیود کی تین قسمیں ہیں اوّل قید زمان دوسرے قید مکان تیسرے علاوہ اِن دونوں کے کوئی قید مناسب ہو اِن تینوں قسموں کے درمیان جو غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو زمان کی قید عقل سے اتنی بعید نہیں ہے جسقدر کہ مکان کی قید بعید ہے اسلئے کہ زمان بھی ہر چند کہ قید ہے لیکن وہ ایسی قید ہے کہ اطلاق کے مناسب ہے اسلئے کہ زمان خود ایک ایسی شئے ہے کہ اُسکے اندر ایک قسم کا اطلاق ہے خواہ فلاسفہ کے قول کے موافق فلک الافلاک کی حرکت کو کہا جائے یا متکلمین کے قول کے موافق ایک امتداد موہوم سے تعبیر کیا جاوے ہر صورت میں زمانہ ایک ایسی شئے ہے کہ اُسمیں اطلاق کی مشابہت ہے پس اس قید سے بھی عقل کو زیادہ انکار نہیں ہے۔ باقی رہی قید مکان کی یا وہ قید جو محسوس ہونے میں مکان کی طرح ہو اُس سے عقل کو بالکلیہ انکار ہے۔ وہ خالص طبع کے موافق ہے پس حج چونکہ بیت کیطرف مضاف ہے اور بیت نام ایک مکان خاص کا ہے اسلئے یہ عادت طبع کی تسخیر کے لئے ہوئی اور عقل اسکو بالکل تجویز نہیں کرتی ہے۔ چنانچہ حج کو اوّل سے آخر تک دیکھ لیجئے کہ اسکے سب افعال ایسے ہی ہیں۔ دیکھئے سب سے پہلے حج میں کیا ہوتا ہے سب سے اوّل یہ ہوتا ہے کہ اپنے گھر آرام سے اپنے اہل وعیال اور عزیزوں میں بیٹھے ہوئے ہیں دل میں آیا کہ حج کریں سفر کی تیاری ہوئی عقل یہاں سے ہی مانع ہوتی ہے کہ کیا ضرورت ہے۔ خصوصاً جبکہ عقل نے یہ اشعار بھی سن لئے ہیں ؎

اے قوم بحج رفتہ کجا ئید کجا ئید	معشوق درانیجاست بیا ئید بیا ئید

حالانکہ یہ شعر خاص اُن لوگوں کیواسطے ہے جو حج کر کے خدا سے اور زیادہ دور ہو جاتے ہیں یعنے پاس کچھ نہیں ہے اور شوق ہوا حج کا چلدئے اور رستہ میں نمازیں قضا کر رہے ہیں اور لوگوں سے بھیک مانگ رہے ہیں ایسے لوگوں کو خطاب ہے کہ محبوب تو یہاں ہی ہے یعنی اُسکی مرضی نہیں ہے کہ تم وہاں جاؤ اور مرضیات کے خلاف کرو۔ غرض عقل اوّل ہی سے سدّ راہ ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضرت حق تو

مقید مکان کے ساتھ نہیں تم وہاں جاکر کیا کروگے۔ غرض عقل کو سخت گنجلک ہوتی ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ آجکل جو بعض عقل پرست حج پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عقل کے خلاف ہے۔ اِس امر کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور اسی کو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ واقعی عقل کے خلاف ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ عقل جس بات کو تجویز نہ کرے وہ ضروری نہیں ہے۔ یہ عبادت طبع کی تسخیر کے لئے ہے اور اُسکا تسخیر کرنا ضروری ہے کما مر۔ اب آگے چلئے آگے یہ ہوتا ہے کہ اچھے خاصے آدمیوں کی صورت سے نکلکر یہ وحشت ہوئی کہ سب کپڑے اُتار دئے صرف ایک لنگی باندھ لی اور ایک چادر بدن پر اوڑھ لی اور سر ننگا کر لیا۔ یہاں بھی عقل کو وحشت ہوئی کہ ہائیں یہ کیا ہوا یہ کون عقل کی بات ہے کہ ننگے سر رہو اور اچھے خاصے کپڑے اُتار کر مُردوں کا سا کفن بدن سے لپیٹ لیا اِس کے بعد دو رکعت پڑھ کر چلانا شروع کیا لبیک اللھم لبیک اب عقل پھر روکتی ہو کہ یہیں چلاتے کیوں ہو یہ تمکو کیا سودا ہوا لیکن وہ ایک نہیں سُنتا اسکے بعد آگے چلے جب خانہ کعبہ پہونچے اور اسکو دیکھا تو آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہوگئے۔ عقل کہتی ہو کہ باؤلے کیوں ہوگئے روتے کیوں ہو؟ آگے بڑھے تو کیا سوجھی کہ دیوانوں کی طرح ایک مکان کے چاروں طرف پھر رہے ہیں اور پھر یہ حرکت کہ آپ دوڑتے ہیں اور شانے ہلاتے جاتے ہیں عقل کہتی ہے کہ بس جی بالکل ہی دیوانگی آگئی اور وہ جواب دیتا ہے

ع

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم	مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد	مر عسس را دید و در خانہ نشد

غرض عقل وہاں لنگوری۔ نیچی کھڑی تکتی ہے اور کچھ نہیں کرسکتی۔ اِس [illegible] سے کوئی ذرا پوچھے کہ تو یہاں آئی کیوں اسکو مناسب تھا کہ یہ یہاں نہ آتی۔ لیکن مُحبت ہے۔ پوچھو وہ باغ باغ ہے اور عقل کو ملامت کرتی ہو کہ تو یہاں کیوں آئی یہاں تیری دعوت نہیں ہے یہاں تو ہماری دعوت ہو تو یہاں محض طفیلی ہو ایک طرف چپکی کھڑی رہ اگر ذرا دم مارا تو کان پکڑ نکال دیجائیگی۔ خیر عقل بیچاری چپ ہوگئی اُسنے اور صبر کیا خیر وہاں سے پھر پھرا کر صفا و مروہ کی طرف گئے وہاں کیا حرکت کی کہ اچھے خاصے متانت کے ساتھ چلتے چلتے میلین اخضرین کے درمیان یکدم بھاگے عقل کو سخت وحشت ہوئی پھر ایک دفعہ نہیں سات مرتبہ یہی کیا اس کے بعد خیر عقل نے مغلوب ہوکر

تسلیم کر لیا کہ یہ اللہ میاں کا گھر ہے یہاں ایسے ہی افعال مناسب ہیں اسکے بعد آٹھویں تاریخ جب آئی تو عرفات کو چلے عقل یہاں بھی روکتی ہے کہ میاں یہ کیا وحشت ہے اللہ میاں کے گھر کو چھوڑ کر جنگل کیوں چڑھ گئے پھر وہاں کوئی شئے نہیں محض ایک میدان ہے اور وہاں جاکر کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا ایک نماز تھی جو محل کا خط تھا وہ بھی اپنے وقت پر نہیں ہے یعنی عصر کی نماز اُس روز ظہر کیوقت پڑھی جاتی ہے خیر عقل نے جوں توں کر کے تمام دن گذارا اب مغرب کا وقت آیا عقل کہتی ہے کہ نماز پڑھو لیکن نماز نہیں پڑھتے اسلئے کہ اُس روز مغرب کی نماز مزدلفہ میں جاکر عشار کیوقت میں پڑھی جاتی ہے مغرب کا وقت گذر رہا ہے اور عقل سخت پیچ و تاب میں ہے کہ یہ کیا اسرار ہے کہ نماز بھی اُڑ گئی عقل اس پارلیمنٹ سے بالکل علیحدہ ہے اسکے بعد منا میں پہنچے وہاں تین پتھر ہیں اُن کو کنکریاں مارو یہاں بھی عقل منع کرتی رہی کہ یہ کیا دیوانگی ہے پھر جانور ذبح کرو ذبح خود عقل کے خلاف نہ کہ اس خاص شان کے ساتھ۔ اسکے بعد سر منڈوا و اچھے خاصے تھے سب کے سر کدو سے نکل آئے اور عورتوں کیلئے بجائے سر منڈانے کے تھوڑے سے بالوں کا کترانا ہے اسلئے کہ عورتوں کے سر کے بال مردوں کی داڑھیوں کے قائم مقام ہیں جیسے مردوں کی زینت داڑھی سے ہے عورتوں کی زینت سر کے بالوں سے ہے اسلئے حج اور غیر حج کسی وقت اُن کا بالکل کتر ڈالنا یا مونڈنا جائز نہیں سو اسوسطے میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اُن کو چاہئے کہ عورتوں کے سر کے بال بھی منڈایا کریں اسلئے اگر داڑھی کے منڈانے سے اُنکے زعم میں زینت ہوتی ہے تو عورتوں کے سر کے بال منڈانے سے بھی ہونی چاہئے۔ غرض حج کے جسقدر افعال ہیں اوّل سے آخر تک سب عقل کے خلاف ہیں اسلئے کہ اس مجاہدہ میں عقل کی رعایت نہیں ہے طبیعت کے مذاق کے موافق ہے اسلئے کہ طبیعت قیود مکانیہ کو مقتضی ہے۔ یہ تو اجمالی بیان تھا حج میں رعایت طبیعت کا۔ اور تفصیلی بیان یہ ہے کہ تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اصل میں طبع جس شئے سے مغلوب ہوتی ہے وہ صرف ایک شئے ہے جسکا نام محبت ہے محبت ہی وہ شئے ہے جس سے طبیعت مغلوب ہو جاتی ہے اور اُسکے سامنے بیکار ہو جاتی ہے۔ طبیعت کی کیفیت یہ تھی کہ وہ وہم کی مسخر تھی لیکن محبت کے سامنے سب اوہام جاتے رہتے ہیں۔ دیکھو اگر کوئی کسی مُردار عورت پر عاشق ہو جاتا ہے تو ذلت اور خواری جو کہ طبیعت کے خلاف تھی سب گوارا کرتا ہے اور اگر کبھی ان چیزوں کی مزاحمت ہوتی ہے تو کہتا ہے ؎

مصلحت آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و خم گیسوے یارے گیرند

طبیعت کہتی ہے کہ رسوا ہو جائیگا۔ محبت کہتی ہے ؎

نسازد عشق را کنج سلامت	خوشا رسوائی کوئے ملامت

طبیعت چاہتی ہے کہ میری بڑائی اور ننگ و ناموس محفوظ ہے لیکن محبت کا مقتضے یہ ہے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما	وے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما	اے تو افلاطون و جالینوس ما

اور واقعی طبیعت کو دبانے کے لئے بھی ایسی ہی سخت شے کی ضرورت تھی۔ عقل کو تو اسنے دبا لیا تھا لیکن محبت جیسا زبردست پہلوان نہ ہوتا تو واقعی طبیعت عقل پر غالب آکر بہت فساد اُٹھاتی۔ غرض محبت طبیعت سے مغلوب ہوتی ہے محبت کا بقار اور ظہور ہوتا ہے اسباب سے اور اسباب اُسکے یہ ہیں کہ محبوب کے ساتھ کچھ تلبس ہو مثلاً محبوب کو دیکھ لیا یا اُسکی آواز کان میں آگئی یا اگر خوش قسمتی سے ہاتھ ملالیا تو محب ذبح ہی ہو جائیگا۔ اور اگر کبھی معانقہ نصیب ہوگیا تو یوں سمجھو کہ سب کچھ ملگیا اور اگر ان اسباب میں سے کوئی شے بھی نہ ہو تو محبت ضعیف تو یقیناً جاتی رہیگی اور محبت قوی بھی یا تو ضعیف ہو کر قریب الزوال ہو جائیگی اور یا محب کو فنا کر دیگی۔ پس جب محبت کا یہ خاصہ معلوم ہوگیا تو سمجھنا چاہیے کہ یہاں محبوب ہیں اللہ تعالےٰ اور وہ بالکل نظروں سے غائب ہیں نہ اُن کو دیکھ سکتے ہیں نہ کوئی آواز اُنکی سُنائی دیتی ہے اور ہاتھ ملانا اور معانقہ کرنا تو کیسے ہو سکتا ہے پس اگر اس محبت کی بقار کا کوئی سبب ظاہری دُنیا میں نہ بنایا جاتا تو محبین یا تو ہجر میں فنا ہو جاتے یا محبت اُنکی رخصت ہو جاتی اسلئے حقتعالیٰ نے اپنی رحمت بے نہایت سے دنیا میں ایک گھر بنایا اور اُسکو اپنی طرف منسوب فرما کر اُسکا نام بیت اللہ رکھا اور اُسپر ایک خاص تجلی اپنی صفات کی رکھی اور اُسمیں ایک پتھر حجر اسود رکھا گیا جسکا نام یمین اللہ رکھا گیا اور اُسکی زیارت مستطیعین پر فرض کر دی کہ اپنی جان اور مال لیکر دار محبوب تک جاؤ اسلئے کہ محبوب حقیقی کو اس عالم میں دیکھ نہیں سکتے اُس کے تخت یعنی تجلی گاہ ہی سے اپنی محبت کا اظہار کرو اور اپنے جوش ہائے محبت کو نکالو۔ اُسکے گرد پھرو اُس سے معانقہ کرو اُس سے مصافحہ کرو یعنی حجر اسود کے تقبیل یا مس کرو اور عشاق کی سی صورت بناؤ اور جیسے عشاق کی چال اور افعال میں وقار اور متانت نہیں ہوتا ایسے ہی تم بھی بیت اللہ شریف کے گرد شانے ہلاتے ہوئے دوڑو اور اگر کوئی ان افعال سے مانع ہو اور ملامت کرے تو اُسکو پتھروں سے مارو یعنی رمی جمار کرو اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں اسلئے تجویز کی گئی ہیں کہ بڑے بڑے پتھر اگر ہوتے تو اُن سے تو کسی آنے جانے والے کے چوٹ

لگ جاتی اور مارنا مقصود ہے شیطان کو اور اُسکو درحقیقت مارنیوالی شئے اللہ تعالی کا ذکر ہے او
یہ کنکریاں اُسکی ظاہری صورت ہے - اب سمجھ میں آگیا ہو گا کہ حج کے افعال سب عقل کے خلاف
کیوں ہونا چاہئے چنانچہ صورت بھی مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے - سر ننگا - بال بڑھے ہوئے -
جوئیں چلتی ہوئی - نہ سر کا ہوش نہ بدن کی خبر - اور مناسب تو یہ تھا کہ وہاں اس حالت سے
جا کر اپنی جان دے ڈالتے لیکن یہ محبوب کیطرف سے رحمت ہے کہ اُنہوں نے بجائے تمہاری
جان کے ایسی شئے کی جان کو قبول کر لیا کہ جو اُنکی جنس قریب میں شریک ہے یعنی بکرا یا گائے
یا اُونٹ کی قربانی کا حکم دیا - فلاسفر قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ مال کے ضائع کرنے سے
کیا فائدہ ہے اسلئے کہ اُسکا گوشت بھی نہیں کھایا جاتا - لیکن یہاں تو عقل کو بالائے طاق
رکھدیا گیا ہے اُسکو تو یہ کہا جاتا ہے کہ تو ایک طرف کھڑی رہ تیرا یہاں کام نہیں ہے یہاں تو
طبیعت کو بُلایا گیا ہے پس فلاسفہ کو بکنے دو یہ کیا جانیں کہ اس میں کیا لطف ہے غرض یہ
موقع جان دینے کا تھا لیکن یہ رحمت ہے کہ بجائے تمہاری جان کے محبوب نے جانوروں کی
جان قبول فرمالی اور دیکھئے کہ محبوب کے مکان کی عظمت عاشق کے دل میں بیحد ہوتی ہے یہاں
اُس عظمت کو اسطرح ظاہر کیا گیا ہے کہ وہاں کے جانور کا شکار نہ کرو اور وہاں کی گھاس نہ کاٹو -
فلسفیانہ نظر سے تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا لیکن عاشق سے پوچھو کہ اُسکو محبوب کی در و دیوار
کو دیکھ کر کیا حالت ہوتی ہے ؎

ومن مذہبی حب الدیار لاہلہا	وللناس فیما یعشقون مذاہب

(ایک اور شاعر کہتا ہے ؎ تمتع من شمیم عرار نجد - فما بعد العشیۃ من عرار - جامع)
وہ عاشق ہی کیا ہوا جس نے محبوب کے مکان کی قدر نہ کی اور وہاں کے گل تو علیحدہ وہاں کے
خار کو بھی بنظر محبوبیت کے نہ دیکھا اور وہاں کے جانوروں کا شکار تو بہت بڑی خیانت ہے
اس تقریر سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ حج کے تمام افعال میں محبت کا ظہور ہے - اسیواسطے اس کے
تمام افعال عقل سطحی کے خلاف نظر آتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سبب ظاہری ہی محبوب
حقیقی کی محبت کے بڑھنے کا اور جب محبت بڑھیگی تو یہ شخص محب ہو گا اور رفتہ رفتہ محبوب بنجاتا
ہے - گو حقتعالی کی محبت اور عبد کی محبت میں اتنا فرق ہے کہ عبد کی محبت کا تو آثار سے شور و
غل ہو جاتا ہے اور حقتعالی کی محبت مثل حقتعالی کے پوشیدہ ہوتی ہے ؎

عشق معشوقاں نہان ست و ستیر	عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر

ایک عاشق عاشقاں تن رہ کند عشق معشوقاں خوش و فربہ کند
عشق من پیدا و معشوقم نہاں یار بیروں فتنۂ او در جہاں

اور حج سے محبت کا بڑھنا ایک ایسا امر ہے کہ ہر مسلمان اسکو سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے قلب میں بیت اللہ شریف کیطرف ایک کشش اور انجذاب محسوس کرتا ہے اور جو وہاں گئے ہیں ان سے پوچھو کہ کیا حالت ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی دل بے قابو ہوجاتا ہے اور بلا اضطرار آنسوؤں کا مینہ برسنے لگتا ہے اور یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ خانہ کعبہ پر ضرور کوئی جلوہ گر ہے ورنہ ایک تعمیر میں دل لانیکا اثر کیا معنی ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں کوئی معشوق ہے اِس پردۂ زنگاری میں

یہ ضروری بات ہے کہ حقتعالیٰ متقید بالمکان نہیں ہے لیکن مکان کیساتھ ایک بے کیف اتصال و تعلق ضروری ہے لیکن وہ اتصال ایسا نہیں کہ جسکی ہم کیفیت یا کمیت بتلا سکیں۔ مولانا اسی مضمون کے متعلق فرماتے ہیں ؎

اتصالِ بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس

اور مولانا کعبہ کی نسبت فرماتے ہیں ؎

کعبہ را ہر دم تجلی میفزود ایں ز اخلاصاتِ ابراہیم بود

اور یہ تجلیات اگر نہ ہوتیں تو اُس میں کیا تھا مثل دیگر امکنہ کے وہ بھی ایک مکان تھا۔ پس حجاج درحقیقت حج البیت نہیں کرتے بلکہ حج رب البیت کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود

یہ حج کے اسرار ہیں جو بزرگوں کے کلام سے اور کتاب و سنۃ کے اشارات سے میں نے بیان کئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس سے حفاظت مقصود ہے مذاق محبت کا اور ثمرہ بھی اُسکا وہی ہے جو عشق و محبت کا ثمرہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حج مبرور سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں۔ عشق کا خاصہ بھی یہی ہے کہ اُس سے ماسوا محبوب کے سب فنا ہو جاتے ہیں عشق کی مثال آگ جیسی ہے کہ کھیت میں اگر جھاڑ جھنکار ہوں تو ایک ایک کو اگر اُکھاڑا جاوے تو بہت مدت صرف ہوگی اور اگر آگ لگادو تو ایکدم سے سب جل بھن کر خاک سیاہ ہو جاوینگے یہی حال آتش عشق کا ہے کہ ماسوا کو سوخت کردیتی ہے اور یہ وہ آگ ہے کہ پلصراط پر جب مومن کا گذر ہوگا تو نار دوزخ کہیگی جُز یا مومن فان نورک اطفاء ناری یعنے اے مومن جلدی گذر جا تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا۔ بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ اس نور سے مراد آتش عشق ہے۔ حاجی صاحبؒ کا شعر ہے ؎

اگر ظاہر کروں سوز جگر کو کروں شرمندہ دوزخ کی شرر کو

مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت	ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

اور گناہ بھی ماسوا میں داخل ہیں وہ بھی سوختہ ہوجاتے ہیں اسلئے ارشاد فرمایا کہ حج کرنیوالا ایسا ہوجاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہو۔ یہ حاصل ہے حج کا۔ اب آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ حج کا خاصہ کیا ہے چنانچہ حج کرنیوالوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بعد حج کے اُن پر محبت کا رنگ غالب ہوجاتا ہے اگر کوئی عارض مانع نہ ہوگیا۔ اب ایک شبہ رہ گیا وہ یہ ہے کہ جس کو حج کی استطاعت نہ ہو تو وہ ناقص رہیگا اسلئے کہ طبیعت اُسکی مسخر نہ ہوگی۔ اُسکا جواب ایک تو یہ ہے کہ میں نے اوّل بیان کیا ہی کہ نماز و روزہ میں بھی تقیدات ہیں اسلئے طبع اُن سے مسخر ہوجائیگی لیکن فرق اسقدر ہی کہ حج سے تسخیر طبع کامل ہوتی ہی اور نماز و روزہ سے اسقدر نہیں ہوتی۔ گو رفتہ رفتہ بتدریج کمال حاصل ہوجائے لیکن حج سے دفعتاً ہوجاتی ہی۔ ایسی مثال ہے جیسے کسی لکڑی کو آہستہ آہستہ کاٹو تو مدت کے بعد وہ کٹ جائیگی اور ایک صورت یہ بھی ہی کہ دفعتاً کٹ جائے پس نماز روزہ سے تو بتدریج طبع پر اثر ہوگا اور حج سے فوراً رنگ بدلجائیگا اور دوسرا جواب یہ ہی کہ گو حج نہ کرے لیکن نیت بلکہ شوق ہو تو ہر مومن کو حج کا ہوتا ہے اور حدیث شریف آیا ہے نیۃ المؤمن خیر من عملہ پس وہ بھی مثل حج کرنے والے ہی کے ہوگا اور اسکے شوق اور دوسری عبادات کے شوق میں بھی فرق ہے اسکا شوق سب سے بڑھ کر ہے چنانچہ دیکھ لو کہ ساری دنیا کے مسلمان حج کے شوق میں مٹے ہوئے ہیں۔ اگر ذرا تذکرہ آجاتا ہے تو ہر مسلمان تمنا ظاہر کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو نصیب کردے۔ یہ تو اُن کا حال ہی جنکو نصیب نہیں ہوا اور جو مشرف ہوچکے ہیں اُن کا ایک مرتبہ بلکہ دس مرتبہ سے بھی جی نہیں بھرتا جتنی مرتبہ بھی جاؤ جی نہ بھریگا۔ پھر دل چاہیگا کہ جائیں پس ایسا شوق بھی نائب ہوجاتا ہے اصل کا۔ ایک شبہ اور ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں بھی تو قید مکان کی ہی کہ مسجد میں پڑھتے ہیں پس چاہئے کہ اُس سے اسی درجہ کی تسخیر طبع کی ہو۔ جواب یہ ہے کہ مسجد کی قید نماز میں فضیلت کی ہے نفس صلوٰۃ بغیر اس قید کے بھی ہوجاتی ہے بخلاف حج کے کہ وہ اُس مکان کے بدون متحقق ہی نہیں ہوتا اور قید بھی ایسی عجیب غریب ہے کہ وہ قید بھی خود مقید ہی۔ تفصیل اس مجمل کی یہ ہی کہ بیت اللہ شریف نام اُس خاص بیت کا اُسی وقت تک ہے جبکہ وہ اُس مکان خاص اور اُس جو خاص کے ساتھ مقید ہی چنانچہ اگر اُسکے پتھر

ع ؎ لیکن یہ کمال استعداد اور قوت اور موانع کے ارتفاع کے اعتبار سے ہوگا۔ ۱۲ جامع۔

اٹھاکر دوسری جگہ رکھدیں تو وہ بیت اللہ نہیں ہے۔ لوگ سمجھتے ہونگے کہ وہ ایک کوٹھا ہے جب اسکو منہدم کردیا جائے تو بس حج گیا۔ یہ نہیں ہے بلکہ اس زمین کا نام بھی نہیں ہے چنانچہ اگر تحت الثریٰ تک وہاں کی مٹی اٹھاکر دوسری جگہ پھینکدی جائے تب بھی بیت اللہ موجود ہے۔ پس حقیقت بیت اللہ اس بعد مجرد کا نام ہے جو تحت الثریٰ سے عنان سماء تک ہے نہ کوٹھا بیت اللہ اور نہ زمین۔ چنانچہ اگر کوئی بیت اللہ شریف کے اوپر یا کسی ایسے مکان کے اوپر نماز پڑھے جو بیت اللہ سے بلند ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ شعائر اسلام کی بنیاد کس قدر قوی ہے کہ اُن کا مدار کسی ضعیف اور بے اصل شئے پر نہیں۔ اور یہاں سے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ جو بعض غیر قوموں نے کیا ہے کہ مسلمان بھی بت پرستی کرتے ہیں یعنی کعبہ کیطرف سجدہ کرتے ہیں۔ تقریر جواب کی یہ ہے کہ اوّل تو ہم خانہ کعبہ کو مسجود نہیں سمجھتے۔ اور دوسرے یہ کہ خانہ کعبہ اُن پتھروں کا نام نہیں جیسا کہ ابھی واضح ہو گیا۔ بت پرستی میں تو اگر اس بت کو اٹھاکر پھینکدیا جائے تو اسطرف کوئی سجدہ نہ کرے گا اور اسی تقریر سے قربانی کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی کہ وہ ہمارے جان کے قائم مقام ہے۔ باقی اور مقامات پر جو سب مسلمان قربانی کرتے ہیں تو اسکا راز یہ ہے کہ حج کے برکات تو انہیں کو حاصل ہوتے ہیں جو حج سے مشرف ہوتے ہیں اور جو وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ اسکے برکات سے محروم تھے اسلئے حقتعالیٰ نے حج کا ایک جزو اُن پر واجب کردیا کہ تشبیہ بالحجاج سے انکو بھی اُن برکات کا ایک حصہ نصیب ہو جائے اور نیز اوّل بیان کیا گیا ہے کہ قربانی بھی منجملہ اُن مجاہدات کے ہے جو طبیعت کی تسخیر کیلئے ہیں اور طبیعت کی تسخیر کی ہر ایک کو ضرورت ہے اسلئے سب کو یعنی غیر حجاج کو بھی قربانی کا حکم ہوا۔ اور یہ سنت ابراہیمی ہے اور اصل تو اسکی یہ تھی کہ بیٹے کی قربانی کریں لیکن چونکہ ہم ضعیف تھے اور بیٹا اپنی جان سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اسلئے بجائے اسکے یہ حکم ہوتا کہ اپنی جان قربان کرو اسلئے کہ اپنی جان دینا یہ بھی لوازم عشق سے ہے چنانچہ بعض بزرگوں کو یہ دولت نصیب بھی ہوئی ہے کہ خانہ کعبہ پہونچکر انہوں نے اپنی جان دیدی ہے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ یا کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک شخص آپ کی مجلس میں اس مصرعہ کا تکرار کرنے لگا ع جان بدہ جان بدہ و جان بدہ۔ حضرت کو جوش ہوا اور فرمایا کہ میاں محبوب جان مانگتے ہیں اور کوئی اتنا نہیں ہے کہ جان دیدے اور یہ کہکر فرمایا جان دادم و جان دادم و جان دادم اور وصال ہو گیا۔ پس اصل تو عشق کا مقتضی جان دینا ہے۔ اور اگر وہ جان مانگتے تو حق تھا۔ چنانچہ ارشاد بھی ہے ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم الخ

اور وہ تو سلطان السلاطین ہیں دُنیا کے جب ایسے ایسے خطرناک موقعوں پر بیجاتے ہیں کہ جہاں جان کا خطرہ ہے اور انکار نہیں کرتے تو وہ تو بطریق اولیٰ اسکے مستحق ہیں خاص کر جبکہ جان بھی ہماری نہ ہو اُنکی ہی دی ہوئی ہو اگر وہ جان لیلے تو کیا حرج ہے۔ مولانا تو اہل اللہ کے لئے فرماتے ہیں ؎

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست	نائب است و دست او دستِ خداست
ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ	شاد و خنداں پیشِ تیغش جاں بدہ

یعنی اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح تفویض محض کردو کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری یعنی بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کرتا ہوں تم سوچ کر اپنی رائے بتلاؤ۔ قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ یعنی اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا اے ابا آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابرین سے پائینگے اللہ اکبر کیسے باپ بیٹے تھے کہ دونوں راضی ہو گئے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو پچھاڑ کر انکے گلے پر چھری چلادی لیکن حقتعالے نے بجائے اُن کے ایک مینڈھے کو رکھ دیا اور وہ ذبح ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے وفدیناہ بذبح عظیم۔ وہ مینڈھا جان کا فدیہ ہو گیا اس سے معلوم ہو گا کہ قربانی جان کا عوض ہے غرض اس تمام تر تقریر سے قربانی کا راز بھی معلوم ہو گیا اور بحمد للہ یہانتک اسلام کے تمام ارکان کے اسرار کا بقدر ضرورت بیان ہو گیا صرف ایک رکن باقی رہ گیا ہے زکوٰۃ لیکن اُس کے اسرار بیان کرنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ اُسمیں عقلیت کی شان اغلب ہے اسلئے کہ مالی اعانت مساکین کی ایسی شے ہے کہ اُسکے استحسان میں کسی عاقل کو کلام نہیں ہے اور نیز اسمیں کسی مکان یا زمان خاص کی بھی قید نہیں یعنی کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے کہ اُسوقت اگر ادا نہ کریں تو یہ عبادت قضا ہو جائے باقی چالیسویں حصہ کی تعیین یہ سہولت کے لئے ہے اسلئے کہ چالیس روپیہ میں سے ایک روپیہ دیدینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نصاب مقرر فرمانا یہ بھی سہولت کے لئے ہی۔ مصارف جو مقرر فرماتے ہیں کہ نہ بیٹا ہو نہ پوتا نہ باپ دادا ہو یہ اسلئے ہے تاکہ نفس پر گراں ہو اسلئے کہ ان لوگوں کو دینے سے نفس کو کچھ گرانی نہ ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ اول تو اسمیں بہ نسبت اور مجاہدات کے قیدیں ہی کم ہیں اور جو قیدیں ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ اجمالاً ہر شخص اُن کا راز سمجھ سکتا ہے۔ گو تفصیلاً اُسمیں بھی بعض قیود تعبدی ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہئے تاکہ اُسمیں بھی مثل نماز کے عقلیت غالب اور دوسری حیثیت مغلوب ہو۔ مگر چونکہ زیادہ حصہ اُسمیں

معقول ہے اسلئے اسکو مستقل بیان کرنے کی ضرورت نہیں - خلاصہ یہ ہے کہ نماز اور روزہ میں تو عقلیت غالب ہے اور تعبدیت مغلوب اور زکوۃ میں عقلیت اغلب ہی اور تعبدیت بہت کم بمنزلہ اس کے کہ گویا نہیں ہے - اور حج میں طبعیت اور تعبدیت اغلب ہے اور عقلیت نہایت کم - اور ہر قسم کے مجاہدہ کا جُدا اثر ہے جسمیں عقلیت غالب یا اغلب ہے وہ عقل کی تعدیل کے لئے ہیں اور جس میں طبعیت کا غلبہ ہے وہ طبعیت کی تسخیر کیلئے ہیں اور جن میں عقلیت غالب ہے اُن کا اثر سلوک ہے - اور جن میں طبعیت غالب ہو اُن کا اثر جذب ہے - اور یہی دو طریق ہیں قبول کے - چنانچہ ان دونوں طریقوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب اجتبار سے طریق جذب اور ہدایت سے طریق سلوک کی طرف اشارہ ہے - اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے مجاہدے عطا فرمائے ہیں کہ اُن کے حقوق ادا کرنے سے جذب اور سلوک حاصل ہوجاتا ہے - پس نہ خلوات طویلہ کی ضرورت ہے اور نہ ترک لذات کی حاجت ہے اور نہ تعلقات قطع کر کے گوشہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے ان ہی مجاہدات سے سب کچھ ہوجاتا ہے ہاں بصیرت و خلوص کی بیشک ضرورت ہے - پس خلاصہ اول رمضان سے اب تک کے مواعظ کا یہ ہوا کہ سلوک اور جذب کی تعلیم ہے - اب اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ توفیق عطا فرماویں ۞ آمین ثم آمین ۞

بعضے مقولات منقولات از شبلیؒ مشتمل بعضے رموز حج بتائید بعضے مضامین وعظ ہذا

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض متعلقین سے دریافت کیا کہ تو نے حج کی نیت منعقد کی تھی اُسنے کہا ہاں - اُنہوں نے پوچھا جتنے علاقہ اس کے مخالف تیری پیدائش کے وقت سے تھے تو نے سب کو قطع کر دیا تھا - اس نے کہا نہیں - شبلیؒ نے کہا تو بس حج کی تو نے نیت ہی منعقد نہیں کی (کیونکہ نیت حج کی رُوح یہی قطع تعلقات

ماسوی اللہ ہے جب یہ نہ ہوا تو ظاہر ہے نیت مثل جسد بلا روح کے ہی جو غیر معتد بہ ہے)۔
پھر شبلی رح نے اُس سے پوچھا تو نے (احرام کے وقت پہلے سلے ہوئے) اپنے کپڑے اُتارے
تھے اُسنے کہا ہاں۔ شبلی رح نے پوچھا کیا (کپڑے اُتارنے کے وقت) تو ہر چیز سے مجرد ہو گیا
تھا اُسنے کہا نہیں۔ شبلی رح نے کہا تو بس تو نے کپڑے ہی نہیں اُتارے (کیونکہ ان
کپڑوں کے اُتارنے کی روح یہی تجرد عما سوی اللہ ہے بدون اس کے کپڑے اُتارنا جسد
بلا روح ہے) پھر شبلی رح نے پوچھا تو نے (احرام کے وقت) وضو یا غسل کیا تھا اُسنے کہا
ہاں۔ شبلی رح نے پوچھا تیرے وضو یا غسل کے وقت تجھ سے تمام (باطنی) علتیں دور ہو گئی تھیں
اُس نے کہا نہیں۔ شبلی رح نے کہا تو بس تو نے وضو و غسل ہی نہیں کیا (کیونکہ اس طہارت
ظاہری کی روح یہی طہارت باطنی ہے جب یہ نہیں تو وہ کالعدم ہے) پھر شبلی رح نے
اُس سے پوچھا تو نے (احرام کے وقت) لبیک کہی تھی اُسنے کہا ہاں شبلی رح نے پوچھا تو نے
لبیک کا جواب ویسے ہی لبیک سے پایا تھا اُسنے کہا نہیں شبلی رح نے کہا تو بس تو نے لبیک ہی نہیں
کہی (کیونکہ اس لبیک یعنی حاضری کی روح محبوب کیطرف سے قرب و حضور کی دولت کا میسر
ہونا ہے جسکا اثر قلب پر ظاہر ہوتا ہے۔ بدون اس کے لبیک کہنا خالی لفظ ہے)۔ اور اپنے
بعض متعلقین سے جو حج کر کے آیا تھا حضرت شبلی رح نے پوچھا (غالباً یہ کوئی اور شخص ہوگا اور ممکن ہے
کہ پہلا ہی ہو مگر تفریق اجزاء قصہ کے سبب ناقل نے لفظوں میں ایسا عنوان اختیار کیا ہو جو دونوں
شخصوں کے متغایر ہونیکا موہم ہو۔ غرض اُس سے پوچھا) کہ تو مسجد (حرام) میں داخل ہوا تھا اُس
نے کہا ہاں۔ اُنھوں نے پوچھا کہ تو نے کسی مقام قرب میں داخل ہونا بھی معلوم کیا اُسنے کہا
نہیں۔ اُنھوں نے کہا تو بس تو مسجد ہی میں داخل نہیں ہوا (کیونکہ دخول مسجد کی روح دخول
مقام قرب ہے جسکا اثر قلب پر ہوتا ہے۔ اور جسد بلا روح کالعدم ہے)۔ پھر شبلی رح نے اُس سے
پوچھا تو نے کعبہ دیکھا اُسنے کہا ہاں اُنھوں نے کہا کہ تو نے اُسکو بھی دیکھا جس کے لئے خود کعبہ کا
قصد کیا تھا (یعنے حضرت حق اور یہ رویت بالقلب ہوتی ہے)۔ اُس نے کہا نہیں شبلی رح نے
کہا تو بس تو نے کعبہ ہی کو نہیں دیکھا (کیونکہ روح رویت کعبہ کی یہی تھی یہ نہیں تو وہ
محض جسد ہے) پھر شبلی رح نے اُس سے پوچھا کہ تو (طواف میں) تین بار دوڑ کر اور چار بار
آہستہ چلا تھا اُسنے کہا ہاں۔ اُنھوں نے پوچھا کیا تو دنیا سے اِسطرح بھاگ گیا کہ تجھ کو معلوم ہو گیا
ہو کہ تو اُس سے جدا ہو گیا اور وہ تجھ سے منقطع ہو گئی (کہ یہ بھاگنا روح ہے اُس طواف میں دوڑنے کی

اور کیا تو نے اپنے چار بار آہستہ چلنے میں اُس (بلائے دنیا) سے امن پایا جس سے تو بھاگا تھا پھر اسپر تو نے مزید شکر کیا ہو (کہ اس امن کا معلوم ہونا رُوح ہے اس آہستہ چلنے کی کیونکہ امن میں آہستہ چلتے ہیں اور خوف بلا میں دوڑ کر پس یہ دونوں رفتاریں اشارہ ہے اس خوف اور امن کیطرف) اُس نے کہا نہیں شبلی نے کہا تو بس تو طواف میں دوڑ کر ہی نہیں چلا (یعنی یہ چلنا محض صورت بے معنی ہوا اور اسیطرح آہستہ چلنا بھی) پھر اُس سے پوچھا تو نے حجر اسود سے مصافحہ کیا تھا اور اُسکو بوسہ دیا تھا اُسنے کہا ہاں اُنہوں نے ایک چیخ ماری اور کہا کمبختی مارے واللہ یہ کہا گیا ہے (یعنی اکابر نے کہا ہے) کہ جو شخص حجر اسود سے مصافحہ کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے مصافحہ کرتا ہے اور جو خدا تعالیٰ سے مصافحہ کرتا ہے مقام امن میں آجاتا ہے (یعنی دوزخ سے محفوظ ہو جاتا ہے) کیا تجھ پر کچھ اثر امن کا ظاہر ہوا (مثلاً معاصی سے نفرت ہو گئی ہو جو کہ سبب ہے دوزخ میں جانے کا کہ یہ ظہور ہے اثر امن کا) - اُس نے کہا نہیں - شبلی رح نے کہا تو بس تُو نے (حجر اسود سے) مصافحہ ہی نہیں کیا - (کیونکہ جب اُس میں رُوح نہیں تو جسد محض صورت بے معنے ہوا) - اور ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا (خواہ وہ پہلا ہی شخص ہو یا کوئی اور ہو جیسے یہی دو احتمال اوپر بھی آچکے ہیں) حضرت شبلی رح نے کہا کیا تو خدا تعالیٰ کے روبرو مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور دو رکعت (طواف) کی پڑھی تھیں اُس شخص نے کہا ہاں - شبلی رح نے پوچھا کہ تیرا جو مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے تو اُسپر بھی قائم ہوا - پھر تو نے اپنا مقصود بھی ادا کیا (جسکی طرف اشارہ ہے مقام ابراہیم پہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مرتبہ قرب کا حاصل ہوا اور مقام قرب کے مناسب جو مناجات و مکالمت ہیں وہ میسر ہوں) اُسنے کہا نہیں اُنہوں نے کہا بس تو نے نماز ہی نہیں پڑھی (کیونکہ جب نماز کی رُوح ہی نہیں تو قالب بیجان ہے) اور ایک شخص سے (کہ وہی شخص مذکور تھا یا دوسرا) حضرت شبلی رح نے کہا تو کوہ صفا کیطرف گیا تھا اُسنے کہا ہاں - شبلی رح نے پوچھا کیا تجھ سے تمام علتیں دُور ہو گئیں تھیں یہانتک کہ تو (سب سے) صاف ہو گیا تھا (جیسا مادہ صفا میں بھی اسطرف اشارہ ہے و نیز صفا سے ابتدا ہوتی ہے حرکت سعی کی اور حرکت سعی شان کی تہذیب نفس کے لئے ہونا حق ہے اسلئے بھی اس حرکت کی رُوح زوال علل ہے) اس شخص نے کہا نہیں شبلی رح نے کہا تو بس تو نہ صفا پر چڑھا اور نہ اُترا - پھر شبلی رح نے کہا

کیا تو (صفا و مروہ کی سعی میں میلین اخضرین کے درمیان دوڑا بھی تھا اُسنے کہا ہاں۔ شبلیؒ نے کہا تو کیا اپنے سامان (ہوس) سے بھاگ کر اپنی ہستی (کی حقیقت پہچاننے) تک پہونچا (کہ روح اس دوڑنے کی یہی ہو اور مسلمان کے لئے یہی دوڑ نالائق ہے کہ پندار کو حذف کرکے اپنی ہستی فانی پر نظر کرکے حق عبدیت ادا کرے) اُس شخص نے کہا نہیں شبلیؒ نے فرمایا بس تو دوڑا ہی نہیں پھر شبلیؒ نے پوچھا تو نے مروہ پر پہنچکر (اپنے نفس میں) سکون (و طمانیت علی المرضیات الالٰہیہ) کو پایا کہ اُسکو تو نے حاصل کیا ہو اور اسکا تجھ پر نزول ہوا (کہ مروہ پر اخیر پھیرے میں حرکت سعی ختم ہوتی ہے گویا یہ اشارہ ہے اُس سکون نفس کی طرف جو بعد حرکت مجاہدہ کے میسّر ہوتا ہے)۔ اُس شخص نے کہا نہیں۔ شبلی نے کہا تو بس تُو مروہ ہی پر نہیں پہونچا۔ اور شبلیؒ نے ایک حج کرنیوالے شخص سے (کہ وہی شخص سابق تھا یا اُسکے علاوہ دوسرا) پوچھا تو منیٰ کی طرف گیا تھا اُسنے کہا ہاں۔ شبلیؒ نے پوچھا کیا تو نے (وہاں پہونچکر) غیر حالت معصیت کی تمنا کی تھی اُسنے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے فرمایا تو بس تُو منیٰ ہی میں نہیں گیا (کیونکہ منیٰ کے مادہ میں منیہ یعنی آرزو سے مناسبت ہے تو اُسمیں اس آرزو کیطرف اشارہ ہے)۔ پھر حضرت شبلیؒ نے اُس سے پوچھا تُو مسجد خیف میں (جو کہ منیٰ میں ہے) داخل ہوا تھا اُس شخص نے کہا ہاں شبلیؒ نے کہا تو نے اپنے اِس آنے جانے میں خدا تعالیٰ سے خوف کیا تھا اور تو نے (اپنے دل میں) خوف کا ایسا درجہ پایا تھا جو اُسی مقام میں تجھ کو حاصل ہوتا ہو اُس شخص نے کہا نہیں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو بس تُو مسجد خیف میں داخل نہیں ہوا (کیونکہ لفظ خیف کو مناسبت ہے لفظ خیفہ سے جس میں کسرہ ماقبل اور خود ساکن ہونے سے واؤ کو یا سے بدل لیا گیا ہے بعد اُس کی اصل خوف ہے پس وہاں جانا مذکر ہونا چاہئے خوف حق کا جب یہ نہ ہوا تو وہاں جانا نہ جانا برابر ہوا اور حضرت شبلیؒ نے دخول خیف و منیٰ و صعود صفا میں الفاظ کو مذکر احوال کا قرار دیا کہ عبرت کے لئے ایسے اشارات و مناسبات بھی کافی ہیں اسیطرح آگے لفظ عرفات میں اسی مناسبت کا اعتبار فرمایا) اور شبلیؒ نے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا (یہاں بھی وہ دونوں احتمال ہیں اور اغلب مغائرت ہے) فرمایا تو عرفات

ع۵ منقول عنہ میں یہ عبارت تھی خضرات من نہادك و وصلت الی وجودك۔ اسی پر ترجمہ کیا گیا اور جی کو یہ کھٹکتا ہے کہ یہ عبارت اسطرح ہو من مرادك الی معبودك واللہ اعلم

کیا تھا اُس شخص نے کہا ہاں حضرت شبلیؒ نے پوچھا تو نے اُسمیں وقوف یعنی قیام کیا تھا اُس شخص نے کہا ہاں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کیا تو نے اُس حالت کی معرفت حاصل کی جسکے لئے تو (ماضی میں) پیدا کیا گیا ہے اور (اسیطرح) اُس حالت کی جسپر تو (فی الحال) وارد ہوتا رہتا ہے اور (اسیطرح) اُس حالت کی جس کی طرف تو (مستقبل میں) رجوع کریگا اور کیا معرفت بخشنے والے نے تجھ کو ان احوال کی معرفت کرائی اور کیا تو نے اُس مکان کو دیکھا جس کیطرف یہ سب اشارات (مذکورہ) ہیں (مکان سے مراد مقام معرفت اور اشارات سے مراد عرفات کا احوال مذکورہ کی معرفت کیطرف مشیر ہونا) کیونکہ یہی مقام ہے جس نے انفاس عمر کو (احوال مذکورہ میں سے) ہر حال میں غم سے رہائی دی ہے (یعنی حالات ماضیہ وحالیہ و استقبالیہ مذکورہ کو اسباب معصیت سے بعید رکھنا یہ اثر معرفت ہی کا ہے) اُس شخص نے کہا نہیں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو بس تُو نے وقوف عرفات ہی نہیں کیا (کیونکہ عرفات سے ان ہی معارف کیطرف اشارہ ہے جسکی مناسبت کا ابھی اوپر دخول مسجد خیف میں ذکر ہوا ہے)۔ اور حضرت شبلیؒ نے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا (خواہ وہ عین اوّل ہو یا غیر اوّل) فرمایا تو مزدلفہ کی کیطرف واپس آیا تھا اُس شخص نے کہا ہاں۔ اُنہوں نے پوچھا تو نے مشعر حرام (جو کہ مزدلفہ میں ہے) دیکھا تھا۔ اُسنے کہا ہاں۔ اُنہوں نے کہا تو نے وہاں اللہ تعالیٰ کا ایسا ذکر کیا تھا جس نے ماسوٰی کو بھلا دیا ہو اور تو اُسمیں مشغول ہو گیا ہو (جسکا حکم اس آیت میں ہے فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام الآیۃ اور ظاہر ہے کہ ذکر میں درجہ مطلوبہ وہ ہے جس میں ماسوٰی سے انقطاع ہو کما قال تعالیٰ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا الآیۃ) اُسنے کہا نہیں۔ اُنہوں نے فرمایا تو بس تو نے وقوف مزدلفہ نہیں کیا (کیونکہ وہاں جو حکم تھا وہ نہ بجا لایا)۔ اور حضرت شبلیؒ نے ایک شخص سے اپنے متعلقین میں سے جس نے حج کیا تھا فرمایا تو منیٰ میں داخل ہوا تھا (اور یہی سوال پہلے ایک شخص سے آچکا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک شخص سے دوبارہ سوال بیکار ہے یہ قرینہ قویہ صریحہ ہے کہ یہاں مخاطب اور ہے اور یہی ظن غالب سب جگہ ہے) اُس شخص نے کہا ہاں اُنہوں نے پوچھا تو نے وہاں (جانور) ذبح کیا تھا اُس نے کہا ہاں پوچھا اپنے نفس کو بھی (ذبح کیا تھا جسکی طرف اشارہ ہے ذبح حیوان میں) اُسنے کہا نہیں اُنہوں نے کہا تو بس تو نے ذبح ہی نہیں کیا۔ پھر حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو نے رمی جمار کیا تھا اُس نے کہا ہاں۔ اُنہوں نے پوچھا کیا تو اپنے جہل کو اپنی ترقی علم سے پھینکدیا تھا جسکا تجھ پر ظہور

لکھوا ہو (کہ رمی یعنی پھینکنا اُسکی طرف اشارہ ہے)۔ اُس شخص نے کہا نہیں۔ اُنہوں نے کہا تو بس تو نے رمی ہی نہیں کی۔ پھر اُنہوں نے پوچھا کیا تو نے سر منڈایا تھا اُس شخص نے کہا ہاں اُنہوں نے کہا کیا تو نے اپنی ہوسیں اپنے سے زائل کردی تھیں (کہ سر مُنڈانا اشارہ اس ازالہ کیطرف ہے)۔ اُس شخص نے کہا نہیں اُنہوں نے فرمایا تو بس تو نے حلق ہی نہیں کیا۔ اور حضرت شبلیؒ نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا پوچھا کیا تو نے طواف زیارت کیا اُسنے کہا ہاں اُنہوں نے پوچھا کیا تجھ کو کوئی بات خیرات میں سے مکشوف ہوئی یا تو اپنے اوپر کچھ زیادات کرامات زیارت کے سبب دیکھی کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حج کرنیوالے اور عمرہ کرنیوالے اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنیوالے ہوتے ہیں اور جسکی زیارت کیواسطے کوئی جاوے اُسپر حق ہوتا ہے کہ اپنی زیارت کے لئے آنیوالوں کی خاطر داری کرے (سو تجھ کو کوئی اکرام بھی محسوس ہوا) اُسنے کہا نہیں اُنہوں نے کہا تو بس تو نے طواف زیارت ہی نہیں کیا پھر اُنہوں نے اُس سے پوچھا کیا تو حلال ہوا تھا (یعنی احرام کھولدیا تھا جس سے سب ممنوعات احرام کے حلال ہوجاتے ہیں) اُس نے کہا ہاں اُنہوں نے پوچھا کیا تو نے اکل حلال کا عزم کیا تھا اُسنے کہا نہیں۔ اُنہوں نے فرمایا تو بس تو حلال ہی نہیں ہوا اور حضرت شبلی نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا پوچھا تو نے طواف وداع کیا تھا اُسنے کہا ہاں اُنہوں نے پوچھا کیا تو اپنے نفس اور روح سے بالکلیہ نکل گیا تھا (کہ طواف وداع اُس وداع نفس و روح کیطرف اشارہ ہے) اُس شخص نے کہا نہیں اُنہوں نے فرمایا تو بس تو نے طواف وداع ہی نہیں کیا تجھ پر دوبارہ جانا لازم ہے اور (دوبارہ حج میں) غور کرنا کہ کسطرح حج کیا جایا کرتا ہے۔ بعد ان تمام مضامین کے جو میں نے تمام مناسک میں تجھ سے ذکر کئے ہیں کیونکہ میں تجھ کو سب بتلا چکا اور جب تو (اگلی بار) حج کرے تو اس امر کی کوشش رکھیو کہ وہ حج ایسا ہو جیسا میں نے تجھ سے بیان کیا (اس سے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ تمام سوالات کا مخاطب ایک ہی شخص ہے سو اگر مخاطب متعدد ہوں جیسے اسکا اظہر ہونا پہلے آچکا ہے تو اسکی توجیہ یہ ہوگی کہ اُنہوں نے اس مخاطب اخیر کے روبروان سالکوں کے مخاطبات کو بھی نقل کرایا ہوگا۔

من رسائل الارکان لبحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ

تمت بالخیر